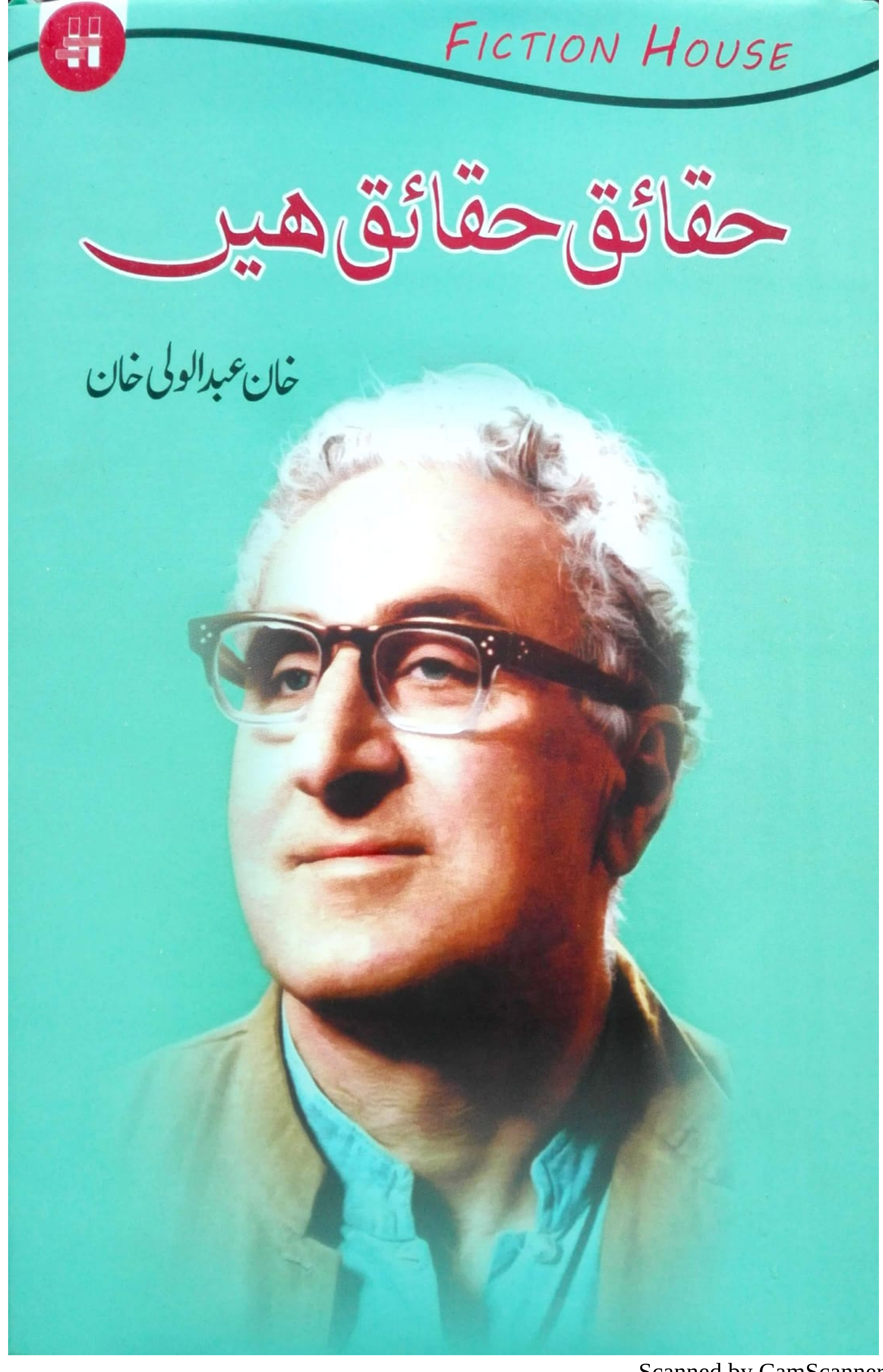

FICTION HOUSE
حقائق حقائق ہیں
خان عبدالولی خان

حقائق حقائق ہیں

خان عبدالولی خان

حواشی و نظر ثانی: فیصل فاران



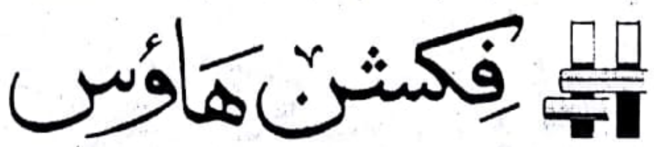
نام کتاب	:	حقائق حقائق ہیں
مصنف	:	خان عبدالولی خان
حواشی ونظر ثانی	:	فیصل فاران
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2019ء
قیمت	:	-/600 روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-1,37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056



●لاہور● کراچی● حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

(الف)

شہید ننگ وفا قاضی عطاء اللہ جان

کے نام

جنہوں نے انگریز استعماری وقتوں میں پشتون قومی تشخص کی بحالی کے لئے انتھک محنت کی۔ نہ صرف یہ کہ پہلی مرتبہ پشتون قوم کی تاریخ نئے نکتہ نظر سے لکھی بلکہ صوبہ سرحد کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے پشتو زبان کو دفتری، عدالتی اور تعلیمی زبان بھی بنوایا جسے اپنی قوم سے محبت کی سزا بٹوارے کے بعد پابند سلاسل کر کے یوں دی گئی کہ مر کر ہی وہ زندان لاہور سے نکلا ؎

بنا کر رند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیان
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طنیت را

(مرزا مظہر جان جاناں)

(ب)

''ایک اور قابل ذکر رہنما قاضی عطاء اللہ سابقہ وزیر تعلیم ہے جو اس وقت ہری پور جیل میں ہے عبدالغفار خان کا پیرو کار اور دائیں بازو ہے وزیر تعلیم کی حیثیت سے دور دراز علاقوں میں بھی انہوں نے علم کی روشنی پھیلانے کو بہت کچھ کیا پشتو زبان پر نہایت یقین رکھتا ہے اور اسے دیہی سکولوں میں ابتدائی تدریسی زبان کی حیثیت دی ہے سرخ پوش تحریک کا فیضان ہے کہ پشتو زبان نہ صرف درست ہو گئی بلکہ پھیلتی چلی جا رہی ہے تحریک کی خط کتابت اور دستاویزات سب کچھ پشتو ہی میں لکھا جاتا ہے اسی کے زیرِ اثر افغانستان میں بھی پشتو تحریک شروع ہو چکی ہے جس کے تحت افغان افسران کو پشتو لکھنے کی پڑھنے ہدایات جاری ہو چکی ہیں اور یہ فارسی کی جگہ دفتری حیثیت لے رہی ہے۔''

(بحوالہ گولڈ اینڈ گنز آن پٹھان فرنٹیو/ خان عبدالقیوم خان)

فہرست

مقدس حقائق

''حقائق حقائق ہیں'' رہبر تحریک خان عبدالولی خان کی مشہور زمانہ پشتو کتاب ''رشتیا رشتیا ري'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی تحقیقی بنیاد ان مستند لیکن نسبتاً کم حساسیت کی حامل سرکاری ستاویزات پر ہے جسے برطانوی حکومت عرصہ تیس سال بعد افشاء کرنا مناسب سمجھتی ہے زیادہ حساس دستاویزات البتہ ضائع کردی جاتی ہیں۔ لیکن ان کم حساس دستاویزات کی بنیاد پر بھی متحدہ ہندوستان کی سیاست واقعات اور حالات کا موازانہ کر کے رہبر تحریک نے پس پردہ ہدایت کار کو اس خونی ڈرامے کا بنیادی ادکار متعارف کرایا جو تقسیم کے نام پر کھیلا گیا تھا یہ جنوب ایشائی ڈرامہ جو کروڑوں لوگوں کی آبائی سرزمینوں سے بیدخلی لاکھوں کے قتل عام اور تاریخ کی بدترین عصمت دری کا باعث بنا تھا لیکن اب بھی اسے ایک مقدس و متبرک نظریہ کی آڑ میں پیش کر کے ہر سال دھوم دھڑ کا کیا جاتا ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ پاکستان کو جناح صاحب کی کامیاب وکالت کی وجہ سے ایک قطرہ خون بہائے بغیر حاصل کیا گیا؟ جشن کی اس سارے عمل کی سفا کی کو البتہ ترقی پسند شاعر ظہیر کاشمیری نے زندگی شہید ہونے سے تعبیر کر کے اس طرح شعری محاورہ بنا دیا تھا ۔

سنا ہے آج کے دن زندگی شہید ہوئی
اسی خوشی میں ہر اک سمت دیپ مالا ہے

رہبر تحریک کی یہ کتاب شہید شدہ زندگی کی اس وحشت خیز داستان کا دستاویزی ثبوت ہے (زیادہ تفصیل ہے البتہ یہ کتاب ان کی پشتو کتاب ''باچا خان او خدائی خدمتگاری'' کی چار ضخیم جلدوں کی صورت میں ملتی ہے۔)

اس کتاب کی اشاعت کے بعد کچھ عرصہ عطائی مؤرخین اور درباری صحافیوں نے دھول اُڑا اُڑا کر حقائق پر گرد جمانے اپنی سی سعی ضرور کی تھی لیکن ناکام ہونے کے بعد حقائق کو سیاست کی سرپرستی میں دیگر قومی اسمبلی میں ایک مطہر و منزہ بل 8-123-1991 منظور کروایا گیا جس کی رو سے ہندوستان کے بٹوارا کو درست نہ سمجھنے والوں کے لیے دس سالہ قید بامشقت و جرمانہ کی سزا تجویز کی گئی ریاستی سطح پر اظہار رائے اور

آزادانہ تحقیق پر یہ ایک سنگین بلکہ بدترین حملہ ایسا ہے کہ جسے کی گونج کا علاج کانوں میں روئی ٹھونس کرے۔

اس سے پہلے ''مرد آہن'' خان عبدالقیوم خان نے بھی ایسی حماقت ماہی اپنی ہی کتاب ''گولڈ اینڈ گنز آن پٹھان فرنٹیئر'' پر وزیراعلیٰ بننے کے بعد پابندی لگوا کر کی تھی جو دنیا بھر میں بطور مصنف صرف اُن کا ہی حاصل کردہ اعزاز ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہمارا نامور اخبار دانشور ڈاکٹر ظہور احمد اعوان جیسا دل پشوری یہ کالمسٹ ان کو خان اعظم کا بھاری بھرکم خطاب محض پختون تعصب میں دے کر خود کو دل ہی دل میں داد دیتا ہوگا کہ لانا ہاتھ یار کیوں کیسی کہی؟ لیکن اس سے بہر حال اس عطائی دانشوریت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے جو ہمارے شعراء ادباء کا خاصہ بن چکا ہے۔

اس طرح شنید ہے کہ مشہور زمانہ صوفی صافی لکھاری بابائے غزل جناب امیر حمزہ شنواری، جو اتفاقاً مسلم لیگی ہی تھے، بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ کاش کوئی سبط حسن کی ''ماضی کے مزار'' اور محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت یزید و معاویہ'' کا جواب دے سکے۔ ان کی یہ معصومانہ حسرت حقیقت دلیل اور ثبوت سے چشم پوشی کرنے والی ہماری مملکت خداداد کی انٹیلی جنٹسیا کی پسماندہ فکری سطح کی بہترین مثال ہے۔

یہ انٹیلی جنٹسیا جس کا مثالی نمائندہ پاکستان میں درجنوں کتابیں تصنیف کرنے والا روزنامہ جنگ کا مشہور زمانہ کالم نویس ڈاکٹر صفدر محمود ہے اب اتفاق کہیے گا یہ کالمسٹ صاحب بھی انتہائی مابعدالطبیعیاتی قسم کا مزاج لئے ہوئے کبھی مکافات عمل کے تحت سائیکل سوار قاتل کو اُڑن سانپ سے ڈسوا کر سکون کی سانس لیتے ہے۔ تو کبھی قبر کے اندر مردے کے دل سے روشنی کی لہریں نکال نکال کر ان کا روحانی اضطراب ختم ہوتا ہے تو کبھی ریٹائرڈ قسم کے بیوروکریٹ بابے رحمتے کے منہ سے ماضی کی نامعلوم پیش گوئیاں اچانک موجودہ حالات پر منطق کر کے ہماری ذہنی کوفت کا باعث بنتے ہے اب مجھے کیا معلوم کہ ایسی مابعدالطبیعیاتی قسم کی طبیعت تحقیق و تنقید کو راس آتی ہے یا نہیں؟ لیکن اتنا ضرور ہے کہ عوامی اور سرکاری پذیرائی ان کو تو لازما بیحد و حساب ملتی ہوگی کیونکہ شکوہ جواب شکوہ کا بحر ظلمات اس زمانے میں بھی ناقابل تسخیر پن کا عمدہ بیانیہ سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے ایسے خرد دشمن معاشرے میں حق، حقیقت دلیل سچ اور ثبوت کی بات کرنا ایک پُر اذیت مشکل ہے۔

اس پر اذیت مشکل کی سب سے افسوسناک مثال ہمارے عہد کی عبقری شخصیت ڈاکٹر مبارک علی ہے ہونا تو یہ تھا کہ ایسی شخصیت کو علمی اثاثہ گردانا جاتا الٹا ساری زندگی طعن و دشنام کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' بھی اس پر اذیت مشکل کا وہی حوالہ ہے جو حقیقت پسند مؤرخین و محققین کو مملکت خداداد

میں درپیش ہے لیکن بقول خالد علیگ ؎

ہم صبح پر ستون کی یہ ریت پرانی ہے
ہاتھوں میں قلم رکھنا یا ہاتھ قلم رکھنا

اس کتاب کو اصل میں رہبر تحریک نے ہی لکھنا تھا کیونکہ ان کی ساری زندگی غدار اور ایجنٹ جیسے القابات سننے سہنے میں گزری تھی سو تاریخ درست کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اصل کرداروں کی نقاب کشائی کرتے سو انہوں یہی کیا رہبر تحریک کی یہ کتاب ٹھہرے پانی میں پہلا کنکر تھی جس کے پیدا کردہ ارتعاشات اس موضوع پر کئی کتابوں کی تحقیق و تالیف کا باعث بنے نہ صرف یہ بلکہ پاکستانی حبس زدہ معاشرے میں اس قسم فکری جرأت بھی اسی کتاب کی پیدا کردہ ہے موجودہ صورت میں اس کتاب میں حاشیے بڑھانے کو میں نے مناسب سمجھا تا کہ اس حاشیہ آرائی سے کچھ باتیں زیادہ واضح ہوں اور رہبر تحریک کے موقف کو مزید تقویت ملے لیکن اصل متن چھیڑنے سے گریز کیا گیا البتہ پچھلے اردو ایڈیشن میں اغلاط کی بھرمارو زبان و بیان کی بے توجہی تھی حتی الامکان اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

''فکشن ہاؤس پبلشرز'' لاہور جیسے موقر ادارے کی طرف اس کتاب کی اشاعت سے قارئین نسبتاً وسیع تر حلقہ ہندوستان کی تقسیم کے متعلق ہمارے بزرگوں کے مؤقف کے دستاویزی ثبوت سے بھی آگاہ ہو سکے گا۔

فیصل فاران

ریسرچ کوارڈینیٹر، باچا خان ٹرسٹ ریسرچ سنٹر

باچا خان مرکز، پجگئی روڈ، پشاور، خیبر پختونخوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے اپنی یہ کتاب جیل کے دوران ایک دفعہ فیلڈ مارشل ایوب خان، دوسری بار ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں دو بار ایسے حالات میں لکھی ہے کہ مجھے قید و بند میں میرے مطلب کی کتابیں بھی میسر نہیں تھیں۔ بھٹو کے دور میں تو کافی وقت ضائع ہی ہوا۔ اگر چہ اس دوران میں اکثر قید تنہائی میں رہا اور لکھنے کے لئے وقت بھی کافی تھا۔ لیکن اس کی بادشاہی میں کتابیں تو کیا قلم اور کاغذ بھی میسر نہ تھا۔ جو تھوڑی بہت کتابیں کسی طرح ہاتھ لگ سکیں اس سے میں نے یہ کوشش کی کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کروں۔ قوم کی یہ کتنی بدبختی ہے کہ اس کے حکمران اپنی بات تو سناتے ہیں لیکن دوسروں کی بات سننے پر قدغن لگاتے ہیں۔ پاکستان کے حکمرانوں کا یہ ہمیشہ وتیرہ رہا ہے کہ اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنے اور اپنے سیاسی فیصلوں کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے تاریخی واقعات میں بھی تبدیلی کرتے رہے تا کہ قوم حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے یعنی وہ تاریخ لکھ نہیں رہے تھے بلکہ گھڑ رہے تھے۔ مجھے بالکل ایسا لگ رہا تھا اور آج بھی یہی صورتحال ہے جیسے ایک عدالت میں منصف کے سامنے مقدمہ پیش ہے۔ استغاثہ کو تو یہ اجازت ہے کہ وہ ملزم پر لگائے گئے الزامات کے حق میں دلیل اور ثبوت پیش کرے لیکن ملزم کو صفائی کے لئے شہادت اور ثبوت پیش کرنے کی اجازت نہیں۔ ملزم ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے کھڑا ہوا ہے، زبان بند ہے، قلم چھینا جا چکا ہے۔ اب سمجھ سے باہر ہے کہ کون اسے عدالت اور انصاف کہے گا۔ اس لئے میری کوشش تھی کہ اگر قوم تک شائع شدہ حالت میں پہنچا نہ بھی سکوں تو یہ تاریخی حقائق لکھے ہوئے چھوڑ سکوں تا کہ تاریخ مسخ نہ ہو سکے۔ اور اگر موجودہ نسل نہ بھی جان سکے تو کم از کم آئندہ نسلوں کو تو حقائق معلوم ہو سکیں۔ میری یہ بھی کوشش تھی کہ اپنی سیاسی فکر کو واضح طور پر ظاہر کروں اور آزادی کے اس کارواں کے ایک فرد کی حیثیت سے باچا خان کی خدائی خدمت گار تحریک اور اس کی جدوجہد کی اصلی روح قوم کے سامنے پیش کر سکوں۔ انگریز کا جو طرز عمل اور پالیسیاں اس تحریک کے سلسلہ میں رہی ہیں اس کے متعلق میں نے انگریزوں کے ذمہ دار لوگوں کی کتابوں، یادداشتوں، ڈائریوں سے مدد لی ہے اور واقعات سے متعلق اپنے ذاتی علم اور سیاسی تجربات کی روشنی میں جو حقیقت ہے اسے ثابت کر دیا ہے۔ جیسے پشتو میں کہاوت ہے۔ ''گول ہے پیلا ہے اور ترش ہے'' تو عقلمند لوگ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ نارنگی ہے۔

بھٹو کی قید سے رہائی کے بعد جب میں لندن گیا اور علاج سے ذرا فرصت ملی تو مجھے معلوم ہوا کہ انگریزوں کی چند بہت ہی خفیہ رازوں کی دستاویزات اور کاغذات انڈیا آفس لائبریری میں رکھے ہوئے ہیں جنہیں اب پبلک کے لئے عام کردیا گیا ہے۔ ہر شخص انہیں اب لائبریری میں پڑھ سکتا ہے اور کسی دستاویز یا کاغذ کی نقل بھی لینا چاہے تو لائبریری کے انچارج سرکاری طور پر دے دیتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے قانون کے مطابق جن خفیہ دستاویزات اور سرکاری کاغذات کے تیس سال پورے ہو جاتے ہیں وہ انہیں عام کر دیتے ہیں اور ہر آدمی کی ان تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔

دراصل میں اس تلاش میں تھا کہ اس کتاب کے اصل مقاصد کے سلسلہ میں کچھ مواد حاصل کروں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ میں نے کم سے کم یہ ثابت کردیا ہے کہ باچا خان کی سیاست اور خدائی خدمتگار تحریک دو وجوہ کی بناء پر انگریز کی آنکھ کا کانٹا بنی ہوئی تھی۔ اول انگریز کی یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں ہر قیمت پر اپنی حکومت قائم رکھ سکے اور اس لئے وہ ان اندرونی تحریکوں کا راستہ روکے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی تھیں۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے دفاع کا انتظام کرے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ملک میں آزادی کی تحریک انڈین نیشنل کانگریس چلا رہی تھی جو ہندوستان کے تمام فرقوں، مذہبی گروہوں کی نمائندگی کرتی تھی۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی حتیٰ کہ جس کا کچھ بھی خیال یا عقیدہ ہو اس کا ممبر بن سکتا تھا۔ اس لئے انگریز کی پالیسی کانگریس کو کمزور کرنا اور اس کے مقابلہ کے لئے دوسری تحریکوں کی مدد کرنا اور انہیں مضبوط بنانا تھا۔ دوسرے یہ کہ جغرافیائی طور پر ہندوستان کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس کے تین اطراف سمندر اور ایک طرف عظیم الشان پہاڑوں کا سلسلہ ہے جس میں شمال مغرب میں چند درے واقع ہیں۔ ہندوستان کو بیرونی خطرہ صرف اسی جانب سے درپیش تھا اور وہ خطرہ دراصل روس سے تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ خدائی خدمتگار انگریز کی ان دونوں پالیسیوں کے سلسلہ میں آلہ کار نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے وہ برابر تشدد کا شکار رہے۔

میں جب اس لائبریری میں گیا تو میں نے اپنی اس کتاب کے لئے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی خارجہ پالیسی کی دستاویزات کی تلاش شروع کی۔ کیونکہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ انگریز کی جو روس کے متعلق پالیسی میں بنیادی تبدیلی آئی، وہ کب آئی اور اس کے بنیادی اسباب کیا تھے۔

جب 1917ء میں روس میں انقلاب آیا اور ایک نظریاتی مملکت دنیا کے نقشہ پر پہلی بار ابھری تو اس کا راستہ روکنے کے لئے انگریز نے کیا تدابیر کیں۔

انگریز کا یہ طریقہ تھا کہ حکومت ہند کا سربراہ وائسرائے ہند ہر ہفتے اپنی رپورٹ پالیسی ہفتہ وار

وزیر ہند کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خط کے ذریعہ وائسرائے کو بھیجا کرتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں ان خطوط کا مطالعہ کروں تو اس سے میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے روس کے سربراہ لینن کی وفات کے بعد کے ان خطوط کا مطالعہ شروع کیا تاکہ میں انگریز کی روس سے متعلق پالیسی کی تبدیلی کی تہہ تک پہنچ جاؤں۔ لیکن جب میں نے وہ خطوط پڑھے ان میں خارجہ پالیسی کے ساتھ ساتھ اندرونی حالات کے جائزے بھی تھے جو مجھے مفت میں تحفتاً ملے۔ ہم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا تھا اور وہ جو بدگمانیاں، شکوک وشبہات بیان کرتے تھے خصوصاً انگریز کا وہ عمل جو اس نے اپنی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ملک اور قوم کے ساتھ روا رکھا تھا نہ ماننے والی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ میں محسوس کرتا تھا کہ باچا خاں نے چونکہ اپنی تمام عمر انگریز سے مقابلہ میں گزاری ہے ہر قسم کی تکالیف اور صعوبتیں نہ صرف خود اٹھائی ہیں بلکہ ان کے نڈر ساتھیوں کے ساتھ انگریز نے جو بدترین سلوک اور ظلم روا رکھا، اس کی وجہ سے وہ اتنے بدگمان ہو گئے ہیں کہ ہر مسئلہ میں انگریز کو گنہگار سمجھتے ہیں اور وہ جو الزامات لگاتے ہیں شاید ان میں اتنی حقیقت نہ ہو۔ اور خصوصاً کانگریس کا یہ الزام کہ انگریز نے اپنی نوآبادیاتی، سامراجی، سرمایہ دارانہ سیاست اور ہندوستان کو غلام رکھنے کے لئے ہندوستان میں اتنی فرقہ وارانہ نفرت پیدا کی کہ وہ نمک حرامی کی حد تک جا پہنچی۔ انگریز ہندوستان کی دولت تقریباً سو سال تک لوٹتا رہا اور اس نے بلا شرکت غیرے خوب پیٹ بھر کر کھایا تو اس نعمت کی اس نے ہندوستان کو یہ سزا دی کہ انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا اور ایک ایسی آگ لگائی کہ پھر خود وہ بھی اسے بجھانے کا طریقہ نہ نکال سکا۔ میں نے یہ سب کچھ سنا تھا اور کہتا تھا کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی کمزوریاں اور کوتاہیاں نہیں دیکھ پاتا اور اکثر یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ان کمزوریوں کو چھپانے کے لئے اور لوگوں پر الزامات لگائے۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ کانگریس نے کہا یا باچا خاں نے کہا تھا اس میں مجھے کافی حد تک حقیقت نظر آئی تھی لیکن یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جو کچھ باچا خاں کہتے تھے وہ بھی اس سے متعلق کم تھا اور حقیقت اس سے بھی کچھ زیادہ بڑھ کر گھناؤنی ہے اور کانگریس جو الزامات انگریز پر لگا رہی تھی حقیقت میں انگریز اس سے بھی زیادہ خرابی کر گیا ہے۔ پہلے اگر اس میں شک کی گنجائش تھی بھی تو اب وہ بالکل ختم ہو گئی ہے کیونکہ انگریز کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا، اس کا اپنا دستخط شدہ، اس کے اپنے ہی گھر میں، اس کی اپنی سرکاری لائبریری میں موجود ہے اور خطوط بھی کسی غیر ذمہ دار یا کمتر افسروں کے نہیں، بلکہ پورے ہندوستان کے سب سے بڑے حکمران تاج برطانیہ کے نمائندے وائسرائے اور حکومت برطانیہ کے وزیر ہند کے مابین ہیں۔ اب اس میں کوئی شک کرے بھی تو کیسے اور کیونکر؟

میں جب یہ دستاویزات پڑھ رہا تھا تو یقین جانیئے کہ بعض ایسے واقعات سامنے آتے کہ دماغ

چکرا جاتا، عینک اتار کر رکھ دیتا، سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا، کہ یا خدایا یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا پڑھ رہا ہوں آگے پڑھنے کی تاب نہ لاتے ہوئے کتابیں بند کر دیتا اور پھر پیالی کافی پینے کے لئے باہر نکل آتا۔ یہ چند مہینے میں ان کتابوں میں ایسا الجھا رہا کہ ذہن بالکل ماننے کو تیار نہیں تھا۔لیکن حیرت ہے انگریز پر کہ اپنی قوم کے فائدے کے لئے وہ کونسی ناجائز بات ہے جو اس نے نہیں کی۔اس تعلیم یافتہ اور مہذب انگریز نے وہ سب کچھ کیا ہے کہ انسان ماننے کو تیار نہیں۔لیکن آفرین ہو اسی انگریز پر کہ یہ سب کچھ اتنی صفائی اور بے باکی سے لکھا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔نہ اپنے ساتھ منافقت کی ہے اور نہ ہی کسی پر پردہ ڈالا ہے۔ ہر ایک کو کھل کر میدان میں برہنہ کیا ہے۔۔ دوست، رستے کے ساتھی اور سازش میں شریک لوگ ایک ایک کر کے ظاہر کر دیئے ہیں اور جو بھی گندگی اور بے ایمانی ان سے کرائی ہے، سفید کاغذ پر اپنے ہی ہاتھ سے لکھ دیا ہے۔ نہ کسی کا لحاظ کیا ہے اور نہ ہی کسی کو بچایا ہے، نہ یہ خیال کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنے ہم وطنوں کی اس بے غیرتی اور بدیانتی کا علم ہو جائے گا تو وہ کیا کہیں گے کہ ہمارے یہ رہنما جو دل و جان سے قوم و ملک کی بھلائی کا دعویٰ کرتے تھے۔انہوں نے انگریز کی حکومت اور اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اپنی قوم اور اپنے وطن کو داؤ پر لگایا تھا اور حقیقت میں یہ لوگ قومی رہنما نہیں بلکہ بکے ہوئے ان کے دلال قوم دشمن اور ملک کے غدار تھے۔

اگر سچ پوچھیں تو میں نے جب 1922ء سے لے کر 1942ء تک ان بیس سالوں کا وائسرائے اور وزیر ہند کے درمیان خط کتابت کا مطالعہ کیا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ کتاب لکھنے وقت میں نے کتنی ہی وقت عبث اٹھائی اور مختلف کتابوں اور وائسراؤں کی ڈائریوں سے جو مواد حاصل کیا، وہ سب بے کار ثابت ہوا۔ان خفیہ اور راز کی دستاویزات نے میرے تمام شکوک رفع کر دیئے۔روس کے خلاف حکومت ہند کی پالیسی من وعن لکھی ہوئی ہے اور کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔میں جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا، اس کا واضح اور صاف ثبوت انگریز کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا موجود ہے اور اس کی تو مجھے توقع بھی تھی کہ ایسا ہی واقع ہوا ہوگا۔

لیکن ان خطوط سے مجھے جو بے انتہا حیران کرنے والی شرمناک بات معلوم ہوئی۔وہ ہندوستان کے بعض رہنماؤں کا وہ کردار ہے جو ان دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اس وقت کے رہنماؤں کا عمل ہے۔جو ان انگریزوں نے بیان کیا ہے، اس عمل کو تو ایک طرف رکھیں۔ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے پڑھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔وہ الزامات جو کانگریس کے رہنماؤں یا باچا خان نے مسلمانوں کے ان لیڈروں پر لگائے تھے وہ تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے بہ نسبت ان حقائق کے جو انگریز نے ادھر بیان کئے اور اس صفائی کے ساتھ کھل کر بیان کئے ہیں کہ بندہ ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی کی ہوئی اس پچھلی محنت پر پشیمان ہوا کہ ''تاریخ'' یعنی نارنگی ثابت کرنے کے لئے ایک ایک دلیل اکٹھی کی کہ گول ہے، پیلا ہے اور ترش ہے۔ اور اس کے لئے میں نے سیکڑوں صفحے لکھ ڈالے اور اتنا ڈھیر سارا مواد جانے کون کونسی کتابوں سے ڈھونڈ کر نکالا، لیکن سب محنت اکارت گئی۔ کیونکہ مالک خود کہتا ہے کہ کوشش مت کرو۔ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ منطق، دلیل اور سیاسی شعور کی کیا ضرورت۔ میں خود کہتا ہوں کہ ''نارنگی'' ہے۔ ایک بار تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی یہ کتاب چھوڑ دوں اور صرف لائبریری کی یہ خط کتابت ایک کتابچے کی شکل میں چھاپ دوں تا کہ مسئلے کا دوسرا رخ بھی قوم دیکھ سکے اور پھر خود ایک صحیح فیصلہ کر سکے کہ قوم کے خیر خواہ کون تھے اور وہ کون لوگ تھے جو اپنی قوم کو انگریز کی غلامی میں مستقل رکھنا چاہتے تھے۔

بہت سوچ بچار کے بعد میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ میری کتاب کا مقصد تو باچا خان کی سیاسی جدوجہد اور خدائی خدمتگار تحریک کا اصلی رخ قوم کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہ دستاویزات تو صرف باچا خان کے مخالفین پر سے پردہ اٹھانے اور خصوصیت سے ان مسلمان لیڈروں کو ننگا کرنے کے لئے ہیں جو اسلام کے سچے اور مقدس نام کو انگریز کی نوآبادیاتی، سامراجی، سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم کرنے اور اپنے ملک اور قوم کو انگریز کا غلام رکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اس سے باچا خان کی بے جا بدنامی دھل جائے گی اور وہ اخلاص، محبت، اخوت اور بھائی چارے کی اس اخلاقی اور روحانی تحریک کے مخالفین کے منہ پر کالک مل دے گی۔ لیکن مقصد تو کسی کو بدنام کرنا یا کیچڑ اچھالنا تو نہیں، میرا مقصد تو اپنی سیاست اور جدوجہد کی اصل روح بیان کرنا اور تصویر کا دوسرا رخ لوگوں کو دکھانا ہے اور اس غلیظ اور ناپاک سیاست کا راستہ روکنا ہے جس کے ذریعے سچے اور سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بہتان اور الزامات کے شوروغوغا میں قوم سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً تاریخی حقائق پوشیدہ رکھے جاتے ہیں جو حقیقتاً تاریخی حقائق ہیں اور جو آج نہیں تو کل ظاہر ہوں گے اور ضرور ظاہر ہوں گے۔ خواہ لوگ کتنی ہی کوشش کریں اور کوڑے کے ڈھیر میں لعل اور راکھ میں ہیرا چھپ نہیں سکتا جیسے آج یہ سب کچھ صاف اور واضح ہو چکا ہے۔

جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سب کچھ لکھنے کا مقصد کسی کو بے عزت کرنا قطعاً نہیں۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ حقیقت ظاہر ہو جائے اور حقیقت بھی وہ جو ایک تاریخی حقیقت ہو۔ اسے چھپانا ایک قومی خیانت ہے۔ میں نے تو اپنے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اس میں اکثر ایسے واقعات آئے ہیں جس سے خود میرے اپنے دل کو ٹھیس پہنچی ہے اور آنکھیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں۔ میں یہ محسوس کرسکتا ہوں کہ ان بے لوث اور مخلص کارکنوں کے دل پر کیا گزرے گی جنہوں نے اسلامی اور قومی جذبے کے تحت اپنا سیاسی

مشن ایک مذہبی فریضے کی طرح پورا کیا تھا کیونکہ انہیں ایمانداری سے مسلمانوں کا فائدہ اسی میں نظر آرہا تھا۔ دوسری طرف اسلام کے نام پر اٹھے ہوئے لیڈر جنہوں نے اسلام کا خود ساختہ ٹھیکہ لے رکھا تھا انہیں اپنے آپ اپنے پیروکاروں اور تابعداروں کے سوا انہیں کوئی مسلمان ہی نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی وہ کسی کو مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھتے تھے لیکن حقیقت میں وہ ہی لوگ انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس کی سلطنت مضبوط کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ میری طرح کا آدمی اس پر بھی کوئی خاص اعتراض نہ کرتا۔ اگر کسی کو انگریز کی حکومت پسند تھی تو چاہیئے تھا کھل کر ان کا ساتھ دیتے۔ مجھے تو اعتراض اس پہ ہے کہ کیوں اسلام کے سچے، پاک اور مقدس نام کو ایک غاصب، جابر اور خصوصیت سے کافر انگریز کی حمایت میں استعمال کیا۔

ضرورت ہے کہ یہ تاریخی حقائق بیان ہوں تا کہ ان حقائق کی روشنی میں کل کو مسلمان زیادہ احتیاط کریں اور اپنے مذہبی اور قومی رہنماؤں کو خوب پرکھیں کہ کہیں پھر سے وہ سادہ اور دین پرست قوم کو اب کسی اور کے سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے استعمال تو نہیں کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔ لیکن میں جو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ یہ حقیقت کچھ زیادہ ہی تلخ ہے۔ مانتا ہوں بہت سوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔ لیکن بہت سے لوگوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔

انگریز کہتے ہیں کہ:

It is just to put the record straight.

ترجمہ:۔ "یہ صرف ریکارڈ کو درست رکھنے کے لئے ہے"

میں اس بات کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ ہر ایک پڑھنے والے کو یہ یاد دلاؤں کہ میرا اپنا سیاسی نظریہ اور میری فکر کیا ہے۔ لیکن یہ کہوں گا کہ یہ جو کچھ میں یہاں نقل کر رہا ہوں۔ اس کی اصل رپورٹ، حکومت برطانیہ کی لائبریری میں پڑی ہوئی ہے۔ جو کوئی تحقیق کرنا چاہیئے، ثبوت ڈھونڈنا چاہے وہاں جا کر اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ہر ایک خط کے ساتھ تاریخ اور مکمل حوالہ پیش کروں:

Comment is free. but facts are sacred.

ترجمہ:۔ "تبصرہ آزاد ہے مگر حقائق مقدس ہوتے ہیں۔"

(عبدالولی خان، ولی باغ چارسدہ)

فرقہ وارانہ سیاست اور انگریز

اگر چہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی اور مسلمان اپنے آپ کو ہندوستان کا حکمران سمجھ رہے تھے لیکن بیسویں صدی شروع ہوتے ہوتے انگریز کافی مضبوط ہو چکا تھا۔ اس نے افغانستان کو امیر عبدالرحمٰن کے ذریعے قابو کر لیا تھا۔ روس کا راستہ روکنے کی پیش بندی کر چکا تھا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کو کچل ڈالا تھا سکھ بھی مار کھا چکے تھے اور اب اس کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ایسی قوت باقی نہیں تھی۔ حکومتی اعتبار سے ہندوستان کا نقشہ کچھ اس طرح کا تھا کہ تقریباً چھ سو ریاستیں والیان ریاست کی بدولت انگریز کی تابعدار تھیں اور انگریز اب ہندوستان پر مکمل طور پر قابض تھا۔

انگریز نہایت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور نئے زمانے کا ڈاکو تھا۔ اس نے اس مسئلہ پر سوچ بچار کیا کہ اس طویل وعریض ہندوستان اور اس میں رہنے والے بے شمار انسانوں پر کیونکر قابو پایا جا سکتا ہے۔ جنگیں تو اس نے بے شمار لڑیں اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس نے ملک فتح کر لیا۔ لیکن ہر ایک آدمی کے سر پر وہ فوجی تو نہیں بٹھا سکتا تھا۔ کچھ ایسے راستے اور طریقے ضرور ڈھونڈنے تھے۔ اس نے سوچا کہ کہیں ہندوستان کے رہنے والے اس کے خلاف متحد نہ ہو جائیں اور اگر یہ متحد ہوں تو بقول ایک ہندو سیاسی مزاحیہ نگار کہ اگر ہندوستان کے باشندوں نے مل کر پیشاب بھی کیا تو ان مٹھی بھر انگریزوں کو بہا لے جائیں گے۔

انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور مسلمانوں کے سروں پر بادشاہت کا جو بھوت سوار تھا، اسے اتار چکا تھا اور اس نے دیکھا کہ اگر چہ مسلمان صدیوں سے ہندوستان کے حکمران تھے لیکن آج بھی ہندوستان میں تعداد کے حساب سے مسلمان کم ہیں اور غیر مسلم زیادہ۔ اگر چہ انگریز پہلے غیر مسلموں کی مدد کر رہا تھا، ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ لیکن جب دوسری طرف دیکھا کہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور مشکل در پیش تھی کہ ہندوستان کے گردونواح میں دنیا کے اور مما لک میں ہندو نہیں تھے مگر مسلمان تو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ شمالی افریقہ سے لے کر تمام بلقان کی ریاستیں اور پھر اسی طرح ترکی سے لے کر افغانستان تک یہ سارا خطہ مسلمانوں کا تھا اور سب سے بڑھ کر ترکوں کی خلافت عثمانیہ ایک منظم، مضبوط حکومتی صورت میں موجود تھی۔

لیکن یہاں ہندوستان میں 1757ء میں جب جنگ پلاسی میں اس نے کامیابی حاصل کی تو بنگال یعنی مشرقی ہندوستان مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔

جنوبی ہندوستان کو جب قابو کر لیا تو 1799ء میں ٹیپو سلطان کو شکست دی۔ وسطی ہندوستان کو 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہڑپ کر لیا۔

شمالی ہندوستان کی کچھ قوت تھی۔ لیکن وہ بھی بالاکوٹ کے معرکے میں شکست کے بعد 1831ء میں ختم ہوئی۔ قرب میں افغانستان مسلمانوں کا ایک اور مورچہ تھا۔ جسے 1893ء کے معاہدے کے تحت قابو کر لیا تھا۔

انگریز اب بلاشرکت غیرے ہندوستان کا حکمران تھا اور ہر قسم کے اندرونی یا بیرونی خدشات ختم ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ 1907ء میں روس کے ساتھ بھی ایک معاہدہ پر دستخط کر لئے کہ وہ اپنے سرحدات کے اس پار افغانستان میں مداخلت نہیں کرے گا اور اب وہ بالکل بے فکری سے فتح کئے ہوئے ہندوستان کو سنبھالنے کے درپے ہو گیا۔

مسلمانوں کے سروں سے بادشاہت کا سودا نکالنے کے لئے انہیں ایک سمت دھکیل کر اپنی تر توجہ ہندو پر دی۔ ان پر مہربانیاں شروع ہو گئیں۔ دفاتر میں کارروائی کرنے کے لئے انہیں بھرتی کر لیا گیا۔ دفتری عملہ پورے کا پورا ہندوؤں کا تھا۔ تجارت میں بھی انہیں آگے بڑھایا گیا۔ ٹھیکے اور سرکاری سرپرستی سب کی سب ان کی تھی۔ ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقے اور وکلاء میں اثر ورسوخ پیدا کیا گیا۔ جب ہندو آہستہ آہستہ یکجا ہونے لگے تو انگریز جان گیا کہ کہیں یہ متحد ہو کر مقابلے کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ کیونکہ ہندوستان میں اکثریت تو غیر مسلموں کی تھی۔

دوسری طرف انگریزوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں کی تمام طاقت کو وہ زیر وزبر کر چکا تھا اور ان میں کوئی ایسا فرد نہیں رہا تھا (خاص کر 1857ء کے انقلاب کے بعد) کہ وہ انگریز کا مقابلہ کرنے کی جرات کر سکے اور اگر مسلمانوں میں کوئی رہبر یا بزرگ تھے بھی تو وہ اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ کون انگریز کے سامنے اپنی وفاداری زیادہ احسن طریقے پر ظاہر کر سکتا ہے۔

انگریز نے پھر اپنا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر لیا۔ ابتدا بنگال سے ہوئی۔ 1905ء میں صوبہ بنگال کو دولخت کر دیا اور مسلمانوں کے اکثریتی حصے یعنی مشرقی بنگال کو الگ کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو رام کرنے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش شروع کی گئی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا انگریز کو یہ کھیل اور بھاتا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سرکاری عہدوں اور حکومتی مہربانیوں میں کبھی ہندو اور کبھی مسلمان پر انعام واکرام اس کے فائدے میں ہے۔

دوسری طرف انگریز تعلیم پر زور دیتا رہا۔ وہ بھی اس لئے کہ اگر تعلیم نہ دلاتا تو سرکاری اور دفتری کام کیسے چلتے۔ لیکن ہوا یہ کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ذہنوں میں روشنی پھیلتی گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کی سوچ میں تبدیلی آئی اور پھر جب اعلیٰ تعلیم کے لئے نوجوان بیرونی دنیا اور برطانیہ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ کس طرح قوم حکومت کے ساتھ مل کر ملک کا اختیار سنبھالتی ہے تو آہستہ آہستہ یہاں بھی ہلچل مچلنے لگی کہ ہندوستانیوں کو بھی کچھ نہ کچھ شراکت درکار ہے۔ چونکہ ہندو تعداد میں بھی زیادہ تھے اور تعلیم میں بھی آگے۔ ان میں تاجر بھی تھے اور دولت مند بھی۔ بیرونی دنیا میں تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت بھی تھی اور ان میں وکلاء اور بیرسٹر بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ مطالبات آہستہ آہستہ ان کی طرف سے شروع ہونے لگے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت مسلمانوں کے رہنماؤں نے بھی 1857ء کی جنگ سے سبق حاصل کر لیا تھا اور ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان ہندوؤں اور دوسرے فرقوں کے ساتھ مل کر سب کے تعاون سے اپنے آپ کو انگریز کے جبر واستبداد سے بچائے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر اس قدر زور دیا تھا کہ آج بھی دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں ایک مسلمان رہنما کے خیالات بیان کروں گا۔ سر سید احمد خان (جنہیں ہمارے بعض سیاسی لیڈر دو قومی نظریے کا بابا سمجھتے ہیں) 27 جنوری 1884ء کو اپنے گورداسپور کے ایک جلسے میں یوں گویا ہوئے:

> We (i.e.Hindus----Mohammadans) should try to be become one heart and soul, and act in union in old historical books and traditions you will have read and heard, we see it even now, that all the people inhabiting one country are disignated by the term one Nation. The different tribes of Afghanistan are turned on nation and so the miscellaneous hordes peopling Iran, distinguished by the term persians, Through a bounding in rarity of though and religions, are still known as member of on nation-------Remember that the word Hindu and Mohammadan are only means for religion distinction
>
> ----- otherwise all Persons whether Hindu and mohammadan, even the Chridstians who reside in the country, are all in this particular respect belonging to one

and the same nation (p.339. A Nation is bron by Syed Hussan Mehmood)

ترجمہ: ''ہمیں (ہندوؤں اور مسلمانوں) کو یک جان ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس طرح اتحاد، عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیئے جب آپ نے تاریخ کی پرانی کتابوں اور روایات میں پڑھا اور سن رکھا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایک ہی ملک میں بسنے والے تمام لوگ ایک ''قوم'' ہیں۔ افغانستان کے مختلف قبائل ایک قوم کہلاتے ہیں۔ اس طرح مختلف نسلوں کے لوگ ایران میں ''ایرانی'' کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مختلف مذاہب اور نظریات ہیں۔ یاد رکھیئے کہ لفظ ہندو اور مسلمان صرف مذہبی تفاوت کا ذریعہ ہیں ورنہ وہ تمام لوگ چاہیئے۔ ہندو، مسلمان حتیٰ کہ عیسائی جو اس ملک میں بستے ہیں, اس خاص اصطلاح میں ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں''۔

سرسید احمد خان کو اس سے بھی شاید پوری تسلی نہیں ہوئی۔ اسی سال 1884ء میں لاہور میں انڈین ایسوسی ایشن کے سامنے اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ گئے:

I heartily wished to serve my country and my nation faithfully, in the word nation I include both Hindus and mohammadans, because that is the only meaning I can attach to it----

ترجمہ:۔''میں دلی طور پر اپنے ملک اور قوم کی وفاداری کے ساتھ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ میں لفظ قوم میں ہندو اور مسلمان دونوں کو شامل کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کا یہی مطلب ہے''۔

There are the different grounds upon which, I call both those races which inhabit India by one word i.e. Hindu,meaning to say that they are the inhabitants of Hindustan.

ترجمہ:۔''یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنیاد پر میں ہندوستان میں رہنے والے ان دونوں نسلوں کے لوگوں کو ایک ہی لفظ یعنی ہندو کہہ کر پکارتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں''۔

یعنی سرسید احمد خان کہتے ہیں کہ ہر کوئی جو ہندوستان میں رہتا ہے وہ کسی بھی عقیدے سے متعلق ہو۔ لیکن جو اس سرزمین ہندوستان میں بستا ہوا سے ہندو کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ چونکہ انگریز ہندوؤں کا ساتھ دے رہا تھا۔ انہیں سرکاری نوکریاں اور مراعات حاصل تھیں۔ ان کی نوکریوں کی وجہ سے ان کی تعلیم کا انتظام ہو رہا تھا۔ مسلمان انگریز کے زیرِ عتاب تھا تو اس وقت مسلمان اپنے بچاؤ کا ایک ہی راستہ دیکھ رہا تھا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بناء پر اپنے آپ کو انگریز کے مظالم سے بچا سکے۔

انگریز کو بھی اس کا اندازہ ہو چلا تھا کہ اگر ہندو اور مسلم نے اس کے خلاف اتحاد کیا تو ان کا مقابلہ مشکل ہوگا۔ اسی وجہ سے جب وہ پہلے اصلاحات کرنے لگا تو لوکل باڈیز اور میونسپل کمیٹیوں میں ہندوؤں کو اختیارات دینے کے لئے فرقہ وارانہ طریقہ انتخاب اپنایا اور اصلاحات کی پہلی قسط Morlay Minto Paper (مارلے منٹو پیپر) کے نام پر 1909ء کو دی گئی۔ جس کی رو سے مسلمان صرف مسلمان کو اور ہندو صرف ہندو کو ووٹ دے گا اور اسی طرح انگریز نے مذہبی عقیدے کی بنا پر جمہوری اداروں کے بنیاد کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ انگریز کی طرف سے اس نظریے پر یہ پہلا وار تھا۔ جسے سر سید احمد خان ہندوستان میں پھیلانا چاہتے تھے۔ یعنی ایک قومی نظریے کے مقابلے میں دو قومی نظریے کی بنیاد رکھ دی۔ تاکہ ہندو اور مسلمان پر یہ واضح کرے کہ اگر کمیٹیوں اور میونسپلٹی میں آنا چاہتے ہو یا اس سے بھی آگے اداروں میں آنا چاہتے ہو تو مذہبی عقیدے کی بنیاد پر اپنے لئے الگ الگ پارٹی بنانی ہوگی تاکہ قومی تصور جڑ نہ پکڑ سکے۔

انگریز اس پالیسی سے بہت خوش ہوا اور مختلف وقتوں میں مختلف مذہبی فرقوں سے یہ کھیل کھیلتا رہا۔ چنانچہ 1912ء میں بنگال کی تقسیم کو دوبارہ توڑ دیا گیا اور مشرقی اور مغربی بنگال کے صوبوں کو از سرِ نو یکجا کیا۔ انگریز کو معلوم ہوا کہ اگرچہ ہندوستان میں اکثریت ہندوؤں کی ہے لیکن ان کی تمام آبادی ہندوستان کے اندر ہی ہے۔ باہر کی دنیا میں کوئی ہم مذہب نہیں لیکن مسلمان تو چاروں طرف بکھرا پڑا ہے۔ افغانستان سے لے کر ترکی اور بلقان کی تمام ریاستیں نیچے شمالی افریقہ۔ یہ اتنی پھیلی ہوئی قوت اور پھر اسی قوت میں Pan Islamic (پان اسلامک) تحریک کی موجودگی۔* وہ مسلمان کی طرف سے خوفزدہ ہوا۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے پیچھے پڑے ہوئے انگریز ہندوستان کے مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے بن سکتے تھے۔ انگریزوں نے ایک بار پھر مسلمانوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

اسی دوران ایک دوسری قسط اصلاحات کی Montagu-Chelmford (منٹیگو چیمسفورڈ) کے نام پر دی گئی۔ اس میں بھی فرقہ وارانہ طریق انتخاب کو برقرار رکھا گیا۔ دوسری طرف جب پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے ترکوں کی خلافت پر حملہ کیا۔ یہاں ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ

---

* پان اسلام ازم کی تحریک سید جمال الدین افغان نے معروف انگریز مدبر ڈرمنڈ وولف کے منصوبہ کے مطابق زار روس کا راستہ روکنے کے لئے شروع کی تھی جسے سوویت انقلاب کے بعد جہادی شکل میں استعمال کیا گیا۔

گئی اور وہ کھل کر انگریز کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے لیکن انگریز دوسری وجہ سے حواس باختہ ہوا۔ جب گاندھی جی اور کانگریس مولانا محمد علی اور شوکت علی کے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوئے۔ انگریز نے اندازہ لگایا کہ اس کے دوقومی نظریے کا کھیل ایک بار پھر بگڑ گیا ہے۔

خلافت کمیٹی نے چار تجاویز مسلمانوں کے سامنے رکھ دیں۔

1- سرکاری القابات کی واپسی۔

2۔ مسلمانوں کے سرکاری نوکریوں سے استعفٰے۔

3۔ مسلمانوں کے فوج اور پولیس سے استعفٰے۔

4۔ سرکاری ٹیکس دینے سے انکار۔

انگریز نے اپنی توجہ دوسری اور تیسری تجویز پر مرکوز کی۔ کیونکہ اس طریقے سے اس کی حکومت کو نقصان پہنچ رہا تھا اور اس کی بدنامی بھی تھی۔ اس نے اس کو یہ رنگ دیا کہ یہ ہندوؤں کی ایک سازش ہے اور اس طریقے سے وہ مسلمانوں کو سرکاری اداروں سے نکالنا چاہتے ہیں اور اسی طرح انہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ انگریز نے یہ کوشش کی کہ اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعے اس قومی اتحاد کو فرقہ وارانہ رنگ دے دے۔

انگریزوں کا کھیل یہ تھا کہ اس اتحاد کو مسلمانوں کے ہاتھوں تڑوا دیا جائے اور چونکہ خلافت کی تحریک خالصتاً مسلمانوں کی تحریک تھی۔ ہندو تو غیرت میں آ کر تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ تو اگر اس اتحاد کو مسلمانوں نے توڑ دیا تو ہندو یقیناً بدظن اور مایوس ہو جائیں گے۔ چنانچہ خلافت کی تحریک کے برخلاف پہلا اعلان نظام حیدر آباد نے کیا۔ اس نے 20-5-22 کو ایک فرمان جاری کیا کہ خلافت کی تحریک چونکہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے اس نے اس تحریک پر پابندی لگا دی۔

خلافت تحریک کے دوران گاندھی جی اور علی برادران مل کر ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے۔ اس اثر کو زائل کرنے کے لئے انگریز نے ادھر توجہ دی اور علی گڑھ کو مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوؤں کے ساتھ دشمنی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔

اسی طرح وائسرائے ہند کے ایگزیکٹو کونسل کے ایک ممبر سر محمد شفیع کے اپنے ایک یادداشت نامے میں 2-11-21 کو تجویز پیش کی کہ ہندوستان میں متحدہ تحریک کو کمزور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اس سے الگ کر دیا جائے اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ انگریز ترکوں سے مناسب صلح نامہ پر دستخط کرے۔ دوسری تجویز ایک تنظیم بنانے کی تھی کہ:

Anglo Mohammadan union in the intrest of the British Empire......

ترجمہ:۔''سلطنت برطانیہ کے مفاد میں اینگلو محمڈن یونین''۔

اس کے نتیجے میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند 22-9-21 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ:

I have just sent you a telegram, which will show you, how near we have been to a complete break between Muslim and Hindu. I have been giving the grestest attention to this possibility, and I have the greatest assistance from Shafi in my council, who is a highly respected Mohammadan.

ترجمہ:۔''میں نے آپ کو ایک تار ارسال کیا ہے جس سے آپ پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ ہم قریب قریب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مکمل تفریق ڈالنے میں کامیاب ہیں۔ میری جملہ توجہ اس مقصد کو ممکن بنانے میں پوری طرح مرتکز ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر شفیع (پنجاب کے سر محمد شفیع) کی مجھے اعانت حاصل ہے جو میری کونسل کے رکن ہیں اور مسلمان انہیں عزت اور توقیر سے دیکھتے ہیں۔ *

*شاعر مشرق سر محمد اقبال بھی شفیع لیگ کے رکن تھے اور انہی کی سفارش پر انہیں نائٹ ہڈ کا اعلیٰ ترین خطاب ملا تھا۔ سر محمد شفیع لیگ کے سربراہ تھے ان کی موت کے بعد مسلم لیگ کے دونوں دھڑے اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔ ان دونوں دھڑوں کا اختلاف اس بات پر تھا کہ جناح صاحب جداگانہ انتخاب کے حامی نہیں تھے جبکہ شاعر مشرق اور ان کے سرپرست سر محمد شفیع کا دھڑا جداگانہ انتخاب کا حامی تھا جداگانہ انتخاب کا مطالبہ 1906ء میں ہز ہائی نیس سر آغا خان نے کیا تھا اس کے بعد مختلف انگریز نواز جماعتوں جیسے احمدی جماعت نے بھی یہ مطالبہ کیا احمدی جماعت کے خلیفہ بشیر الدین محمود نے 1927ء میں ایک کتابچہ Hindu Muslim Problem جداگانہ انتخاب کے مسئلے پر لکھا اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ انتخابات کی حمایت کی۔ سر شفیع لیگ عموماً احمدی جماعت کے لائحہ عمل کی پیروکار رہی تھی یہی وجہ ہے کہ جب سائمن کمیشن کا بائیکاٹ مسلمانان ہند نے کیا تو خلیفہ بشیر الدین محمود نے مسلک قادیانی کے ترجمان رسالے الفضل میں ایک طویل مضمون ''مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت'' کے عنوان سے لکھا جس میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی مذمت کر کے اس سے تعاون کا مشورہ دیا گیا۔ سر شیخ محمد اقبال نے سر شفیع لیگ صوبہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اس مضمون کے نکات کی رو سے سائمن کمیشن سے تعاون کا اعلان کر دیا تھا۔

تقسیم کرو اور حکومت کرو

جوں جوں وقت گزرتا گیا، انگریز مجبوراً اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ مسلمانوں کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ اپنا پیچھا اس بات سے چھڑائے کہ انگریز تو اختیار چھوڑ دینے پر تیار ہے اگر ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات ختم کر دیں۔ لیکن یہ ان دونوں کی بدبختی ہے۔ دونوں کا باہمی متفق ہونا شرط تھی۔ دوسری طرف اپنے دلالوں کے ذریعے یہ کوشش کرتا رہا کہ ان میں اتفاق اور اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکے۔ تاکہ دونوں فریق انگریز کے محتاج ہوں۔ اسی کے متعلق وزیر ہند برکن ہیڈ 22-01-25Birxken head کو یوں لکھتا ہے:

> The more it is made obvious that there antagonism are profound and affect immense irreconcilable section of the population, the con-spicously is the fact illustrated that we,and we alone,can play the part of the composers.

ترجمہ:۔ ''یہ حقیقت بھی روشن ہے کہ دونوں فرقوں کے درمیان مناقشت اور تفرقہ بہت گہرا ہے اور آبادی کا نمایاں حصہ اس سے متاثر ہے اور سب سے اہم حقیقت تو یہ ہے کہ اس واردات کو صرف ہم ہی انجام دے سکتے ہیں''۔ *

اور جب کہ مقاصد کی نشاندہی ہوگئی تو ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ذریعوں اور وسیلوں

---

* درحقیقت مسلم ہندو منافرت اور تقسیم کو سیاسی طور پر بڑھاوا دینے کے لئے پہلے 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ 1905ء میں لیبر پارٹی برسراقتدار آ گئی جو اپنے منشور کے مطابق ہندوستان میں منتخب ادارے قائم کروانا چاہتی تھی جس پر ڈاکٹر میکنزی اور دیگر استعماری مدبرین کی اشیرواد سے سر آغا خان سوم ایک وفد لے کر وائس رائے سے ملے اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا جداگانہ انتخاب کے متعلق لارڈ منگٹن جان مورلے کو خط میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں ہمارے اقتدار کی گارنٹی مختلف قومیتوں کے متضاد رجحان اور عقائد اور ایک دوسرے پر بے اعتمادی ہے یہ خط مہیر بوس کی کتاب ''آغا خان''، ترجمہ ''حمید اختر'' میں شامل ہے۔

کے ڈھونڈنے کا کام گلے پڑا۔ آخر بہت کوششوں، کاوشوں اور سازشوں سے یہ کام مکمل ہوا۔ وائسرائے ہند ریڈنگ نے وزیر ہند کو نوید سنائی جیسے کہ 25-1-1 کو لکھتا ہے:

The bridge Gandhi had built to span the gulf between the Hindus and Mohammadans has not only broken down, but think it has completely disappeared.

ترجمہ:۔ ''مسٹر گاندھی نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان خلیج پاٹنے کے لئے جو پل بنایا تھا وہ نہ صرف ٹوٹ چکا ہے بلکہ بالکل معدوم ہو گیا ہے''۔

لیکن انگریز کے لئے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ مسلمان بکھرے ہوئے ہیں۔ کچھ ایک تنظیم میں اور کچھ کسی اور جماعت میں انگریز کی تابعداری کو سب قبول کر رہے تھے لیکن ایک دوسرے کی بالادستی قبول کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ اسی خط میں وائسرائے لکھتا ہے کہ حالات سازگار ہیں اور مسلمان اب کے ڈٹ کر حکومت کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن:

There is no outstanding man to compose their differences and head them.

ترجمہ:۔ ''اب کوئی ایسی منفرد شخصیت موجود نہیں جو ان اختلافات پر نظر رکھے اور انہیں پاٹ سکے''۔

ان دنوں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ جو لوگ اور تحریکوں اور جماعتوں کا ساتھ دے رہے تھے ان کو تو چھوڑ دیں خود مسلم لیگ بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک حصہ جماعت سر محمد شفیع کی اور دوسری جناح صاحب کی۔ جناح صاحب سے انگریز اس لئے بدظن تھے کہ وہ مخلوط انتخابات کے حق میں تھا اس لئے کوشش یہ شروع ہوئی کہ وہ مخلوط کی جگہ جداگانہ طریقہ انتخاب کو مان لے۔ اسی سلسلے میں وائسرائے ہند 29-5-20 کو لکھتا ہے:

I had a long talk to Jinnah a few days ago which made it very clear to my mind that, he and all the Bombay people, who are not disposed to love Congress are disposed to swing in our direction if we can give them help later.

ترجمہ:۔ ''کچھ روز ہوئے میری مسٹر جناح سے تفصیلی گفتگو ہوئی جس کے بعد مجھے یقین ہے کہ وہ اور بمبئی کے تمام لوگ جو کانگریس کو پسند نہیں کرتے۔ اگر ہم ان کی مدد کریں تو وہ

ہماری پالیسی سے متفق ہو سکتے ہیں۔"

تو جب وائسرائے صاحب اور جناح صاحب کی ملاقات کے بعد انگریز اس نتیجے پر پہنچا کہ جناح صاحب سرکار کی طرف سے جھک جائے گا تو اب انگریز کے لئے یہ بات آسان ہوگئی کہ وہ مسلم لیگ کی پارٹی کو متحد کرے جیسے وائسرائے نے پیش گوئی کی ہے:21-3-29

The two wings of the Muslim League are to meat in Dehli at the end of the month with a reapproachment between Sir Mohammmad Shafi and Jinnah---Jinnah may be expected to rgain before long his former commanding influnce in the muslim League.

ترجمہ:۔ "اس مہینے کے آخر میں مسلمانوں کے دونوں گروہ محمد علی جناح اور محمد شفیع کے درمیان صلح کے لئے دہلی میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور امید ہے کہ مسٹر جناح مسلم لیگ میں پہلے جیسا موثر وقار حاصل کرلیں گے۔

اندازہ لگائیں ابھی میٹنگ نہیں ہوئی۔ وائسرائے کو معلوم ہے کہ صلح ہو جائے گی اور وہ بھی ایسے کہ سر محمد شفیع جناح صاحب کے لئے راستہ چھوڑ دیں گے۔

یہ کام تو مکمل ہو گیا۔ اب تنظیم چاہئے اور تنظیم کے علاوہ رقم کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔ وائسرائے 26-11-29 کو لکھتا ہے:

I hear that suggestions are being put out that Govt. should intervene in some way towards raising fund in order to organise proper Muslim representation and of course we should like them to have best advocacy they can find.

ترجمہ:۔ "مجھے ان تمام تجاویز کا پتہ چلا ہے جو پیش کی گئی ہیں کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کو منظم کرنے کے لئے کسی نہ کسی طور چندہ اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں شامل ہو اور یقیناً جو کچھ ان کے بس میں ہوگا، ہم بہتر حمایت حاصل کرسکیں گے"۔

یوں لگتا ہے کہ انگریز نے یہ بھی ذمہ داری لے رکھی تھی کہ تنظیم کے سلسلے میں تمام گروپوں کو ایک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چندے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک مضبوط اور منظم پارٹی ضروری ہے۔ وائسرائے بیچارہ لگا ہوا ہے جیسے سر فضل حسین سے اپنی ایک ملاقات کا حال 2-2-31 کو لکھتا ہے:

He (Afzal Husain) developed the view that the only chance of same progress was that a strong party should come into being which should devote itself to fighting Congress.

ترجمہ:۔ ''فضل حسین کی رائے میں کانگریس کے ساتھ لڑائی کے سلسلہ میں ایک ہی حربہ ہے کہ ایک طاقتور پارٹی کو وجود میں لایا جائے اور صرف اس سے ہی اس مقصد میں پیش رفت ہوسکتی ہے''

کانگریس کے ساتھ لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے تنظیم چاہئے اور وہ تنظیم مسلمانوں کی ہو۔ انگریز استاد پیچھے بیٹھ کر ساتھیوں کو ہدایات جاری کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے اصل میں یہ مسلم لیگ کا صدر ہے یا جیسے لارڈ ارون 31-2-9 کو اپنی پارٹی کے کارکنوں سے خطاب کر رہا ہے:

I told him (Sir Mohammad Shafi) that I thought they would all have to fight hard and that it was no good supposing that a few packed meetings or newspaper articles out as whole time mission aries and carry the flaming torch through out the lenght and breadth of India. They must be prepared to build up a great organisation---which might focus all constructve efforts to fight Congress.

ترجمہ:۔ میں نے اس (سر محمد شفیع) سے کہا کہ میرے خیال میں سخت مقابلہ ہے بڑے بڑے جلسے یا اخباروں میں اس سلسلہ میں مضامین سے کام نہیں بنے گا بلکہ اس سلسلہ میں بھرپور کوشش کے لئے مشنری کے طور پر کام کرنا ہوگا اور روشن مشعل لے کر ہندوستان کے طول و عرض پھیل جانا ہوگا۔ انہیں ایک بہت بڑی تنظیم بنانے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جس کا کام یہ ہو کہ کانگریس کے ساتھ مقابلہ میں تعمیری کوششیں بروئے کار لائے''۔

وائسرائے نے یہ ہدایات دیں اور پھر وعدے وعید ہوئے۔

and they proposed to get to work vigrous by and com-prehensively. This is encouraging, and I only hope them good resolutions do not fade away.

ترجمہ:۔ ''اور وہ اس سلسلہ میں جدوجہد اور مکمل کوشش کرنے پر آمادہ ہیں اور یہ حوصلہ افزا

بات ہے اور میری یہ دعا ہے کہ ان کے یہ نیک ارادے ماند نہ پڑیں''۔

رقوم والیان ریاست دیں گیا انگریز کا کھیل یہ تھا کہ کہتے ہیں کہ ہم نے پورا منصوبہ تیار کرلیا ہے۔ یہاں ہندوستان میں مسلمانوں کو یکجا کر کے ان کو ایک تنظیم بنا دیں کہ لندن میں انگریز باقی دنیا پہ یہ الجھن ایسے ظاہر کرے کہ ہندوستانی آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس کے دوران انگریز نے ان فرقہ وارانہ اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد یہ کوشش اور بھی زور و شور سے شروع کی کہ مسلمانوں کو تھپکی دے کر کانگریس کے مقابلے کے لئے کھڑا کرے۔

اور پھر جب دوسری گول میز کانفرنس لندن میں بلائی گئی تو اگرچہ گاندھی جی بھی اس کانفرنس میں شریک تھے لیکن انگریز نے اپنا کھیل جاری رکھا۔ اس کے متعلق سرسیمول ہور (وزیر ہند) 2-10-31 کو لکھتا ہے:

The delegates are much further off with each other Than they were last year, and don't believe there is the last chance of a communal settelment in the minorities committee.

ترجمہ:۔ ''میرے خیال میں پچھلے سال کی نسبت مختلف فرقوں کے نمائندے ایک دوسرے سے بہت دور ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اقلیتی کمیٹی میں فرقہ وارانہ سمجھوتہ کی آخری امید بھی ختم ہوگئی ہے''۔

ایک طرف تو انگریز کانگریس کو مسلمانوں کے ذریعے پریشان کروانا چاہتا تھا تو دوسری طرف اس کی یہ کوشش تھی کہ ان اچھوتوں یا ہریجنوں (Depressed Classes or Untrouchables) کو ذات پات کے مسئلے پر ہندوؤں سے الگ کرواسکیں، تو اس طرح ہندوؤں کی قوت کم ہو جائے گی۔ بہت پُرامید ہوئے کہ والیان ریاست کے علاوہ ہریجنوں کا لیڈر امبیڈکر ہاتھ آ گیا۔

وزیر ہند 28-12-32 کو لکھتا ہے:

Ambadker has behaved very well at the confrence and I am most anxious to strengthen his hands in very reasonable way.

ترجمہ:۔ '' کانفرنس میں امبیڈکر کا رویہ اطمینان بخش تھا اور میری خواہش ہے کہ مناسب طریقہ پر اس کی ہر ممکن امداد کروں''۔

لیکن یہ کھیل گاندھی جی نے خراب کردیا۔ گاندھی جی نے ہریجنوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اور انہیں ہندوؤں کے معاشرے میں ایک باعزت مقام دلانے کے لئے مرن بھرت رکھا (یعنی مرنے تلک

روزہ) اب امبیڈکر مشکل میں پڑ گیا۔ اگر ہریجنوں کا ساتھ دیتا ہے تو گاندھی جی کے مرنے کی ذمہ داری گلے پڑے گی اور اگر گاندھی جی کے ساتھ افہام وتفہیم کا کوئی راستہ نکالتا ہے تو انگریزوں کی امداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا لیکن آخر کار گاندھی جی کا روزہ رنگ لے آیا۔ پورے ہندوستان کی رائے عامہ نے امبیڈکر کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ تم ہریجنوں کے حقوق کا تحفظ چاہتے ہو تو پھر تو تمہیں گاندھی جی کا ساتھ دینا ہوگا۔ آخر کار (Poona Pact) پونا معاہدہ کے نام پہ گاندھی جی اور ہریجنوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اور اس پر امبیڈکر نے دستخط کر دیئے۔ انگریز کا یہ وار تو خالی گیا۔ تو اب تو صرف اور صرف مسلمان رہ گیا۔ لیکن مسلمانوں کے سلسلے میں انگریز کو ایک اور مشکل درپیش تھی۔ جب سے لارڈ ارون کی جگہ لارڈ ولنگڈن وائسرائے بنا تو جناح صاحب ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے سے انگلستان چلے گئے۔ ایسا سننے میں آیا تھا کہ ان دنوں جناح صاحب اور ولنگڈن کے مابین کچھ ناچاقی پیدا ہوگئی تھی۔

(سننے میں آیا ہے کہ ولنگڈن صاحب بمبئی کا گورنر تھا۔ اس نے اپنے گھر میں دعوت کی تھی جس میں جناح صاحب کو اس کی اہلیہ (جو پارسی تھی) کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ گورنر ولنگڈن کی بیوی بہت جابر اور استعماری رکھ رکھاؤ والی وکٹورین ذہنیت کی عورت تھی۔ اس نے جب مہمانوں کو دیکھا تو جناح صاحب کی اہلیہ نے لباس ایسا پہنا تھا جو لیڈی ولنگڈن کے اندازے کے مطابق بہت کم تھا اور اس موجودہ محفل کے مناسب نہ تھا۔ تو لیڈی ولنگڈن نے اپنے .A.D.C کو کہا کہ مسز جناح کو سردی لگ رہی ہے۔ ایک شال لا دو کہ اپنے گرد لپیٹ دے یہ بات سب نے سن لی۔ جناح صاحب نے محسوس کیا کہ میری توہین ہوئی ہے وہ بمعہ اپنی اہلیہ کے اس محفل سے چل پڑا۔ اس طرح سے ان کے اور گورنر ولنگڈن کے تعلقات خراب ہو گئے تھے) جب تو ولنگڈن گورنر تھا۔ لیکن اب کہ وہ ہندوستان کا بااختیار حکمران بن کر وائسرائے کی حیثیت سے دہلی آیا تو جناح لارڈ نے خیریت اس میں دیکھی کہ ملک چھوڑ دے۔ چنانچہ جب تیسری گول میز کانفرنس کے لئے مسلمانوں کے نام وائسرائے بھیج رہے تھے تو اس میں جناح صاحب کا نام نہیں تھا بلکہ چھ مسلمان نمائندے یہ تھے۔ ہز ہائی نس سر آغا خان، آنریبل سر چودھری ظفر اللہ*، ڈاکٹر شفاعت احمد خان، سر عبدالرحیم، سر محمد یعقوب اور سر محمد اقبال۔

---

*چودھری ظفر اللہ خان سے البتہ جناح صاحب کو خاص رغبت تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی 27/مارچ 1939ء کو اسمبلی میں تقریر کا حوالہ معروف دانشور عاشق حسین بٹالوی نے دیا ہے جو کچھ اس طرح ہے کہ میں آنریبل سر محمد ظفر اللہ خان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ مسلمان ہیں اور گویا میں ان کی تعریف کر کے اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں جب کہ اس کے برعکس سر شیخ محمد اقبال جو کہ خود وائس رائے کونسل کے لئے امیدوار تھے چودھری ظفر اللہ کی تعیناتی کے بعد مسلک قادیان کے خلاف سخت موقف اختیار کر گئے۔ اور مذہبی بنیاد پر اس مسلک کی تردید کرنے لگ گئے۔

لیکن انگریز مطمئن تھا۔ اس نے اپنی جانب سے فرقہ وارانہ نفاق کے لئے اتنی کوشش کی تھی کہ اس نے وائسرائے ہند کو 32-10-31 کو کچھ یوں تسلی دی۔

The Hindus Sikh and Muslims are to meet on Nov.3 at Allahabad to endeavour to arrive at an agreement which will do away the communal award. I am assured by those who know that no agreement will ever be reached.

ترجمہ:۔ ''3 نومبر کو الہ آباد میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کا ایک اجلاس ہونا قرار پایا ہے جس میں فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی کہ کیمونل ایوارڈ پر فاتحہ پڑھ دی جائے لیکن مجھے ان لوگوں نے جو حالات سے باخبر ہیں یقین دلایا ہے کہ ایسا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا''۔

انگریز اپنی اس پالیسی سے بالکل مطمئن تھا اور اسے یہ مکمل یقین تھا کہ نئے اصلاحات کی روشنی میں اگر اب ہندوستان میں دونوں فرقوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور انگریز مطمئن تھا۔ اس نے خود دیکھا کہ تیسری گول میز کانفرنس میں اختلافات، دوسری کانفرنس کے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ انگریز اس کھیل پر بہت خوش تھا۔ یہاں سے مختلف فرقوں کے رہنماؤں کو لندن لے جاتا ہے، وہاں بٹیروں کی طرح لڑواتا ہے اور جب افہام وتفہیم کا کوئی راستہ نہیں نکل پاتا تو انگریز دنیا کو یہ دکھاتا ہے کہ ہم کیا کریں۔ ہم تو جتنی محنت کریں خرچ کریں لیکن یہ ہندوستانی آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے رستہ ہی کونسا رہ جاتا ہے۔

انگریز یہ صاف دیکھ رہا تھا کہ جب فرقہ وارانہ طریقے سے انتخاب ہوگا تو لازمی بات ہے کہ اس میں سے جذبات ابھریں گے اور مسلمانوں میں وہ پارٹیاں مضبوط ہوں گی جو مذہب کے نام پر ووٹ مانگیں گی۔ اس میں دو فائدے نظر آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانگریس کے مقابلے کے لئے مذہبی عقیدے پر منتخب ہونے والے مسلمان ممبران کھڑے ہوں گے، اور دوسرے یہ کہ قوم پرست مسلمانوں کے مقابلے کے لئے اسلام کا نام استعمال ہوگا۔ اس طرح سے قوم پرست لوگوں کی بجائے فرقہ وارانہ نمائندگی تسلیم کر لی جائے اور آئندہ کے لئے اتحاد کے لئے کبھی بھی کانگریس کا ساتھ نہیں دے گی۔

اب بھی اگرچہ وزیر ہند بار بار خطوط لکھتا ہے کہ وائسرائے ولنگڈن کو اس بات سے منع کیا جائے کہ انتخابات کرے۔ لیکن ولنگڈن اس بات پر مصر ہے کہ کانگریس بالکل کمزور ہو چکی ہے۔ کیونکہ ان کی سول نافرمانی کی تحریک ناکام ہو چکی ہے۔ وائسرائے نے یہاں تک کہا کہ گاندھی ختم ہو چکا ہے۔ اس کے اپنے افسروں کی ڈائریوں اور رپورٹوں سے اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ الیکشن کے نتیجے میں فرقہ وارانہ جذبات

اس قدر گرم ہوں گے اور فرقوں کے مابین نفرت اور حقارت اس قدر بڑھ جائے گی کہ اس میں کانگریس کے الیکشن جیتنے کی مطلق گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ یہ بات معلوم ہے کہ کانگریس کے مقابلے میں کوئی مضبوط اور طاقتور جماعت نہیں۔ جیسے 34-9-9 کو لکھتا ہے:

But alas! Our backers are a flabby crowd without any courage while the Congress, however stupid their actions, are not affraid of fighting.

ترجمہ:۔ ''افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے حمایتی جن میں حوصلہ اور جرات کا فقدان ہے ایک ہجوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو کانگریس اپنے عمل میں احمق ہے لیکن وہ لڑائی سے نہیں ڈرتی''۔

خیر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بھی وائسرائے نے انتظام کر لیا۔ اگر کانگریس کے مقابلہ کے لئے سیاسی پارٹی نہیں تھی تو سرکار کے پسندیدہ لوگ تو تھے ہی۔ جیسے کہ 34-9-24 کو لکھتا ہے:

I have written to Governors asking him to give a hint to the ministers to help pro Govt. candidates and also asking them, if opportunity offers, to see that good candiates are selected---we have to sit quite still up here and say noting except in private-----on publicity we are doing the best we can--

ترجمہ:۔ ''میں نے گورنروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ وزراء کو کہیں کہ وہ سرکار کے حمایتی امیدواروں کی مدد کریں اور یہ بھی کہا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے بہتر امیدواروں کا انتخاب کیا جائے۔ ہمیں اس سلسلہ میں بظاہر خاموش رہنا چاہئے اور اگر کچھ کہنا ہو تو نجی طور پر کہا جائے۔ جہاں تک تشہیر کا تعلق ہے جو بھی ممکن کوشش ہے کی جارہی ہے''۔

صوبائی انتخاب کی تیاری

لارڈ ولنگڈن کے وائسرائے دور کا خاتمہ 1936ء میں ہوا۔ اس کی جگہ نیا وائسرائے لارڈ لنلتھگو (Linlithgow) آیا۔ وہاں لندن میں وزیر ہند Sir Samaul Hours (سر سیموئل ہورس) کی جگہ لارڈ زیٹلینڈ وزیر ہند مقرر ہوئے۔ ان دونوں نے مل کر بلکہ خصوصیت سے لارڈ لنلتھگو نے مختلف فرقوں یعنی ہندو اور مسلمان کے نفاق کے اس مسئلے کو اس صفائی اور ہنرمندی سے فروغ دیا کہ ان کے متحد ہونے کی قطعی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس کو بھی پہلے وائسرائے لارڈ اروِن کی طرح یہ تسلی تھی کہ یہاں جب انتخابات ہوں گے اور جداگانہ طریقہ انتخاب استعمال ہوگا۔ (یعنی ہندو ہندو کو اور مسلمان مسلمان کو ووٹ دے گا) تو ان انتخابات کے نتیجے میں فرقہ وارانہ جذبات ابھریں گے۔ مختلف فرقوں کے امیدوار مختلف مذہبی جذبات اور خواہشات کی بنا پر ووٹ مانگیں گے اور نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اسمبلی میں قومی یا ہندوستانی ذہن کے ممبر نہیں ہوں گے بلکہ ہندو اور مسلم مذہبی عقیدے کی بناء پر ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ لیں گے اور اپنے سیاسی مستقبل کے لئے ہمیشہ اس بات پر نظر ہوگی کہ اس کے ووٹر اس سے ناراض یا مایوس نہ ہوں۔ اسی طرح سے سیاست پر قومی مفادات کی جگہ فرقہ وارانہ مفادات کا غلبہ اور قبضہ ہوگا۔

وفادار حلیفوں کے لئے استفسارات

Questions for Loyal Allies

کانگریس کی کسی کمزوری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وائسرائے لکھتا ہے کہ ایک وقت میں کانگریس میں باہمی اختلافات ابھر رہے تھے۔ گاندھی جی نے اسی خاطر کانگریس کا اجلاس اسی دسمبر میں بلایا ہے۔ اگرچہ معیاد آئندہ سال اپریل تک ہے تاکہ نئے صدر کا انتخاب ہو۔ وائسرائے لکھتا ہے کہ صدارت پر بھی اختلافات ہیں۔ کیونکہ گاندھی جی کی خواہش ہے کہ راج گوپال اچاریہ صدر اور جواہر لال کی کوشش ہے کہ وہ اپنے بعد بادشاہ خان عبدالغفار خان کو صدر بنائے۔

لیکن جب انگریز نے صوبائی انتخابات کرائے تو ہندوستان کے صوبوں میں سے 8 صوبوں میں کانگریس کی اکثریت جیت گئی۔ اب تو انگریز کو اور مصیبت گلے پڑی۔ اب تو ہندوستانی قوم نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ کل کو 1935ء ایکٹ کے تحت دوسرا مرحلہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا آئے گا تو مرکز میں بھی اختیارات کانگریس پارٹی کے ہوں گے۔

اب انگریز اس بات پر مجبور تھا کہ انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کا ازسرنو جائزہ لے اور کانگریس کے مقابلہ کے لئے اور قوتیں مجتمع کرے۔ انگریز نے جب چاروں طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں چار ایسی قوتیں تھیں جس سے کانگریس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ سب سے بڑی اور وفادار قوت ہندوستان کے چھ سو سے زائد ریاستوں کے والیان کی تھی۔ جن کے ہاں نہ انتخابات ہونے تھے اور نہ ہی قومی اور جمہور حکومتوں کے قیام کا امکان۔ دوسری قوت جو کانگریس کو نقصان پہنچا سکتی تھی وہ اچھوت (Scheduled Casts) کی تھی کہ انگریز یہ نعرہ دے کہ کانگریس تو برہمنوں اور خاندانی ہندوؤں کی تنظیم ہے اور یہ کہ ہریجن ایک الگ قوم ہے اور چرچل کے کہنے کے مطابق تقریباً ان کی آبادی 4 کروڑ ہے۔ تیسری قوت مسلمانوں کی ہے جو دس کروڑ کے قریب ہے۔

والیان ریاست کے مقابلے کے لئے جواہر لال نے ایک تنظیم بنائی۔ جسے States Peoples Congress (اسٹیٹ پیپلز کانگریس) کہا کرتے تھے۔ والیان ریاست نے دیکھا کہ ملک کا کلی مالک

انگریز کانگریس کا مقابلہ نہ کر سکا تو ہم (بیچارے) کیا کر سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ انگریز ان کی قوت بھی ختم کر چکا تھا۔ اب ان میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جس میں ذرا سی بھی خودداری یا عزت نفس ہو۔ انگریز نے بہت کوشش کی لیکن بات نہ بن سکی۔ آخر وزیر ہند ایمرے اتنا مایوس اور بدظن ہوا کہ ان نوابوں، راجاؤں اور شہزادوں کے متعلق یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا:

It has been real mistake of ours in the past not to encourage Indain princes to marry english wives for a succession of generations and so breed a more virile type of a native Ruler.(Document 1.10.43)

ترجمہ:۔ "یہ ہماری سنگین غلطی رہی ہے کہ ہندوستانی شہزادوں کی انگریز عورتوں سے شادی رچانے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی تا کہ ان کی نسل میں ایسی اولاد ہوتی جو متلون مزاج قسم کے مقامی حکمران ہوتے"۔

مطلب یہ ہوا کہ ایمرے کے مطابق تو ان کی یہ نسل ختم کروا دینے کے قابل ہے۔ ان میں تو سرے سے مردانگی نہیں اور علاج یہ دکھایا ہے کہ چاہئے تھا کہ ہم شروع سے یہ کوشش کرتے کہ والیان ریاست انگریز عورتوں سے شادیاں کرتے تا کہ قانونیہ اولاد پیدا ہوتی۔ آج ہمارے کام آتی۔

ہریجنوں کا مسئلہ تو گاندھی جی نے حل کر دیا۔ اس نے ان کی حیثیت اور مساوی حقوق حاصل کرنے کے لئے برت رکھا اور برت بھی تا دم مرگ۔ ہریجنوں کا لیڈر امبیڈکر تو انگریزوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ انگریز بالکل مطمئن تھا۔ مگر گاندھی جی نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ ہندوؤں نے امبیڈکر کو کہا کہ اگر حقیقتاً برہمنوں کا حق مانگتے ہو تو پھر تو چاہئے کہ گاندھی جی کے ساتھ مل کر کمر کس لو۔ کیونکہ تم دونوں کا مقصد ایک ہے۔ امبیڈکر مجبور تھا۔ گاندھی جی نے اور کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ آخر گاندھی جی نے اس دن برت توڑا جب امبیڈکر نے پونا پیکٹ پر گاندھی جی کے ساتھ دستخط کر دیئے اور اسی طرح انگریز کی یہ دوسری قوت بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

اب تو صرف اور صرف مسلمان ہی رہ گئے تھے کہ ان میں کام کیا جائے اور انہیں کانگریس کے مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے۔ لارڈ ولنگڈن کے جانے کے بعد جناح صاحب واپس آ گئے۔ وائسرائے ہند نے ملاقات کے لئے بلایا۔ اس ملاقات کے متعلق اس نے جو خط وزیر ہند کو 9-9-37 میں لکھا اس میں یہ بات لکھی:

He took very strongly the view that we did not pay sufficient

attention to the Muslims, that there was the real risk of the Muslim being driven into the arms of the Congress.

ترجمہ:۔''اس نے یہ موقف بہت شدت کے ساتھ اپنایا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کی جانب پوری توجہ مبذول نہیں کی اور اس خطرہ کو نہیں بھانپا کہ اصل خطرہ تو یہ ہے کہ مسلمان کہیں کانگریس کی گود میں نہ چلے جائیں''۔

اور اس کی دلیل میں آگے جا کر لکھتا ہے کہ جناح صاحب گاندھی جی سے میری ملاقات پر شا کی تھے:

He (Jinah Shaib) suggested that the interview (with Gandhi) was largely responsible for the lifting of frontier province and the fall of Abdul Qayum`s ministry.

ترجمہ:۔ ''جناح صاحب کے بقول مسٹر گاندھی سے ملاقات کا بہت حد تک موضوع خان عبدالغفار خان سے پابندی اٹھانے اور ان کی سرحد میں واپسی اور صاحبزادہ عبدالقیوم کی وزارت کو گرانا تھا''۔

مزے کی بات تو یہ تھی کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم تو مسلم لیگ کا ممبر بھی نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تب تک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم ہی نہیں تھی۔اس لئے اسمبلی میں مسلم لیگ کا ایک ممبر بھی نہیں تھا۔ لیکن چونکہ صاحبزادہ صاحب سرکار کا آدمی تھا اس لئے جناح صاحب کو ان کی وزارت کے ختم ہو جانے کا دکھ تھا۔دوسری طرف بھی ذرا توجہ دیں۔صاحب زادہ صاحب کی وزارت عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے ختم ہوئی تھی۔یوں لگتا ہے جیسے جناح صاحب نے جمہوری اداروں کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔

بات چیت جیسے جاری ہے۔اگلی ملاقات میں بات ذرا اس سے بھی زیادہ واضح ہو گئی۔وائسرائے 19-8-38 کو لکھتا ہے:

He Jinnah) ended up with the suggestion that we should keep the, centre as it is now that we should make friends with Muslims by protect- that, the, Muslim would protect us at the Centre.

ترجمہ:۔ ''جناح صاحب نے اس تجویز پر اپنی بات مکمل کی کہ جیسا مرکز اب ہے وہ ایسا ہی رہنا چاہیئے۔بہر حال کانگریس کے صوبوں میں مسلمانوں کا تحفظ کر کے ہم مسلمانوں

سے مفاہمت اور دوستی کی راہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے اس پر عمل کیا تو مسلمان ہماری مرکز میں مدد کریں گے''۔

لگتا ہے یوں سودا بازی ہو جائے گی۔ انگریز کو معلوم ہے کہ اگر وہ مرکز میں انتخابات منعقد کرے تو یہاں دہلی میں بھی اختیارات پر کانگریس کا قبضہ ہو گا۔ اس لئے اس کی یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو وہ 1935ء کے ایکٹ کے تحت مرکز میں انتخابات سے پیچھا چھڑا لے تو جناح صاحب اس پر سودا کرنے پر تیار تھے۔ واضح الفاظ میں جناح صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اختیارات انگریز کے پاس رہیں۔ ہندوستان کو نہ سونپے جائیں۔

والیان ریاست کے مسئلے پر بھی ایسا لگتا ہے کہ مسلم لیگ اور انگریس کی پالیسی ایک تھی۔ جیسے وائسرائے 29-1-39 کو لکھتا ہے:

"I gathered further that a resolution was actully passed at Patna to the effect the all India Muslim League would no longer be able to stand aside if Congress intervetion in the affairs of the states continued.

ترجمہ:۔ ''پٹنہ میں دراصل ایک ریزولیشن پاس کیا گیا کہ اگر کانگریس نے ریاستوں میں مداخلت کی پالیسی جاری رکھی تو مسلم لیگ تماشائی کی حیثیت سے چپ نہیں رہے گی۔''*

مطلب یہ ہوا کہ جناح صاحب ریاستوں میں اپنے والوں کے حقوق کے بھی خلاف تھے اور عجب بات یہ تھی کہ ان تقریباً چھ سو ریاستوں میں سے مشکل سے 10 ریاستیں مسلمانوں کی ہوں گی اور سب سے عجب بات یہ تھی کہ کشمیر کے مسلمان اپنے ہندو مہاراجہ کے خلاف اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے تھے۔ مسلم لیگ نے ان کو بھی بھلا دیا تھا اور آج ہندو والیان ریاست کے حق کے لئے کانگریس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

وائسرائے جناح صاحب سے ایک اور ملاقات کے متعلق 28-3-39 کو لکھتا ہے:

But he (Jinah) is satisfied now, he thought that the present system would not work, and that a mistake, had been committed in going so far.

---

*ڈاکٹر عائشہ جلال The Sole Spokesman میں لکھتی ہے کہ اگست 1938ء میں جناح صاحب نے قائم مقام وائسرائے لارڈ برابورن سے یہ سودا بازی کی تھی کہ انگریز کانگریس حکومت والے صوبوں میں مسلمانوں کا ساتھ دے جواب میں مسلم لیگ مرکز میں انگریز استعمار کا ساتھ دے گی (صفحہ 45) حالانکہ مسلم لیگ شروع ہی سے انگریز کی ایماء پر چل رہی تھی مگر جناح اس ایماء کو سودا بازی تک لے آیا۔

ترجمہ:۔''مسٹر جناح اب مطمئن ہیں کیونکہ ان کے خیال میں موجودہ نظام چل نہیں سکے گا
اوراس مقام تک پہنچنے کیلئے غلط قدم اٹھایا گیا ہے''

مطلب یہ ہوا کہ وہ صوبوں کے حقوق دینے پر ناراض تھے۔یعنی جناح صاحب اس بات پر سختی سے مصر تھے کہ ہندوستان کو قطعی اصلاحات نہیں دینا چاہئے اور جو لوگ یہ مطالبہ کررہے تھے وہ حالات سے بے خبر تھے۔ یہاں جمہوریت نہیں چل سکتی بلکہ غلطی ہوگئی کہ صوبوں میں بھی انتخابات کرائے ہیں اور اختیارات قوم کے منتخب نمائندوں کے حوالے کردیئے ہیں۔وہ کہاوت ہے، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ انگریز تو خدا سے یہی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی پارٹی پیدا ہو جو انگریز سے بھی بڑھ کر جمہوریت کی دشمن ہو اور جو بھی پالیسی انگریز کے فائدے میں ہو اس سے اتفاق کرے۔ بلکہ انگریز کے ساتھ مل کر اس کے مخالفین سے بھی لڑنے کو تیار ہو۔

یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ اس وقت انگریز دنیا کے کونے کونے تک پہنچ چکا تھا۔اور بہت فخر سے یہ بات کہتا تھا کہ انگریز کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا اور یہ تھی بھی حقیقت۔ وہ پوری دنیا پر قابض تھا۔کروڑوں انسان اس کے غلام تھے۔ان ممالک کی دولت ان کے بچوں کی خوراک تھی۔اس کے جوان اس کی فوجیں تھیں اس وجہ سے جیسے اس کی سلطنت بین الاقوامی تھی۔اسی طرح اس کی پالیسی بین الاقوامی حالات کے تابع تھی۔ ہندوستان میں انتخابات کے بعد صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں سے انگریز بہت دل برداشتہ اور پریشان تھا لیکن اور تو چھوڑیں۔اس کے اپنے پڑوس میں یورپ پر ہٹلر قابض ہوتا چلا گیا۔ چھوٹے چھوٹے ممالک کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔اٹلی میں میسولینی بھی اس کے ساتھ ڈٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ادھرادھر سے ہاتھ پیر وہ بھی ماررہا تھا۔انگریز نے اپنا تمام داروسکہ ختم کرڈالا لیکن وہ پشتونوں کی بات کہ جب زورآزمائی تک نوبت آجاتی ہے تو پھر چالاکی کام نہیں دے پاتی۔آخرکار انگریز مجبور ہوا اور 3 ستمبر 1939ء کو جرمنی کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کردیا۔اب تو اس کے اپنے گھر کو آگ لگ گئی۔ کیونکہ جرمنی کا سامنا کون کرسکتا تھا۔انگریز کی خوش بختی یہ ہے کہ اس کے اور جرمنی کے درمیان رودبار انگلستان تھا۔ورنہ اس کی بھی خیر نہیں تھی۔

حکومت برطانیہ نے جب جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو ہندوستان کی طرف سے بھی اعلان جنگ کردیا۔کانگریس نے اس پر اعتراض کیا کہ ہندوستان سے پوچھے بغیر وہ اس کی طرف سے اعلان جنگ کیسے کرسکتا ہے۔کیونکہ اب تو کانگریس یہ دعویٰ کرسکتی تھی کہ گزشتہ انتخابات کی روشنی میں کانگریس حقیقت میں ہندوستانی قوم کی نمائندگی کرتی ہے۔انگریز پہلے تو بہت حیران ہوا اور پھر پوچھا کہ ایک فسطائی (Fascist) قوت ابھری ہے ممالک کی آزادی کو سلب کررہی ہے، انہیں غلام بنارہی ہے تو ہم کانگریس سے یہ پوچھنا

چاہتے ہیں کہ وہ ان قوتوں کا ساتھ دینا چاہتی ہے۔ جو آزادی، امن اور صلح کے لئے لڑ رہی ہیں یا نہیں۔ کانگریس نے جواب دیا کہ اصولاً تو ہم آزاد ہیں، امن اور صلح کی قوتوں کے ساتھ ہیں اور فاشسٹ نظام کے اصولاً خلاف ہیں۔ لیکن جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو وہ تو بہت پہلے سے غلام ہے۔ تو لازمی بات ہے ہم ان قوتوں کا ساتھ دیں گے جو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہیں لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو آج جب انگریز جرمنی کے خلاف میدان جنگ میں اترا ہوا ہے تو انگریز تو یہاں ہمارا حاکم ہے اور ہم خود ان کے غلام ہیں تو اگر انگریز ایمانداری اور نیک نیتی سے قوموں کی غلامی کے خلاف ہے تو چاہئے کہ یہاں بھی یہی اصول قائم کرے اور یہ آزادی کا سلسلہ اپنے ہی گھر سے شروع کرے۔ کانگریس نے یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان تب اس جنگ میں حصہ لے گا کہ جب انگریز جنگ کے مقاصد (War Aims) کا اعلان کر دے اور اگر یہ جنگ دنیا میں آزادی، امن اور صلح کے لئے لڑی جا رہی ہو تو پھر انگریز اتنا کرے کہ ان مقاصد میں اس کا بھی اعلان کرے کہ جب اتحادی جنگ جیت جائیں گے تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ کانگریس نے یہ بات واضح کر دی کہ ہم انگریز کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ اس وقت اور کچھ نہیں چاہتے، صرف اتنا اعلان کر دے اور یہ اعلان اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس اعلان کی روشنی میں ہندوستان جنگ میں خلوص دل سے اور پوری قوت سے بھرپور حصہ لے گا۔ کیونکہ اس طرح یہ جنگ ہندوستان کی اپنی آزادی کی جنگ ہوگی۔ لیکن انگریز ایسا کرنے کو کب تیار تھا۔ انگریز وزیراعظم چرچل کی بات، کہ میں اس لئے تاج برطانیہ کا وزیراعظم نہیں بنا کہ اس کے سلطنت کے حصوں کو داؤ پر لگا دوں۔ تو پھر کانگریس اس بات پر سختی سے کاربند ہوئی کہ یہ جنگ یورپ کے ممالک کی آزادی کی لڑائی ہے، ہندوستان کی آزادی قطعی نہیں۔ اس لئے اس جنگ میں حصہ لینا اور اس کے ساتھ امداد کرنا اپنی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔ میں خود آل انڈیا کانگریس کمیٹی (A.I.C.C) کے اس اجلاس میں موجود تھا کہ کانگریس کے صدر جواہر لال نہرو نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی کہ اگر انگریز نے اپنے جنگ کے مقاصد میں یہ اعلان کیا کہ جب اتحادی جنگ جیت لیں گے تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے تو اس طرح

We shall be fighting for the libration of our own country, otherwise we shall be fighting to defend our chains.

ترجمہ:۔ ''ہم اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑیں گے۔ ورنہ ہم اپنی بیڑیوں کا زنجیروں کا تحفظ کریں گے اور انہیں باقی رکھیں گے''۔

اب اتنا بے وقوف اور اندھا کون ہوگا کہ وہ جنگ بھی لڑے، قربانی بھی دے اور جنگ اس لئے لڑے کہ وہ غلام ہی رہے۔

کانگریس کے اس فیصلے سے انگریز کے صبر کا پیانہ چھلک گیا۔اب تک تو انگریز کو دکھ اس بات کا تھا کہ اس نے ہندوستان میں انتخابات کرائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کو ہندوستان کا تابع کر دیا اور اب اس کی کوشش یہ تھی کہ مرکزی انتخابات نہ ہوں کیونکہ انگریز یہ کب برداشت کر سکتا تھا کہ برطانوی شہنشاہیت اور (Imperial Crown) (تاج شاہی) کا نمائندہ وائسرائے صوبوں کے گورنروں کی طرح اپنے منتخب وزیروں کے مشورے کا تابع ہو۔لیکن جب انگریز زندگی اور موت کی جنگ میں الجھا ہوا ہے۔اس کا وطن قوم سب خطرات کی زد میں تھے۔اس نازک وقت میں کانگریس کی یہ جرات وہ انگریز کو دوستی کا ہاتھ دینے اور اس کی مدد کرنے سے انکاری تھی۔انگریز کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر ہندوستانی فوج، دولت اور وسائل اس کے پاس نہ ہوں تو وہ اس اتنی عظیم الشان سلطنت کو کیونکر قابو میں کر سکتا ہے۔لازمی بات ہے کہ انگریز سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن یہ نہیں براشت کر سکتا تھا اور اس لئے انگریز اور بھی مجبور ہو گیا کہ کانگریس کے مقابلے کے لئے کھل کر میدان میں نکلے اور جس طریقے سے بھی ہو کوئی راستہ ایسا نکالے کہ کانگریس کا مقابلہ کیا جا سکے۔

جناح صاحب کے ساتھ اپنی ملاقات کے بارے میں لکھتا ہے۔28-2-39

He did not reject the Federal idea.

ترجمہ:۔ ''اس (جناح صاحب) نے نظریہ وفاق نامنظور نہیں کیا''

یہاں سے انگریز کی پالیسی میں بہت بڑی تبدیلی آئی۔ یورپ کی جنگ نے ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بدل دیا۔اس وقت تک انگریز سختی سے ہندوستان کے ایک وفاق کے حق میں تھا اور تمام کوشش اور محنت اسی لئے تھی۔ اسے نہ مسلمانوں سے سرکار تھا اور نہ ہی جناح صاحب کو اتنی اہمیت دیتا تھا۔البتہ اتنی دلچسپی ضرور تھی کہ مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکے تا کہ اسے کانگریس کے مقابلے کے لئے تیار کر سکے اور اس طرح کانگریس پر زور ڈالے کہ وہ انگریز کے ساتھ اشتراک اقتدار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے۔لیکن کانگریس نے ایسا راستہ اختیار کر لیا کہ اس میں نہ صرف ہندوستان میں اپنی حاکمیت چاہتی تھی بلکہ یہ بھی چاہتی تھی کہ انگریز کو اتنا کمزور کرے کہ اس کی اپنی غلامی کی گنجائش بھی نکل آئے۔اس مسئلے کی وجہ سے انگریز اور کانگریس دو مختلف مقامات پر کھڑے ہوئے تھے اور کانگریس اور انگریز دونوں کے لئے یہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ ہندوستان اور برطانیہ دونوں کے لئے زیست اور موت کا سوال بن گیا تھا۔

حکومت ہند کی اس پالیسی کے خلاف کانگریس کے حکم پر احتجاجاً آٹھ صوبوں کی وزارتوں نے استعفے دے دیئے اور اس طرح سے یہ بات نہ صرف ہندوستان کے حکمرانوں بلکہ پوری دنیا پر واضح کر دی کہ

ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں کی وزارتیں کانگریس نے اس لئے چھوڑ دیں کہ انگریز یہ وعدہ نہیں کرتا کہ جنگ کے خاتمے پر وہ ہندوستان کو آزاد کر دے گا۔ اس سے انگریز آگ بگولہ ہو گیا اور اس کے بعد انگریز نے اپنا رویہ بالکل بدل دیا۔ پالیسی بدل گئی۔ آنکھیں بدلیں، زبان بھی بدل گئی۔

دوسری طرف جب یورپ پر جنگ کے گھنے بادل چھا گئے۔ انگریز نے اپنے آپ کو سمیٹنے کی کوشش شروع کی۔ کانگریس سے بدظن تو تھے ہی۔ آنکھیں جناح صاحب پر لگی ہوئی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ جناح صاحب مسلم لیگ کے سربراہ تھے اور مسلم لیگ کی کسی ایک صوبے میں بھی حکومت نہیں تھی۔ صوبہ سرحد میں کانگریس کی حکومت تھی۔ سندھ میں اللہ بخش سومرو کی مخلوط وزارت۔ وہ بھی مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ وائسرائے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات اور بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل حق سے اپنے تعلقات برقرار رکھے ہوئے تھا اور وقتاً فوقتاً ان سے سیاسی صلاح و مشورے بھی کیا کرتا تھا۔ دوسرے جنگ کے آنے والے خطرات کی روشنی میں پنجاب کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی تو وہ سکندر حیات کی بات، جو انہوں نے وائسرائے سے کہی کہ جناح صاحب کو بہت سر مت چڑھاؤ۔ کیونکہ بنگال اور پنجاب تو ویسے بھی آپ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ جناح کو نہیں مانتے، تو

Nothing should be done to inflate him (جناح)

ترجمہ:۔ ''اس کی خوشامد نہیں کرنی چاہئے''۔

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ 31-8-39 کو وائسرائے لکھتا ہے۔

Sikandar's admirable statement on Saturday last seems fairly effectively to have spiked the guns of Jinnah and Muslim League-----its seems to be pretty clear that relations between the Muslim League.and the Punjab, Bengal and other important Muslim centers are be coming difinitely rather strained and that chances of a breakaway are considerable.

ترجمہ:۔ ''گزشتہ ہفتہ سکندر حیات کے قابل ستائش بیان نے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی بندوقوں کا منہ کند کر دیا۔ یوں صاف محسوس ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے پنجاب، بنگال اور دوسرے مسلم مراکز کے ساتھ روابط کشیدہ ہو گئے ہیں اور ان کے مابین تعلقات ٹوٹنے کے امکانات غالب ہیں۔

وائسرائے غصے میں ہے۔ اس لئے تو یہ باقی سب مسلمانوں کے رہنما بھی غصے میں ہیں۔ تو آگے

چل کر وائسرائے لکھتا ہے کہ میں بھی خاموش بیٹھا ہوں۔ اہمیت نہیں دیتا۔

I do not propose to make any move to him. Until there is anout break of war or some other development neccessitating immediate contact with all party leaders.

ترجمہ:۔ ''میں ابھی اس ساتھ کسی تجویز کے سلسلہ میں پیش رفت نہیں چاہتا جب تک کہ جنگ کا آغاز ہو یا کوئی اور ہنگامی صورت پیش آئے جس سے تمام لیڈروں کے ساتھ ملاقات ضروری ہو''۔

یہ 31 اگست کا خط ہے لیکن جب تین چار دن کے بعد اعلان جنگ ہوا تو 39-9-5 کو وائسرائے وزیر ہند کو لکھتا ہے:

I felt it wise to be patient with Jinnah and endeavour to lead him into the direction which we desire. And indeed if I can give any help to these Muslim leaders to get more together than they are at the moment I shall do so.

ترجمہ:۔ ''میں نے مناسب سمجھا کہ مسٹر جناح کے ساتھ صبر سے کام لینا چاہئے اور جس جانب ہم چاہتے ہیں اس طرف اسے موڑنے کی کوشش کرنی چاہئے اور میں اپنے امکان بھر ان مسلمان لیڈروں کو زیادہ سے زیادہ متحد کرنے کی کوشش کروں گا''۔

پانچ دن پہلے وائسرائے اس بات سے خوش تھا کہ سکندر حیات نے جناح صاحب کو آنکھیں دکھائی ہیں اور صرف پنجاب اور بنگال نہیں بلکہ اور بھی اہم مسلم مراکز اس سے ناراض ہوتے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مسلم لیگ سے الگ ہو رہے ہیں لیکن آج یورپ میں اعلان جنگ کے بعد یہ اس بات پر مجبور ہے کہ پوری ریاستی قلابازی لگائے اور اعلان کرتا ہے کہ میری یہ کوشش ہو گی کہ جیسے بھی ہو۔ ان مسلمان لیڈروں کو ایک دوسرے کے قریب کر دوں اور صرف اس لئے کہ انہیں ایسے راستے پر ڈالا جائے جس میں ہمیں فائدہ ہو۔

اس سے بڑھ کر واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انگریز مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو اس لئے یکجا کر رہا ہے اور انہیں ایسے راستے پر ڈال رہا ہے کہ اس سے انگریز کو فائدہ ہو۔ اب دیکھتے ہیں کہ کھلاڑی انگریز کیا کیا کرتب دکھاتا ہے اور اپنا مطلب کس سے اور کیسے نکالتا ہے۔

مسلم لیگ برطانیہ کی کٹھ پتلی

Muslim League Plays into British Hands

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انگریز کسی قیمت بھی اس پر تیار نہیں تھا کہ مرکز میں انتخابات کرائے اور جبکہ یورپ میں جنگ شروع ہوگئی اور ہندوستان نے بھی اعلان جنگ کر دیا تو انگریز کسی صورت بھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر انگریز کو مسلم لیگ کے لیڈر کیا مشورہ دیتے ہیں۔ نواب اسماعیل یو پی کی مسلم لیگ کا صدر تھا۔ اس کے مشورے کے مطابق وائسرائے 7-10-39 کو لکھتا ہے:

The Nawab repeated that it was essential that any declaration should make it clear that a democratic system at the center is not accaptable to the Muslim community and went on the urge that defence was perfectly unadmissible .

ترجمہ:۔ ''نواب نے یہ بات دہرائی کہ اس سلسلہ میں ایک واضح اعلان ضروری ہے کہ مسلم قوم کو مرکز میں ایک جمہوری نظام اور کانگریس کی جانب سے تمام ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ اور ڈیفنس پر پورا کنٹرول قطعی طور پر منظور نہیں''۔

مسلم لیگ کے صدر اعلان کرتے ہیں کہ مرکز میں جمہوری عمل میں مسلمانوں کو قابل قبول نہیں۔ انہیں کانگریس پر اعتراض ہے کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کی طرف سے نمائندگی کا دعویٰ غلط کرتی ہے۔ کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں ہیں۔ وہ تو نمائندہ نہیں اور مسلم لیگ کے پاس ایک صوبہ بھی نہیں۔ وہ نمائندہ ہے۔ وہی مثل کہ ''خود میاں فصیحت اوروں کو نصیحت''

مسلم لیگ کے دوسرے لیڈر سر عبداللہ ہارون وائسرائے کو تار بھیجتے ہیں۔

Sir Abdullah Haroon took the view that democratic development in the West did not suit India----The Muslims have no differences with Great Britian except over ferderation

which should be dropped. they wanted the British to say and they are now growing popular with Muslim Community.

ترجمہ:۔ ''سرعبداللہ ہارون یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی ممالک کی جمہوریت ہندوستان کے لئے مناسب نہیں اور مسلمانوں کا حکومت برطانیہ کے ساتھ ماسوائے وفاق کے نظریہ کے اور کوئی اختلاف نہیں۔اس وفاقی طرز حکومت کے خیال کوترک کر دینا چاہئے اور برطانیہ کو بتانا چاہتے ہیں کہ مسلم قوم میں ان کی مقبولیت بڑھ رہی ہے''۔

نواب اسماعیل خان کووفاق پر یہ اعتراض ہے کہ مسلمان قبول نہیں کررہے۔سرعبداللہ ہارون کی یہ دلیل ہے کہ جمہوریت ہندوستان کے لوگوں کے مزاج کے مطابق نہیں تو وفاق کی کیا ضرورت ہے اور ایک قدم آگے چل کر کہتا ہے کہ مسلمان تو یہ چاہتے ہیں کہ انگریز یہیں رہیں اور نہ ہی جائیں۔

تو اب سب لوگ خود سوچیں کہ جس وائسرائے کو مسلم لیگ کے رہنما اس قسم کے مشورے اور تسلی دیتے ہیں۔یہی کچھ اسے بھلا لگتا ہے اور اس کے مقابلے میں وہ کانگریس کے لیڈروں کے رویے کو دیکھتے ہیں تو کانگریس کے متعلق وائسرائے کے جذبات کیا ہوں گے۔

مسلم لیگ کے لیڈروں کی نفسانفسی کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی ورکنگ کمیٹی نے تجویز پاس کی۔کمیٹی کی صدارت جناح صاحب کررہے تھے:

Muslim League------irrevocabley opposed to any "Federal Objective" which must necessarily result-in a majority community rule under the guise of demo-cracy and parliamentary system of Govt. Such a constitution is totally unsuited to the general of various nationalities and does not contitute a national state.(page 218-Pakistan Movement by G.Allana).

ترجمہ:۔ ''مسلم لیگ نے قطعی طور پر کسی بھی فیڈرل نظام کی مخالفت کی ہے۔کیونکہ اس طرزِ حکومت سے اکثریتی فرقہ کو جمہوریت اور پارلیمانی نظام کے پردے میں فائدہ پہنچے گا۔ ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں بستی ہیں اور ایک واحد قومی ریاست نہیں۔اس کے لئے وفاقی آئین ہرگز مناسب نہیں۔

(تحریک پاکستان۔از جی الانہ۔صفحہ نمبر 218)

یہاں بھی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جمہوریت ہندوستانی قوم کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یہاں مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ پوری ہندوستانی قوم کی طرف سے بات کر رہی ہے اور یہ دوسری دلیل اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے کہ یہاں چونکہ قومیتیں بستی ہیں اور جس ملک میں مختلف قومیتیں آباد ہوں وہاں ایک قومی ریاست نہیں بن سکتی"۔

یہی کمیٹی آگے کہتی ہے۔

The committee further urges upon his Majesty's Govt. ask for an assurance that no declaration regarding the question of constitutional advance for India should be made without the consent and approval of the A.I.M. League nor any constitution be framed and finally adopted by His Majesty's Govt. and the British Parliament with out such concent and approval.(p.219 Pakistan Movement G.Allana)

ترجمہ:۔ کمیٹی نے مزید حکومت برطانیہ پر اس یقین دہانی کے لئے زور دیا کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مشورہ اور تصدیق کے بغیر ہندوستان کے لئے آئینی سوال پر پیش قدمی نہ کرے اور نہ ہی کوئی آئین بنائے اور نہ ہی حکومت برطانیہ اور برطانوی پارلیمنٹ اسے منظوری دے جب تک کہ وہ مسلم لیگ سے مشورہ اور منظوری نہ لے لے"۔

(جی الانہ۔تحریک پاکستان صفحہ نمبر 219)

مسلم لیگ نے اب یہاں تک مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ کی ہی تسلی کرائے کہ مسلم لیگ کی مرضی اور تسلی کے بغیر کسی قسم کا آئین اس ملک کے لئے نہیں بنے گا اور یہی درخواست برطانوی پارلیمنٹ سے بھی کی ہے۔

اور پھر جب وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ مرکز کے لئے انتخابات نہیں ہوں گے تو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

The working committee appreciate the declaration of H.E. The viceroy which is in the intrest of India and particularly the Musalmans that the Federal embodies in the Govt. of India Act 1935, has been suspended. They wish that instead of its

being suspended it had been abondanded completely. P. 127 (G. Allana).

ترجمہ:۔ ''مجلس عاملہ وائسرائے کے اس اعلان کا خیرمقدم کرتی ہے جو ہندوستان اور خصوصیت سے مسلمانوں کے لئے مفید ہے کہ 1935ء کے آئین کو جس میں وفاق کا تصور موجود ہے۔ معطل کردیا گیا ہے۔ یہ توتوقع رکھتے تھے کہ بجائے اسے معطل کرنے کے اسے مکمل طور پر رد کردیا جاتا''۔

(صفحہ نمبر 217۔ جی الانہ)

مطلب یہ کہ مسلم لیگ انگریز سے بھی ایک قدم آگے تھی۔ انگریز یہ کہتا ہے کہ میں ہندوستانی قوم کا یہ حق تسلیم کرتا ہوں کہ انہیں حکومت دے دی جائے لیکن میں مرکز کے انتخابات نہایت مجبوری سے ملتوی کرتا ہوں کیونکہ جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ تو اس سے قوم یہ تاثر لے سکتی تھی کہ جب حالات سازگار ہونگے جنگ ختم ہوگی تو انتخابات ہوں گے اور قوم کو اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکومت کرنے کے اختیارات حاصل ہوجائیں گے۔ لیکن مسلم لیگ اس سے ناخوش تھی کہ وائسرائے نے ملتوی کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ چاہیئے تھا کہ وائسرائے اعلان کرتا کہ ہم نے اس منصوبے کو سرے سے ختم کردیا ہے۔

پشتونوں کی کہاوت کہ سوار سے پیادہ تیز ہے۔ ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتی ہے۔ بدبختی یہ ہے کہ یہ سب مطالبات مسلمانوں کی طرف سے کئے جاتے تھے۔ جن کی آبادی تقریباً دس کروڑ تھی اور کئی صوبوں میں ان کی اکثریت تھی۔ وزارتیں بنی ہیں۔ بمبئی، یوپی اور ایسے صوبوں کے لیڈر جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اس خاطر وہ چاہتے تھے کہ حکومت قوم کی اکثریت کے حوالے نہ کی جائے بلکہ انگریز ہی حکومت کرتا رہے۔ دوسری طرف وہ اس کو بھی نظر انداز کئے ہوئے تھے کہ اس طرح مسلمانوں کے مفادات کو بھی نقصان پہنچے گا۔ ان صوبوں میں وہ اکثریت میں تھے۔ جیسے بنگال، پنجاب، سندھ اور ایک حد تک آسام وغیرہ۔ اور تو چھوڑیں جناح صاحب نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنی تقریر میں کہا:

> We felt we could never accept the dangerous scheme of the Central Federal Govt. embodied in the Govt. of India Act 1935. I am sure that we have made no small contribution to wards pursuading the British Govt. to abandon the scheme of Central Federal Govt. P.230

ترجمہ:۔ ''ہم نے محسوس کیا ہے کہ ہم مرکزی وفاقی حکومت کی خطرناک اسکیم پر جو 1935ء کے ایکٹ کا مدعا ہے۔ کبھی اتفاق نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم نے برطانوی سرکار کو مرکز میں وفاقی حکومت پر مبنی دستور کو نافذ کرنے سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔''

(صفحہ نمبر 230 جی الانہ)

یعنی جناح صاحب بہت فخر سے یہ بات کہتے ہیں بلکہ اسے اپنا کارنامہ تصور کرتے ہیں کہ ہم نے انگریز کو رضامند کر لیا کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کا یہ منصوبہ ترک کر دے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مرکز میں انتخابات نہ کرانے کا فیصلہ انگریز کا تھا، یا مسلم لیگ کا کہ یہ منصوبہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے کہنے سے انگریز نے ختم کر دیا۔ لیکن اس کا فائدہ کس کو پہنچا۔ حکومت کس کی تھی۔ اسے ہوشیاری کہتے ہیں۔ انگریز مطلب اپنا پورا کرتا ہے لیکن بندوق مسلم لیگ کے کندھے پر رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بدبختی کسی قوم کی کیا ہو سکتی ہے جس میں ایک ایسی سیاسی تنظیم موجود ہو جو اپنی غلامی پر فخر کرے اور اسے اپنی کامیابی سمجھے۔ قوم کے انتقال اقتدار کا منصوبہ ناکام بنائے اور حکومت اپنے آقا کے سپرد کرے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حالات اس رخ پہ چل پڑے تھے کہ انگریز اور مسلم لیگ مشترکہ مفادات کے لئے ایک دوسرے سے مکمل تعاون کریں اور اگر ایک طرف انگریز کی پالیسی کو آگے بڑھانے کے لئے مسلم لیگ نے خود پیشکش کی تھی تو دوسری طرف انگریز بھی نچلا نہیں بیٹھا تھا۔ وہ بھی اپنی طرف سے کوشش کر رہا تھا کہ جس قدر بھی ہو سکے تمام مسلمانوں کو مسلم لیگ کی تنظیم میں لے آئے۔

جناح صاحب کے ساتھ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جیسے کہ ایک ملاقات کے متعلق وائسرائے 5-10-39 کو لکھتا ہے:

He (Jinah) thanked me with much graciousness for what I had done to assist him in keeping his party to gether and expressed great gratitude for this.

ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح نے نہایت شائستگی سے میرا شکریہ ادا کیا اور میں نے اس کی پارٹی کو اکٹھا رکھنے کے لئے جو مدد کی ہے اس کے لئے اس نے احسان مندی کا اظہار کیا''۔

پارٹی جناح کی ہے، لیکن ایک ساتھ رکھنے کی ذمہ داری جیسے وائسرائے پر ہو بلکہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہے اور اسی لئے تو جناح صاحب بار بار وائسرائے کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ایک اور مسئلہ جس کا ذکر وائسرائے نے اس خط میں کیا ہے۔ وہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ وائسرائے

کہتا ہے کہ جناح صاحب نے بہت شکایت کی کہ کانگریس کی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ وائسرائے نے کہا کہ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے تحقیق کی ہے۔ وزارتوں نے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو مسلمان احساس کمتری کی وجہ سے محسوس کرر ہے ہیں۔ اس کے جواب میں جناح صاحب وائسرائے کو کہتے ہیں کہ صوبہ سرحد کی حکومت نے حکم دیا ہے کہ ہندی تمام سکولوں میں لازمی مضمون قرار دی جائے گی۔

یعنی کانگریس کی وزارتوں کی اور باتیں تو شاید جھوٹ یا سچ ہوں۔ لیکن ان میں جناح صاحب کو یہ بات سو فیصد سچی معلوم ہو رہی تھی۔ اس لئے وائسرائے کو یہ مثال پیش کی۔ اچھا۔ تو اب اس سفید جھوٹ پر کوئی پردہ تو ڈالنا ہوگا۔

ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ سرحد کی حکومت نے پشتون بچوں کے لئے سکولوں میں پشتو زبان ضروری سمجھتے ہوئے اسے لازمی قرار دیا تھا۔ لگتا ہے جناح صاحب کو پشتو زبان بھی ہندی زبان نظر آ رہی تھی۔ *

*1937ء میں وزارت اعلیٰ کے قیام کے بعد فوری اصلاحات کے تحت صوبہ میں ایف سی آر۔ اعزازی مجسٹریٹ عہدے کا خاتمہ، خواتین وراثت حقوق بل منظوری، ملاکنڈ الیکٹرسٹی پراجیکٹ سکیم، مردان شوگر ملز کے قیام کے ساتھ ساتھ صوبہ میں پشتو کو دفتری، عدالتی اور تعلیمی زبان بھی منظور کروایا جناح صاحب کا مطالبہ اس طرف اشارہ ہے۔

انگریز کی سیاسی قلابازی

اب کھلاڑی انگریز کی چالبازی دیکھیں کہ کیسے ہندوستان کی آزادی کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اور اپنی سامراجی اور نوآبادیاتی پالیسیوں کو پورا کرنے کے لئے کس حد تک جانے کو تیار ہے۔

4-12-39 کو وائسرائے وزیر ہند کو صاف الفاظ میں لکھتا ہے:

I am fully alive, as my Letter to you about Jinnah's questions will have shown, to be objection to allowing the Muslim Minority to turn ifself into a Majority with right of vote and that does seem to appear to be a position that we can accept.

ترجمہ:۔ ''میں پوری طرح باخبر ہوں جیسا کہ میں نے مسٹر جناح کے سوالات کے بارے میں اپنے خط میں لکھا ہے کہ کس طرح مسلم اقلیت کو ویٹو کا حق دے کر اکثریت میں بدلا جاسکتا ہے کہ اور بظاہر جو صورت پیدا ہوگی وہ ہمیں قابل قبول ہوسکتی ہے''۔

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی اس تجویز کے متعلق وائسرائے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتا ہے جو مسلم لیگ نے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں حکومت برطانیہ یہ یقین دہانی دے دے کہ:

No declaration of Constitutional Advance for India should be made without the consent and approval of the All India Muslim League.

ترجمہ:۔ ''ہندوستان کے لئے آئین کے بارے میں کوئی اعلان اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی مرضی اور منظوری شامل نہ ہو''

وائسرائے کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کا مطلب تو صاف الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں کی اقلیت کو ہم اکثریت میں تبدیل کریں، یہاں تک کہ ویٹو کا حق بھی اسی اقلیت کو دے دیں۔ یہاں چونکہ تاج برطانیہ کا تحفظ ضروری ہے۔ اس لئے مہذب اور شائستہ انگریز نہ بنیادی انسانی حقوق نہ جمہوریت اور نہ

ہی انتخابات کی بات پر کان دھرتا ہے بلکہ نہایت بے شرمی سے اعلان کرتا ہے کہ ہم یہ پوزیشن قبول کرتے ہیں۔انگریز کی آنکھیں بدلی نہیں تھیں بالکل بند ہیں۔اپنی پالیسی آگے لے جارہا تھا لیکن خود ایک طرف ہوکر مسلم لیگ کو آگے کرلیا اور اس کے ذریعے اپنی پالیسی چلا رہا تھا۔

اس کے بعد وائسرائے نے وزیر ہند کو اپنے خطوط میں اس طرف اشارہ کیا کہ اگر ہم مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کو شمال مغرب کی طرف جدا کرلیں تو اس طرح سے بہت سہولت ہوگی۔وزیر ہند چونکہ لندن میں آیا ہوا تھا اور بین الاقوامی حالات پر نگاہ تھی۔اس نے وائسرائے کو لکھا۔کہ اگر تم غور کرو تو ہندو صرف ہندوستان کی سرزمین پر بستے ہیں لیکن مسلمان تو یہاں چین کی سرحد سے لے کر مشرق وسطیٰ میں ترکی تک پھیلا ہوا ہے،تو اس سے مسلمانوں کا رخ ایک بار پر جمال الدین افغانی کے پان اسلامزم کی طرف نہ مڑ جائے۔سوال یہ اٹھتا تھا کہ کل کو اگر یہ مسلمان ایک بار پھر اٹھ کر انگریز کے خلاف روس کے ساتھ ساز باز کر لیں تو یہ سلطنت برطانیہ کے لئے خطرناک مسئلہ ہوگا۔*

وزیر ہند پر یہ بات بالکل واضح تھی کہ انگریز نے اب تک پوری دشمنی صرف مسلمانوں ہی سے کی تھی۔ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور ابھی ابھی ترکوں کی خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے۔تو اس کا یہ خدشہ بے جا نہ تھا کہ اگر مسلمان روس کے ساتھ مل کر انگریز کی مخالفت پر تیار ہوجائے تو پھر۔

وائسرائے ہند نے اس غرض سے پورے ہندوستان کے مرکزی انٹیلی جنس یعنی (Central Intellegence) سے پوری رپورٹ مانگی۔ وہی رپورٹ وائسرائے اپنی طرف سے 17-11-39 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے:

میں نے مسلمانوں کے مختلف گروپوں، مسلم لیگ، وہابی، خاکسار، احرار اور باقی ان ماہرین سے جو افغانستان اور قبائلی مسئلوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بڑی تفصیلی گفتگو کی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان اختلاف اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ بات اب تقسیم تک پہنچ جائے گی۔

"This, shortly , a nation of Muslim India must be established".

ترجمہ:۔ ''مختصر یہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی قوم بنائی جائے''

---

* پان اسلامزم انگریز یہودی مدبر سفارتکار ڈرومنڈ وولف کے ذہن رسا کا کارنامہ ہے اس مفکورہ کی بنیاد ایسٹرن کوسچن (Eastern Question) پر ہے جس کا مطلب اسلامی بلاک بنا کر زار روس کی راہ روکنا تھی سید جمال الدین افغان کی وولف سے انگلستان میں ساز باز ثابت ہوچکی ہے۔

یہ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان سے بھی پہلے کی بات ہے۔
باقی رہ جاتی ہے بات روس کی مدد سے انگریزوں کے خلاف محاذ بنانے کی تو۔

Such aid is out of question, as Balshevik aid is accepted. Islamic principles will be submerged and if an opportunity is given to Russian influence te be felt south of the oxus, all Muslim Nations will degenerate to the level of the Soviet Central Asiatic (Muslim) state.

ترجمہ:۔''اس مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اگر ایک دفعہ بالشویک مدد لے لی گئی۔اسلامی اصول اس کے تابع ہو جائیں گے اور اگر اس کرہ کے جنوب میں روس کے اثر کو بڑھنے دیا گیا تو تمام مسلم قومیں روسی وسطی ایشیائی مسلم ریاستوں کی طرح بے اثر ہو جائیں گی اور وہ بھی وہی حشر ہوگا''۔

آگے چل کر بات اور بھی واضح کر دیتے ہیں۔

Muslim will not ask favoure from the Anti God Bolshevik Russia.

ترجمہ:۔''مسلمان خدا دشمن بالشویک روس سے مدد کے لئے نہیں کہیں گے''۔

یہ حال تھا مسلمانوں کا اور Pan Islamic کے مسئلے پر بھی وائسرائے صاف کہتا ہے کہ۔

In the Trukish Treatise are seen the bearring of Bolshavism from the Islamic world and a rapid development of the line-up of Muslim Nations against Soviet expansionist policy.

ترجمہ:۔''ترکی کے معاہدوں میں اسلامی دنیا کی بالشویکی نظام سے دوری نظر آتی ہے اور مسلمان اقوام میں سویت توسیع پسند پالیسی کے خلاف ایک سوچ تیزی سے ابھر رہی ہے''

وائسرائے اپنے منصوبے کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے یہ بات واضح بتا دیتا ہے کہ اس منصوبے کی کامیابی کے ساتھ ترک معاہدے کی طرح روس کے خلاف مسلمان قوتوں کا ایک مکمل مورچہ بن جائے گا اور یہ اسلامی قطعہ روس کی گردن میں طوق بن جائے گا۔انگریز کی یہ کامیابی تھی کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے ساتھی بنالئے کہ وہ انگریز کی دونوں پالیسیوں یعنی داخلی اور خارجی میں حکومت برطانیہ کا ساتھ دینے کو

تیار تھے اور یہی ایک اسلام تھا جسے ہندوستان کے اندر انگریز کے مفادات کے لئے اور اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے کانگریس کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب انگریز کے لئے بھی آسانی پیدا ہوگئی کہ وہ صرف ایک مسلم لیگ کو ہاتھ میں لے لے۔ باقی تمام کام مسلم لیگ اس کے اشاروں پر پورے کرتی رہے۔ صرف روس کا یہ آخری مسئلہ تھا۔ اس انٹیلی جنس کی رپورٹ سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ انگریز کس طریقے سے یہاں اسلام روس کے خلاف استعمال کرے گا۔ یہاں حکومت انگریز کی تھی اور انگریز مسلمان نہیں تھا اور یہاں مسلمان ایک کافر کا غلام تھا۔ اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے انگریز نے دوسرا نسخہ استعمال کیا کہ روس تو Anti God یعنی ملحد ہے۔ خدا کی ذات سے منکر ہے۔ یہ مجرب نسخہ انگریز نے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا جیسے آگے چل کر اور واضح ہو جائے گا۔ *

---

*اس سارے کھیل میں ایک طرف اگر علماء دیوبند آزادی کی جنگ لڑتے رہے تو دوسری طرف کچھ علماء مسلم لیگ کے حق میں درحقیقت انگریز استعمار کو مضبوط کرتے رہے علماء دیوبند میں شبیر احمد عثمانی کا ٹولہ جو دیوبند سے مولانا عبیداللہ سندھی کے اخراج کا سبب اور شیخ الہند ایسے عظیم مبارز کی دل شکنی کا باعث بنا تھا بھی شامل تھا اس ٹولے کو اشرف علی تھانوی جیسے نابغہ عصر کی حمایت بھی حاصل تھی جو ایک طرف خوجہ اسماعیلی جماعت کو خارج از اسلام قرار دے چکے تھے تو دوسری طرف جناح صاحب کو امیر المومنین بنوانے پر تلے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقاریر کا مجموعہ مکالمہ الصدرین سے انکشاف ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی بھی انگلش سرکار سے چھ سو روپیہ مہینہ لیتے تھے اور یوں لیگی حمایت کی گتھی سلجھ جاتی ہے۔

پاکستان کا منصوبہ

وائسرائے نے یہ بات بار بار مسلمانوں کے رہنماؤں یعنی سر سکندر حیات اور مولوی فضل الحق سے کہی کہ مسلمان چیخ رہے ہیں کہ اختیارات کانگریس کو منتقل نہ کئے جائیں، یا مرکز میں انتخابات نہ کرائیں تو یہ ایک منفی یعنی سوچ ہے اور اس میں وائسرائے اور وزیر ہند کو یہ مشکل درپیش ہے کہ وہاں وہ انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں کو اس بات پر مطمئن نہیں کر سکتے کہ کانگریس نے انتخابات جیت لئے ہیں تو کیوں نہ انہیں اختیار دے دیا جائے تو وائسرائے نے یہ بات کئی بار مسلمانوں کو بتائی کہ تمہیں چاہئے کہ کوئی مثبت اور تعمیری تجویز پیش کرو کیونکہ جمہوریت کا راستہ روکنے کے لئے اقلیت کو یہ اختیار دے دیں کہ وہ اکثریت کا راستہ روکے اور آئینی، قانونی اور جمہوری مطالبات کو مسترد کرے۔ اس بات کو مہذب دنیا کسی صورت قبول نہیں کرتی اور یہی بات سر سکندر حیات خان سے بھی کی ہے تو اس کے متعلق وائسرائے وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں تمہاری اس بات کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں پیش کرلوں گا۔

He (Sikandr Hayat) thoroughly understands the necessity and importance of getting on to a Constructive line and having a scheme of his own on which to stand before attempting any propaganda in England--- He would let me know confidentially how matters went in the meeting of the Muslim League Working Committee on 3rd Feb.

ترجمہ:۔''وہ (سکندر حیات) برطانیہ میں کسی قسم کی بھی تشہیر کے لئے جو تعمیری تجاویز ہیں اور ان کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ ان کے بارے میں تفصیلاً جانتا ہے اور اس کی ضرورت واہمیت سے بھی واقف ہے۔ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے 3 فروری کے اجلاس کی کارروائی سے بھی مجھے رازداری کے ساتھ آگاہ کرے گا۔''

سکندر حیات وائسرائے کو تسلی دیتا ہے کہ مسلم لیگ جب اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرے تو میں تمہیں

Confidentially (خفیہ طور پر) بتادوں گا۔

چنانچہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس کے بعد سکندر مرزا اور مولوی فضل حق دونوں اکٹھے وائسرائے سے ملنے گئے تھے۔ کہتا ہے سکندر نے مجھے بتایا:

That I should be intersted to learn that the W.C. of the M.L. has instructed a sub committee to draft constructive programme . I said I was delighted to hear it and that I should await its terms with the greatest interest.

ترجمہ:۔ ''اب مجھے یہ جاننے میں دلچسپی ہے کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ایک سب کمیٹی بنائی ہے جو ایک تعمیری پروگرام مرتب کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی اور اس کی تمام شرائط وغیرہ جاننے کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔''

اس نے خوشخبری سنائی کہ تمہاری تجویز کے مطابق مسلم لیگ نے ایک سب کمیٹی بنائی ہے کہ ایک تعمیری منصوبہ بنائے۔ وائسرائے کہتا ہے کہ میں Intrested ہوں۔ مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ اپنی دلچسپی یہاں ہی ختم نہیں کی بلکہ کہا، میں اس رپورٹ کے انتظار میں بھی ہوں۔

مسلم لیگ کی اس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد 6-2-40 کو جناح صاحب خود وائسرائے سے ملنے گئے۔ وائسرائے لکھتا ہے:

After the usual compliments he (Jinnah) opened the proceedings by asking me what were we to do assuming the we meant Muslim Leagus.

ترجمہ:۔ ''روایتی تکلفات کے بعد مسٹر جناح نے کمیٹی کی تمام کارروائی کے متعلق بتایا اور مجھ سے پوچھا کہ اگر ایسی صورت مسلم لیگ میں ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہئے''۔

یہ ایک طویل ملاقات ہے۔ وائسرائے اور جناح صاحب کے درمیان بہت سی مطلب کی باتیں ہوئیں۔ کیونکہ وائسرائے کہتا ہے کہ جناح صاحب نے خود مجھ سے سوال کیا کہ اب ہم (مسلم لیگ) کیا کریں۔ اس کا مطلب اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسلم لیگ کا صدر خود آتا ہے اور وائسرائے سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ وائسرائے نے یہ بات پھر دہرائی اور کہتا ہے کہ میں تو اس بات کے تکرار سے تنگ آچکا ہوں:

At the risk of weraing him I was bound to repeat that it was

quite useless to appeal for support in Great Britain for a party who'se policy was one of sheer negation.

ترجمہ:۔ ''کسی قسم کی بات طے کرنے کے خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اپنی مجبوری ایک بار پھر دہرائی کہ ایک ایسی پارٹی کے لئے جس کی پالیسی صرف منفی ہو۔ میں حکومت برطانیہ سے تعاون کے لئے نہیں کہہ سکتا''۔

یہ ایک بہت ہی عجیب ملاقات ہے۔ وائسرائے جمہوریت اور منتخب وزارتوں کی بات کرتا ہے اور جناح صاحب کہتے ہی کہ کانگریس کو صاف صاف جواب دے دو۔ لارڈ ولنگڈن کی طرح۔ وائسرائے کہتا ہے کہ یہ لارڈ ولنگڈن کا زمانہ نہیں۔ آج کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں ہیں۔ کل کو اگر چاہیں تو یہی وزارتیں واپس لے سکتے ہیں۔ لیکن جناح صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ جب تک تم کانگریس کو دوٹوک جواب نہ دو۔ اور بات ختم نہ کردو۔ ہم تم پہ اعتبار نہیں کر سکتے۔ کانگریس کی اور وزارتوں کی بات ہوئی۔ ایک وزارت میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اور وہ تھی صوبہ سرحد کی وزارت۔ ایک گزشتہ ملاقات میں وائسرائے نے جناح صاحب کو کہا تھا کہ اگر تم کوشش کرو تو صوبہ سرحد میں وزارت نہیں بن پائے گی۔ جناح صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں سے ملاقات کرلوں گا تو پھر بتادوں گا۔ پھر اس بات کے متعلق کہتا ہے کہ میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرلیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم خود سے وزارت بنانے کے قابل نہیں لیکن اگر گورنر سر جارج کننگھم ان کی مدد کرے تو پھر کام بن سکتا ہے اور پھر جناح صاحب نے اس وزارت کے بنانے کی خوبیاں اور فوائد بیان کئے کہ سب وائسرائے ضرور کننگھم کو بتادے:

Mr. Jinnah added that he was most anxious if possible to put this through, as he was convinced that there could be no more salutory Lesson for Congrees and no better advertisement of the real position in India, whether before the country or through out the world that a non-Congress ministry should be established in the N.W.F.P. He was therefore most anxious to bring this matter to successful issue.

ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح نے مزید کہا کہ اگر ممکن ہے تو وہ یہ بات آگے بڑھانے کے لئے بہت بے چین ہیں کیونکہ سرحد میں غیر کانگریسی وزارت کے قیام سے زیادہ کانگریس کے لئے اور کوئی بات غیر سود مند اور نقصان دہ نہیں ہوسکتی اور خود ملک میں بھی اور باہر بھی ہندوستان کی

حقیقی صورت حال کی تشہیر کے لئے اس سے بہتر اور کوئی موضوع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس کی زبردست خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔"

حقیقت بھی یہی تھی کہ مسلم لیگ اور انگریز کی مشترکہ پالیسی اور منصوبے میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی صوبہ سرحد تھا۔ کیونکہ اس صوبے میں ہندوستان کے سب صوبوں سے مسلمانوں کا تناسب زیادہ تھا اور یہی صوبہ روس کی طرف سرحد پر بھی واقع تھا۔ وہاں جب مسلم لیگ کی بجائے خدائی خدمتگاروں کی وزارت ہوگی تو یہ بات نہ انگریز کی داخلی پالیسی میں اور نہ ہی خارجی پالیسی میں ٹھیک بیٹھتی تھی۔ مطلب یہ کہ نہ کانگریس کے خلاف اور نہ ہی انگریز کی حکومت برقرار رکھنے کے لئے یہ حکومت استعمال کی جاسکتی تھی۔ جناح صاحب کا اشارہ اس طرف تھا۔ اس صوبے میں ایک غیر کانگریسی حکومت قائم کرنا اس لئے ضروری تھا کہ ملک کے اندر اور بیرونی دنیا پر اس کا اچھا اثر پڑتا۔ تو اس لئے کننگھم کو چاہئے کہ وہ اس صوبے میں مسلم لیگ کی وزارت قائم کرے۔ حالانکہ حالت یہ تھی کہ اس صوبے میں گزشتہ انتخابات میں مسلم لیگ کے نام سے کسی نے انتخابات ہی نہیں لڑا تھا۔ اس لئے اسمبلی میں مسلم لیگ کا ایک ممبر بھی نہیں تھا۔ وائسرائے نے تسلی دی ہے کہ:

I would communicate his (Jinah) views to the Governor. He and his friend would in due course and by one means or other, be put in possession of the governor's view.

ترجمہ: "میں مسٹر جناح کی تجاویز گورنر تک پہنچادوں گا جناح اور اس کے رفقاء مناسب وقت پر کسی نہ کسی صورت گورنر کے خیالات سے آگاہ کردیئے جائیں گے"۔

اس سے صرف ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم لیگ اور انگریز بالکل ایک ہی مقام پر کھڑے تھے اور جس طرح جناح صاحب نے بڑی بے باکی سے یہ سوال کیا تھا کہ اب ہم کیا کریں گے، اسی طرح بے باکی سے وائسرائے نے بھی دلجمعی سے باتیں کیں۔

لیکن جناح صاحب کو بھی یہ معلوم تھا کہ انگریز کے اپنے مفادات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنا گروہ مضبوط کرے اور تو چھوڑیں اس نے وائسرائے کو یہ بھی تجویز پیش کی کہ وہ سندھ میں اللہ بخش سومرو* کی وزارت توڑ دے۔ جناح صاحب وائسرائے کی جمہوریت والی بات کے جواب میں کہتا ہے:

*اللہ بخش سومرو کو بعد میں ایک سازش کے ذریعے سیاسی حریف ایوب کھوڑو سے انگریز استعمار نے قتل کروایا کیونکہ وہ ایک قوم دوست سیاستدان تھے: اللہ بخش سومرو پاکستان موجودہ ساخت کے بجائے سندھ، بلوچستان، پختونخواہ اور کشمیر پر مشتمل ملک بنانے کے حامی تھے۔ انگریز پنجاب کے بغیر پاکستان نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ اسے عسکری نفری یہاں سے ملتی تھی۔

But the Cheif Minister had made speeches recently copioes of which he would send me, which made the position in Sind impossible if the Chief Minister remained in power. I said I would see the text of the item.

ترجمہ:۔ لیکن وزیراعلیٰ نے حال ہی میں جو تقاریر کی ہیں جس کی کاپی وہ مجھے بھیجے گا کے باعث اگر وزیراعلیٰ برسراقتدار رہا تو سندھ میں صورت حال ناممکن ہو جاتی ہے میں نے کہا کہ ان کے متن دیکھوں گا۔''

انگریز کی یہ کوشش تھی کہ وہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو یہ سمجھا سکیں کہ وہ انگریز سے اگر کسی بھی بھلائی کی امید کریں تو انہیں چاہئے کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ وائسرائے نے نہ اس بات میں کبھی عار محسوس کی اور نہ ہی سستی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ یہاں تک تو آن پہنچا اور حالات کو بھی یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ وزیر ہند کو 21-2-40 کو لکھتا ہے کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں اگر کانگریس ہمارے مقابلے میں آتی ہے تو:

All I can say is that if Congress are set or, having a fight here, they are going to have a fight not only with us, but with the Muslim (I am glad that Jinnah has made the statement).

ترجمہ:۔ ''مختصر یہ کہ اگر کانگریس یہاں مقابلہ کرتی ہے تو وہ نہ صرف ہم سے لڑے گی بلکہ مسلمانوں سے بھی لڑنا ہوگا۔ (میں خوش ہوں کہ مسٹر جناح نے اس بارے میں بیان دے دیا ہے)۔

انگریز کہتا ہے کہ اگر کانگریس مقابلے کو نکلے تو میں اکیلا نہیں ہوں۔ ''محبوبہ'' بھی ساتھ ہے۔ وائسرائے کہتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنا سمجھوتہ مضبوط کر لیا ہے اور اس مرتبہ کانگریس کی لڑائی صرف انگریز سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے بھی ہوگی۔ میں حالات یہاں تک سازگار بنا چکا ہوں اور آپ کو کیا چاہئے۔

اس وقت مسلم لیگ کی حیثیت ریت کی بوری کی تھی جو انگریزوں نے اپنے سامنے رکھ کر مورچہ بنا دیا تھا کہ اگر کانگریس کی طرف سے وار ہوگا تو وہ اس پر پڑے گا۔ اگر بوری چھلنی ہو جائے تو اس سے انگریز کا کیا بگڑتا ہے اس کا مطلب تو صرف کانگریس کے وار سے اپنا بچاؤ تھا۔ اگر مسلمان اس بات پر رضامند تھا کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق صرف اپنے گلے ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے گلے میں ڈالے تو اس سے بڑھ کر نیکی وہ انگریزوں کے ساتھ اور کیا سکتا تھا۔

پاکستان کی مختلف تاویلیں

چونکہ انگریز نے عموماً اور وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے خصوصاً مسلم لیگ کے رہنماؤں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ برطانیہ کے حکمرانوں کو منفی سیاست سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں چاہئے کہ کوئی مثبت اور تعمیری منصوبہ پیش کریں اور ایسا ہی مطالبہ سر سکندر حیات کی معرفت مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو بھی پیش کیا تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی طرف سے مختلف طریقوں سے ایسا ہی منصوبہ بنانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ وزیر ہند کو وائسرائے نے لکھ دیا تھا کہ چودھری خلیق الزمان نے بمبئی کے گورنر Lunwely (لملی) کو کہا تھا کہ حکومت کو چاہئے، ہندوستان کو تین ڈومینین میں تقسیم کرے۔ یوں لگتا ہے کہ چودھری صاحب ہندو اور مسلم کے علاوہ والیان ریاست کی بھی ایک ڈومینین قائم کرنا چاہتا تھا۔

دوسری طرف سرحد کے گورنر سر جارج کننگھم نے وائسرائے کو لکھا ہے کہ جب سردار اورنگ زیب مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس سے آیا، تو اس نے کہا کہ:

> The scheme which they (Muslin League) were now contemplating would involve the creation of six or seven Indian dominions---- and that this Novel scheme now holds the field in perfernace to the original Pakistan proposal.

ترجمہ:۔ ''مسلم لیگ ہندوستان میں چھ یا سات خود مختار ریاستیں بنانے کی اسکیم پر غور کر رہی ہے اور اس انوکھی اسکیم کے پردے میں ہی اصل پاکستان کی تجویز پنہاں ہے''

اس سے بہت پہلے وزیر ہند لارڈ زایٹ لینڈ سر فیروز خان نون سے اپنی ایک ملاقات کا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے اس سے تفصیلی باتیں کیں۔ اس نے کہا کہ ہندوستان کا شمال مغربی حصہ برما کی طرح ہندوستان سے الگ کر کے پاکستان کے نام پر ایک الگ مملکت بنا دیں۔ وزیر ہند کہتا ہے کہ:

I told him that I saw almost insuperable difficulties in the way

of our acceptance of such a policy.

ترجمہ:۔ ’’میں نے کہا کہ ایسی پالیسی کو تسلیم کرنے کے معاملہ میں ہماری بے پناہ مشکلات ہیں‘‘۔

فیروز خان نے جواب میں کہا۔اچھا کیا کہ مجھے بتادیا۔

and he said, is that was so he would not himself encourage it when he retruned to Indian.

ترجمہ:۔ ’’اور اس نے کہا کہ اگر ایسا معاملہ ہے تو ہندوستان واپس جا کر اس پر زور نہیں دے گا‘‘۔

(یہ خط 13-12-38 کا ہے)

یہ تو مختلف منصوبے تھے۔کیمبرج کے ایک طالب علم چودھری رحمت علی کا پاکستان کا اپنا نظریہ تھا۔ سر محمد اقبال نے اپنی تجویز پیش کی۔اب دیکھتے ہیں کہ بڑا استاد انگریز خود کیا کہتا ہے۔ *

---

*درحقیقت پاکستان چوہدری محمد علی کی اپنی اختراع تھی چوہدری صاحب اپنی کتاب Pakistan the Father Land of the Pakistan (مترجم اقبال الدین احمد) میں لکھتے ہیں کہ سر شیخ محمد اقبال کا خطبہ الٰہ آباد ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی علیحدہ ریاست کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ ہندوستان کے اندر مسلم یونٹ کا مطالبہ تھا اور پاکستان کا مطالبہ انہوں نے سب سے پہلے نو آر یبور کے ذریعے کیا تھا جن پر تین طالب علموں اسلم خٹک (آکسفورڈ) صاحبزادہ صادق (لاء طالب علم) عنایت اللہ خان (وٹرنری طالب علم) نے دستخط کئے تھے۔سر شیخ محمد اقبال نے ایڈورڈ تھامسن کو خط لکھتے ہوئے اس اسکیم سے برأت کا اظہار کیا تھا یہ خط ان کے صاحبزادے جسٹس جاوید اقبال نے زندہ دور میں نقل کیا ہے جس کی رو سے سر اقبال کہتے ہے پاکستان میری سکیم نہیں میری سکیم ایک مسلم صوبے کے قیام کی تھی جو کہ انڈین فیڈریشن کا حصہ ہوگا جبکہ پاکستان سکیم علیحدہ ڈومنین کی صورت میں گریٹ برٹین کا حصہ ہوگا۔چوہدری رحمت علی نے پاکستان کی طرح بنگا سامستان اور عثمانستان کی ریاستوں کا تصور بھی پیش کیا تھا۔کیبنٹ مشن قبول کرنے کے بعد چوہدری رحمت علی نے مسلم لیگ اور جناح صاحب کے خلاف The Greatest Betrayal (عظیم ترین غداری) نامی کتاب لکھی۔جس میں جناح صاحب کو کوئز لنگ اعظم کا خطاب دیا وڈکم کوئز لنگ ناروے کا غدار سیاست دان تھا جو تاریخ میں بہت بدنام ہے چونکہ پاکستان میں تاریخ سرکاری طور پر مسخ کی جاتی ہے لہٰذا پروفیسر فتح محمد اٹک جیسے معروف لکھاری بھی اب 31 اگست 2005ء کو نوائے وقت میں Now or Never کو سر محمد اقبال سے منسوب کرتے ہیں۔اس حوالے سے نئی تحقیق یہ ہے کہ چوہدری رحمت علی ڈیرہ غازی خان میں مزاری قبیلے کے اتالیق تھے وہاں انہوں نے سردار اسلم خان ملغانی بلوچ سے پاکستان کا لفظ اور تجویز سنی تھی۔

انگریز کا پاکستان

یہ تو بیچارے مسلمانوں کی اپنی تجویزیں تھیں۔اختیار تو انگریز کا تھا۔مسلمانوں کے رہنماؤں کا تو یہ حال تھا کہ جیسے فیروز خان نون کو انگریز کی رائے کا علم ہوا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم نہیں مانتے۔ (1938ء میں) تو فیروز خان نون نے فوراً کہا کہ اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا کہ پھر اس قسم کی کوئی بات منہ سے نہ نکالوں۔تو دیکھنا یہ ہے کہ انگریز کس چیز کے لئے تیار تھا اور کس منصوبے سے ان کے مقاصد پورے ہوتے تھے۔آخر جب سکندر حیات خان اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے بات نہ بنی تو انگریز نے مسلمانوں کے تمام منصوبے نامنظور کر دیئے اور وائسرائے کے Vicroy Executive Council کے ایک ممبر چودھری ظفر اللہ* کو کہا گیا کہ تم دوڈومینین کا ایک نقشہ پیش کرو۔اس کے متعلق وائسرائے لنلتھگو 12-3-40 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے۔

کہ میرے کہنے پر ظفر اللہ نے دوڈومینین اسٹیٹس کے متعلق ایک یادداشت لکھی تھی۔جو میں پہلے بھیج چکا ہوں۔کہتا ہے، میں نے کچھ اور وضاحتیں طلب کی ہیں۔وہ کہتا ہے کہ تفصیلات میں بعد میں پیش کروں گا۔لیکن اس کی (ظفر اللہ) یہ خواہش ہے کہ یہ بات کبھی بھی ظاہر نہ ہونے پائے کہ یہ خاکہ اس نے پیش کیا ہے۔اس نے البتہ مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ میں جیسے چاہوں اس دستاویز کو استعمال کروں۔

I may do what I like with it including sending a copy to you; thirdly that cpoies been passed to Jinnah and I think to Hydri (Sir Akbar Hydre Prime Minister of Nimaz Hyderabed) and fourthly that which, he, 9 (Sir Mohmmad Zafrullah)

*جب سر فضل حسین پنجاب کے وزیراعلیٰ بنے تو انہوں نے اپنی جگہ وائس رائے ایگزیکٹو کونسل کے لئے چودھری ظفر اللہ خان کو نامزد کر دیا تھا اس سیٹ کے لئے سر شیخ محمد اقبال بھی توقع باندھے ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ سخت بدظن ہوئے اور اس زمانے میں چودھری صاحب کے مسلک قادیانیت کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا چودھری ظفر اللہ عرصہ دراز تک اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے بعد میں ان خدمات کے عوض پہلے پاکستانی وزیر خارجہ بھی بنے۔

Zaffrullah, cannot of course admit its authorship, his document has been prepared for adoption by the Muslim League, with a view to being given the fullest publicity.

ترجمہ:۔ ''میں اس سلسلہ میں جس طرح چاہے کرسکتا ہوں۔ایک کاپی آپ کو بھیجنے کے علاوہ تین کاپیاں ایک مسٹر جناح اور ایک سر اکبر حیدری وزیر اعظم نظام حیدر آباد کے پاس جائیں گی اور چوتھے ظفر اللہ خان جو یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اس کا نام ظاہر کیا جائے کہ مسودہ اس نے تیار کیا ہے۔اس کی یہ دستاویز مسلم لیگ کے اپنانے کے لئے تیار کی گئی تا کہ اس کی بھرپور تشہیر کی جائے۔

وائسرائے وضاحت کرتا ہے کہ مسودہ تو میرے کہنے پر تیار ہوا ہے۔لیکن ظفر اللہ چونکہ مسلک کا قادیانی ہے۔اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ منصوبہ ایک قادیانی کا بنایا ہوا ہے تو پھر وہ شک میں پڑیں گے۔وائسرائے کس تسلی سے کھل کر کہتا ہے کہ اس کی ایک کاپی جناح صاحب کو دی گئی ہے تا کہ مسلم لیگ یہ منصوبہ اپنائے اور اس کی تشہیر کرے۔یعنی کہ یہ جناح صاحب کی پالیسی اور مسلم لیگ کی سیاست بن جائے۔سر اکبر حیدری کو ایک کاپی اس غرض سے دی گئی ہے کہ اس کے لئے مالی امداد کی ذمہ داری ان کی تھی۔ان تاریخوں کو ذرا غور سے دیکھیں۔یہ خط وائسرائے نے 12-03-40 کو لکھا ہے۔ منصوبہ تو پہلے ہی بھیجا جا چکا ہے اور مسلم لیگ نے یہی منصوبہ لاہور میں قرارداد پاکستان کے نام سے اپنے سالانہ اجلاس میں منظور کر لیا اور تشہیر کی (مارچ میں سر ظفر اللہ کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کی معیاد ختم ہو رہی تھی۔اسے ان خدمات کے صلے میں توسیع دی گئی)۔*

مسلم لیگ کی اس تجویز کے پاس ہونے کے دو دن بعد وائسرائے 25-3-40 کو لکھتا ہے:

---

*چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان نے وائس رائے سے یہ بات خفیہ رکھنے کی درخواست کی تھی لہٰذا تادم آخر بلکہ خفیہ دستاویزات کے منکشف ہونے تک کسی کو معلوم نہ ہوا کہ قرارداد لاہور ظفر اللہ خان نے لکھی ہے یہی وجہ ہے چوہدری خلیق الزمان جنھوں نے قرارداد لاہور کی منٹو پارک میں تائید کی تھی وہ بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب ''پاتھ وے ٹو پاکستان'' صفحہ 297 پر لکھتے ہیں، میں نے بڑی کوشش کی کہ پتہ لگا سکوں کہ اس تجویز کا مسودہ کس کا ہے مگر آج تک اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکا۔عبدالرحمٰن صدیقی نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے سر سکندر حیات سے پوچھا تھا کہ کہ ڈرافٹ کس کا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ تم اپنے صدر اور سیکرٹری سے پوچھو۔بہر حال یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈرافٹ کسی ہندوستانی یا مسلم کا نہیں کیونکہ مسلم لیگ کے ریزرلویشن تو میں، رحمٰن اور نواب اسماعیل خان تیار کرتے تھے اور مسلم لیگ میں اس وقت ہم سے بڑھ کر کوئی ڈرافٹ تیار کرنے والے نظر نہیں آتے تھے۔

As Congress are putting forward a perposterous claim (of being representative of the majority) which they know is incapable of acceptance he (Jinah) equally will but farword just as extreme a claim, of the impracticability of realising which he is probably just as well aware but the existance of which will (1) while reaffirming the Muslim attitude of hostility to Congress claim, (2) take away some ,at any rate of the damagings charges which has hitherto to been levelled against them (Muslim League) that they have no constructive ideas of their own.

ترجمہ:۔ جیسا کہ کانگریس اکثریت کی نمائندہ ہونے کا مہمل دعویٰ کر رہی ہے جبکہ وہ جانتی ہے کہ مسٹر جناح کو یہ نا قابل قبول ہے اور وہ اس کے مقابلے میں ایسا ہی انتہا پسندانہ دعویٰ کرے گا جس کے حصول کے نا قابل عمل ہونے کا انہیں بھی اتنا ہی علم ہو گا مگر جس کے ذریعے وہ کانگریس کے دعوے کی مسلمانوں کی جانب سے مخالفت کا اعادہ کرنے کے ساتھ ساتھ کس حد تک ان پر عاید ہونے والے الزام سے بھی بچ سکیں گے کہ ان کے پاس اپنے کوئی تخلیقی خیالات نہیں ہیں''۔

وائسرائے بیچارہ تو چیختا رہا کہ کوئی منصوبہ پیش کرو۔ لیکن جب دلالوں سے پورا نہ ہو سکا تو مجبوراً اپنا منصوبہ پیش کرا لیا۔ یہاں بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں سے سروکار نہیں۔ کامیابی اور کامیاب کرانے کی گنجائش نہیں۔ کہتا ہے کہ جناح صاحب کو معلوم ہے کہ یہ کام ہونے کا نہیں۔ لیکن انگریز تو اپنا مطلب نکال رہا تھا۔ ایک تو کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کو نکالا۔ دوسری طرف مثبت اور تعمیری تجویز جب دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انگریز اس کٹھ پتلی کے کھیل سے کتنا خوش ہوتا ہو گا۔*

* چوہدری خلیق الزمان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب فضل الحق نے قرارداد لاہور پیش کی تو مسٹر جناح نے مجھے اس کی تائید کرنے کو کہا میں نے نہ چاہتے ہوئے اس کی تائید کی یوں لگتا ہے جیسے انہیں احساس تھا کہ وہ کسی غیر فطری و غیر منطقی عمل کے مرتکب ہو رہے ہیں اس لئے پاتھ وے ٹو پاکستان صفحہ 792 پر لکھتا ہے کہ آج جب غور کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہم چلے تھے کل پنجاب کا دعویٰ کرنے اور ہم نے اپنی عرضی دعویٰ میں ہی اپنے پچاس فیصد دعویٰ کو قلم زد کر دیا میری وہ رات بڑی بے چینی سے گزری جس رات قرارداد کی تائید کی مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اگر اس وقت میں کوئی صورت اختلاف کی کرتا ہوں تو مجھے کامیابی ہو یا نا کامی بہر نوع مسلم لیگ کا نظام یقیناً درہم برہم ہو جائے گا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ کا سنجیدہ طبقہ اس قرارداد کے نتیجہ میں آگاہ تھا لیکن بہر حال یہ قرارداد وائس رائے کی طرف سے آئی تھی لہٰذا اس کا منظور کرانا گویا امر الٰہی کے مترادف ہو چکا تھا۔

مسلم لیگ انگریز کی پارٹی

جب مسلم لیگ نے وائسرائے کی طرف سے سر ظفر اللہ کے منصوبے کو لاہور میں قبول کر لیا* تو اب انگریز بالکل مطمئن ہو گیا کہ مسلم لیگ پر تکیہ کر سکتا ہے کہ انگریز کی پالیسی کو سو فیصد چلائے گی۔ اور کانگریس کے مقابلے کے لئے خود بخود تیار ہو گی۔ اب انگریز کے لئے یہ فیصلہ لازمی اور فطری تھا کہ اب وہ سوائے مسلم لیگ کے کسی اور کی کسی قسم کی حیثیت بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

انہیں دنوں میں قوم پرست مسلمانوں کا ایک بہت بڑا نمائندہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ جس کی صدارت سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو نے کی۔ وزیر ہند لارڈ زٹینڈ نے اس اہم کنونشن کے متعلق وائسرائے سے پوچھا۔ وائسرائے (14-5-40) کو یوں لکھتا ہے:

> I attach no particular importance to the Delhi conferene of the Muslim which took place a few days ago. It has been well organised and the Congress press machine has written it up admirably---we both are, of course, aware that there is no important Muslim clement outside the Muslim League---Indeed I am sure that Jinnah remained the man to deal with on Muslim side.

ترجمہ:۔ چند دن قبل دہلی میں مسلمانوں کی جو کانفرنس ہوئی میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔

---

*معروف لکھاری پرویز پروازی کی کتاب Sir Zafar ullah-contribution of the freedom Movement میں سر ظفر اللہ خان نے خود اعتراف کیا ہے کہ وائس رائے کی ایما پر انہوں نے قرارداد پاکستان کا ڈرافٹ تیار کیا تھا لیکن انہوں نے اپنا نام خفیہ رکھا۔ جبکہ اس سلسلے میں ان کی آخری دنوں میں جنرل ضیاء کی آمریت میں لیا گیا زبردستی کا ایک بیان بار بار اچھالا جاتا ہے جس میں اس بات کی تردید کوشش کروائی گئی ہے تاریخ مسخ کرنے کی یہ انتہائی گھناؤنی حرکت ہے۔

یہ کافی منظم تھی اور کانگریس پریس نے اسے کافی اچھالا تھا اور بے حد تعریف کی تھی۔ہم دونوں سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ سے باہر مسلمانوں کا کوئی خاص دھڑا موجود نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح ہی ایسا آدمی ہے جس سے مسلمانوں کے بارے میں طے کیا جاسکتا ہے۔''

کانگریس کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کو انگریز کسی گنتی میں نہیں ڈالتے۔جو اپنے ملک کی آزادی کے لئے کوششیں کرتے رہے اور قوم کو انگریز کی غلامی سے نکالنے کے لئے کانگریس سے مل کر جدوجہد کر رہے تھے بلکہ انگریز تو انہیں مسلمان ماننے سے بھی انکاری تھا۔ جو مسلم لیگ سے باہر رہ کر اپنی تنظیم بناتے رہے۔ بلکہ یہ ہزار سے زیادہ نمائندے جو ایک منتخب وزیراعلیٰ کی سرکردگی میں جمع ہوئے تھے۔انہیں تو انگریز تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا اور وزیر ہند کو کھل کر لکھتا ہے۔ یہ ہمارا آدمی جناح ہے اور اسے تمام مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔

خاکسار سے بھی عجیب پوزیشن خاکساروں کی تھی۔باقی مسلمانوں پر تو اعتراض تھا کہ وہ انگریزوں کا ساتھ نہیں دے رہے بلکہ خاکسار نے تو امداد کی پیشکش بھی کی تھی۔

جیسے وائسرائے 24-5-40 کو لکھتا ہے:

Meanwhile the Khaksars have formally renewed their offer to me of 50,000 men to help in War

ترجمہ:۔''اس دوران خاکساروں نے جنگ میں پچاس ہزار آدمیوں کی پیشکش کو میرے لئے دوبارہ دہرایا ہے''۔

ان بیچاروں نے تو انگریز کے ساتھ جرمن کے خلاف جنگ لڑنے کی بھی پیشکش کر دی تھی۔لیکن انگریز کہتا ہے کہ جناح کا بیان واضح ہے:

Formal statment by Jinnah that he accepts no reponsibility for Khaksars or their activities that they have declined to accept his advice.

ترجمہ:۔''لیکن اس معاملے میں مسٹر جناح نے اپنے روایتی بیان میں خاکساروں سے متعلق ان کی کسی سرگرمی کے بارے میں ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تجویز پر غور کرنے سے انکار کر دیا ہے''۔

وائسرائے اپنے ذہن اور پالیسی میں بالکل واضح ہے کہ خاکسار چونکہ جناح صاحب کی ہدایت

نہیں مانتے اس لئے وائسرائے کہتا ہے:

That considering to present Attitude of the Khaksars in the Punjab would not be advisable for me to enter into any correspondent with them or their leaders, and I propose accordingly to leave the Telegram unanswered.

ترجمہ:۔''پنجاب میں خاکساروں کے رویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے لئے ان سے اور ان کے رہنماؤں سے مزید رابطہ رکھنا مناسب نہیں اور میری تجویز ہے کہ ان کی پیشکش کے تار کا کوئی جواب ہی نہ دیا جائے''۔

انگریز تو کھل کر یہ کوشش کر رہا تھا کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان پر یہ بات واضح کر دے کہ انگریز سوائے جناح صاحب اور مسلم لیگ کے اور کسی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ انگریز اسے تسلیم کرلے تو مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ کانگریس کے خلاف تو انگریز کو ایک مضبوط بہانہ ہاتھ لگا تھا کہ انہوں نے چونکہ ہمارے ساتھ جنگ میں مدد نہیں کی۔ اس لئے ہم ان سے تعاون نہیں کرتے۔ لیکن خاکساروں نے تو پچاس ہزار رضا کاروں کی خدمات پیش کر دی تھیں۔ لیکن خاکسار چونکہ جناح صاحب کی بات نہیں مانتے۔ اس لئے وائسرائے ہند اتنی اخلاقی گراوٹ اپنا چکا تھا کہ ان کے تار کا جواب بھی عمداً اور قصداً نہیں دیا۔

لارڈ زٹینڈ کی معیاد پوری ہوگئی۔ اس نے اپنا آخری الوداعی خط 14-5-40 کو لکھا۔

I.S. Amery (آئی۔ ایس۔ ایمرے) نئے وزیر ہند مقرر ہوئے۔ اس نے اپنا پہلا خط 16-5-40 کو لکھا ہے۔

صوبائی وزارتیں اور جناح صاحب

جب ہندوستان کے آٹھ صوبوں سے کانگریس نے وزارتوں سے استعفے دے دیئے تو صوبوں میں دفعہ 93 کے تحت گورنر کی ذاتی حکومتیں قائم ہوئیں۔ یعنی گورنر راج شروع ہوا۔ جناح صاحب نے وائسرائے سے درخواست کی کہ ان صوبوں میں سیاسی اور غیر سرکاری ایڈوائزر یعنی مشیر مقرر ہوں۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ جن صوبوں میں کانگریس نے وزارتیں چھوڑ دی ہیں۔ وہ مسلم لیگ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے مشیروں کے حوالے کر دی جائیں۔ جب اسے دیکھا جائے تو یہ ایک عجیب ناروا مطالبہ تھا۔ یعنی جناح صاحب کے قول کے مطابق کانگریس (یعنی ہندوؤں) کے صوبوں کا اختیار بھی جناح صاحب کو سونپ دیا جاتا۔ اور ایسے حالات میں کہ اور تو چھوڑیں کہ ان صوبوں میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بلکہ کسی ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی۔ لیکن جب جناح صاحب نے انگریز کی مرضی کے خلاف مطالبہ کرنے کی جرات کی تو وائسرائے نے 10-7-40 کو لکھا:

I hope that Jinnah will not continue to press his extra vagant claims.

ترجمہ:۔ ''مجھے امید ہے کہ مسٹر جناح اپنے بے بنیاد دعویٰ پر زیادہ اصرار نہیں کریں گے''۔
لیکن اگر آرام سے نہیں بیٹھتا اور اپنے اس ناروا مطالبے پر مصر رہا تو۔

If he does I think myself that we may definitely have to consider whether we should continus the effort which I so for made to keep the Muslim together whether we should not let the balance of the Muslims League as represented by Sikandar Fazalul Haq have their break represented Jinnah. But I do not want to see such a break if we can reasonably avoid it.

ترجمہ:۔ ''اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی اب تک

جو میں نے کوششیں کی ہیں ان کو جاری رکھا جائے یا نہیں۔ ہمیں اس توازن کو نہیں چھوڑنا چاہئے جو سکندر اور فضل حق کے جناح سے ٹوٹنے سے بگڑے گا۔ میں ذاتی طور پر ٹوٹ کے خلاف ہوں اور ہمیں حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ ٹوٹ نہ ہو"۔

انگریز جناح صاحب اور مسلم لیگ کی حیثیت اور حقیقت کو جانتا تھا۔ جیسے 28-8-40 کو لکھتا ہے:

I hope that Sikandar and Fazlul Haq will be able to bring pressure on Jinnah to make him to be the line, if ho does not I shall go without him

ترجمہ:۔ "مجھے امید ہے کہ سکندر اور فضل حق جناح کو راہ راست پر لانے کی پوزیشن میں ہیں اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو میں اس کے بغیر ہی کام چلاؤں گا"۔

انگریز اس سے اچھی طرح واقف تھا کہ مسلم لیگ کی کوئی بنیاد نہیں۔ وہ انگریز کی بیساکھیوں پر کھڑی ہے۔ سر یقیناً اوپر ہے لیکن جب انگریز چاہے کہ اپنی بیساکھیاں کھینچ لیں۔ تو مسلم لیگ اوندھے منہ گر پڑے گی اور کہیں ٹھکانہ نہ ملے گا۔ انگریز کو یہ بھی تسلیم تھا کہ مسلمانوں میں کبھی بھی اسے کاسہ لیسوں کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اگر ایک طرف سکندر حیات خان اور مولوی فضل حق مسلمانوں میں اپنی ایک حیثیت کے مالک تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کے منتخب حکومتوں کے سربراہان تھے۔ تو دوسری طرف جب یہ بات پھیلی کہ انگریز جناح صاحب سے ناراض ہے تو ہر ایک مسلمان نے اپنی خدمات پیش کرنی شروع کیں۔

اس سلسلے میں وائسرائے سر حیدری کے متعلق لکھتا ہے۔ (جو نظام حیدر آباد کا وزیر اعظم تھا)

29-8-40

You may be amused to hear that Haidri, during our conversation a few days ago, coyly hinted to me, that if there should be trouble with Jinnah and the Muslim League there was at any rate a very prominent Muslim, who could steer the country through the trouble waters that may lie a head.

ترجمہ:۔ "آپ کو یہ سن کر حیرت انگیز خوشی ہوگی کہ پچھلے دنوں ملاقات کے دوران حیدری نے مجھے اشارہ دیا کہ اگر مسلم لیگ یا مسٹر جناح کچھ گڑبڑ کریں تو بہر حال ایک نامور مسلمان

موجود ہے جو ملک کو اس پیچیدہ صورت حال سے نکال سکتا ہے اور سنبھال سکتا ہے"۔

وائسرائے کہتا ہے کہ میں نے شکر یہ ادا کیا کہ نظام کی نمائندگی تمہارے لئے بہتر تھی۔ وائسرائے کو معلوم تھا کہ یہ عاشق و معشوق کے ناز نخرے سیاسی کھلاڑیوں کی عادت ہے۔ انگریز ارادتاً جناح صاحب اور مسلم لیگ کو اتنی اہمیت بتا رہا تھا اور انہیں صرف اتنا با اختیار سمجھتا تھا کہ اگر کل کو کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی تصفیے کی بات چل نکلے۔ تو جناح صاحب اس مقام پر پہنچ چکے ہوں۔ جہاں سے ان کا واپس آنا خود ان کے لئے بھی محال ہو۔ اس وجہ سے جناح صاحب جتنی بھی ناجائز بات کرے تو انگریز دم سادھے بیٹھا رہے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ مسلم لیگ کی جماعت کی سب طاقت اور حیثیت انگریز کے اپنے ہاتھ میں ہے جیسے وائسرائے کہتا ہے کہ یا تو جناح صاحب ہماری پالیسی چلائے گا اور یا پھر خود بغیر اس کے اپنا راستہ بناؤں گا۔ لیکن کوشش یہ ہے کہ:

I still think it important to hold the Muslim League together if we can do so and in those circumstances there is nothing for it but to be patient with Jinnah, though one's patience is beginning definitely to run out.

ترجمہ:۔"میرا اب تک یہ خیال ہے کہ مسلم لیگ کو (اپنی) گرفت میں رکھنا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ اگر ہم یہ کر سکیں جبکہ ان حالات میں چنداں مشکل نہیں لیکن جناح صاحب کے ساتھ تحمل مزاجی کا برتاؤ کرنا چاہئے اگرچہ اس میں تحمل مزاجی شروع ہی سے نہیں ہے"۔

اسی دوران جناح صاحب نے حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا:

"That the Muslim League should be taken in to full and equal partnership with H.M Govt. in the ruling of this country & authority share with them"

ترجمہ:۔"......کہ مسلم لیگ کو "ہز میجسٹی" کی گورنمنٹ میں اس ملک پر حکومت کرنے کے سلسلے میں مکمل اور مساوی شراکت اور اختیارات میں حصہ (ملنا) چاہئے"! 5-9-40 کا وائسرائے کا خط۔

یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کے سب کے سب ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اچھوت اپنی اپنی جگہ رہ جائیں گے اور ہندوستان کی حکومت انگریز اور مسلم لیگ برابر کی حیثیت سے چلائیں گے۔ یعنی کہ اب مسلم لیگ تمام کے تمام ہندوستانیوں کی نمائندگی کی دعویدار تھی۔

وائسرائے کی یہ کوشش تھی کہ کانگریس کے بغیر ایک مشاورتی کونسل بناتے۔ اچھوت لیڈر امبیڈکر اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر اینے (Aney) سے بات ہو چکی تھی لیکن اس میں چونکہ جناح صاحب کو مکمل اختیار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس لئے اس نے شمولیت سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور وائسرائے نے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ جناح صاحب سے پوچھتے کہ 1937ء کے انتخابات میں اس کی نمائندہ حیثیت کیا تھی۔ وائسرائے کو اچھی طرح معلوم تھا جیسے 40-9-19 کو خود لکھتا ہے:

He (Jinah) is subjected to very considerable criticism for various sectons of the community. He has against him the Prime Ministers of the two majority Muslim provinces, the line he has been taken is unsympathatic to large numbers of Muslim of position even in Muslim minority provinces such as Bihar & U.P.

ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح پر مسلمانوں کے مختلف دھڑوں کی طرف سے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ مسلم اکثریت صوبوں کے دو وزرائے اعلیٰ بھی اس کے خلاف ہیں۔ مسٹر جناح کے نقطہ نظر کے بارے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا جو سوسائٹی میں مقام رکھتے ہیں۔ غیر ہمدردانہ رویہ ہے بلکہ اقلیتی صوبوں میں بھی مثلاً بہار اور یو پی میں بھی یہی صورت حال ہے''۔ *

پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی دونوں مسلمان اکثریتی صوبوں یعنی سندھ اور سرحد میں بھی جناح صاحب کی مخالف تنظیمیں موجود تھیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی وائسرائے کہتا ہے:

Indeed I am sure Jinnah is the man to deal with on Muslim side.

ترجمہ:۔ ''لیکن مجھے پھر بھی یقین ہے کہ جناح ہی وہ آدمی ہے جس سے مسلمانوں کے بارے میں بات چیت کی جا سکتی ہے''۔

*اس کی وجہ جناح صاحب کا خوجہ اسماعیلی آغا خانی ہونا تھا جنہیں علماء مسلمان نہیں گردانتے جیسے کہ اشرف علی تھانوی اپنی کتاب ''بوادر النوادر'' میں اسماعیلی آغا خانی فرقہ کو قطعی کافر قرار دیتے ہیں انسائیکلوپیڈیا اسماعیلزم مرتب: ممتاز علی تاج الدین صادق علی کی رو سے جناح کا نام اصل میں مام دالی جینا سر آغا خان کی والدہ محترمہ لیڈی علی شاہ نے خوجہ روایت کے مطابق رکھا تھا یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان علماء ان کے مخالف تھے۔

مسلم لیگ کو قائم رکھنے کے سلسلے میں جتنی مشکلات درپیش تھیں۔ انگریز نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ اسے ایک ایک کر کے حل کرنا ہے۔ مثلاً پنجاب۔ یہاں سر سکندر حیات کی سربراہی میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ اس میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے۔ یہاں جناح صاحب اور مسلم لیگ جتنا تقسیم ہند کے مسئلے پر زور ڈالتے تھے اتنی ہی پنجاب میں سکندر حیات خان کے لئے مشکلات پیدا ہو رہی تھیں چونکہ ہندوستان کے اندر غیر مسلم یہ حالات دیکھ رہے تھے تو انہوں نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ پاکستان کے مطالبے اور تجویز کے متعلق انگریز اپنی پالیسی کا واضح اعلان کرے۔ وائسرائے اس اعلان کی مخالفت میں لکھتا ہے:

(مورخہ 1-3-41)

It should not only be a mistake but it would be very near a breach of faith. were we to do anything of the sort.

ترجمہ:۔ ''اگر ہم ایسا کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو یہ نہ صرف غلطی ہوگی بلکہ باہمی اعتماد کو بھی دھچکا لگے گا''۔

اور اسی لئے وائسرائے اس خط میں لکھتا ہے کہ سکندر حیات آئے اور مجھے کہا کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ پاکستان کے مسئلے پر میرا اختلاف رائے ہے اور میں اس کی کمیٹی سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔ لکھتا ہے کہ میں نے خود اسے نہیں کہا۔ لیکن پنجاب کے گورنر سر ہنری کریک Sir Henry Craik کو کہا کہ تم سکندر حیات کو استعفیٰ دینے سے منع کرو اور پھر اس کی وجہ بیان کرتا ہے:

This is not the moment at which I want to be any split in the Muslim League which I think is very important (tiresome and its activities may be in some ways) to maintain as a solid plitical entity.

ترجمہ:۔ ''یہ موقعہ نہیں ہے کہ میں چاہوں کہ مسلم لیگ میں انتشار ہو جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے کہ مسلم لیگ اپنی ٹھوس سیاسی بنیاد بنائے۔ اگر چہ کس طرح سے اس کی سرگرمیاں تکلیف دہ رہی ہیں''

اور مسلم لیگ کی تنظیم میں دلچسپی کیوں ہے۔

That is the more desirable since we are moving into the next phase of Gandhi Satyagraha compaign and any fissure in the Muslim ranks, more particularly over this vital question of

Pakistan-----would be a very great encouragement to the anti war party and might will make our possition in deeling with the Satygraha more difficult.

ترجمہ:۔ ''یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کی ستیہ گرہ تحریک کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی صفوں میں کسی قسم کا انتشار اور خاص طور پر پاکستان جیسے اہم سوال پر ہونے سے جنگ کی مخالف قوتوں کی انتہائی حوصلہ افزائی ہوگی اور ستیہ گرہ تحریک سے نمٹنے میں ہماری پوزیشن کو مشکل سے دوچار کر دے گی۔''

انگریز کو مسلمان سے کوئی سروکار نہیں۔ بار بار لکھتا ہے کہ پاکستان ماننے اور چلنے والی چیز نہیں۔ لیکن انگریز تو اپنے بنیادی دشمن کانگریس کے مقابلے کے لئے کسی کو ڈھونڈ ھ رہا تھا۔ اس لئے تمام تر توجہ مسلم لیگ پر تھی کہ اگر کبھی بھی کانگریس نے انگریز کو للکارا تو مسلم لیگ مکمل کر انگریز کا ساتھ دے گی۔

سکندر حیات خان نے اپنے یونینسٹ ساتھیوں کی تسلی کے لئے ایک بیان دیا جس کی طرف وزیر ہند ایمر نے اپنے 41-10-8 کے خط میں اشارہ کیا ہے۔ اس بیان میں سکندر حیات خان نے تجویز پیش کی ہے کہ انگریز سرکاری اعلان کرے اور ایک مقررہ میعاد رکھے کہ اگر اس مقررہ وقت میں ہندوستان کے مختلف فرقوں نے آپس میں ایک مکمل فیصلہ نہ کیا اور متفقہ آئین منظور نہ کیا تو پھر برطانوی حکومت بہ امر مجبوری ہندوستان کے لئے اپنی منشا کا آئین بنا دے گی۔ اس خط کے حاشیے پر وائسرائے ہند نے اپنے ہاتھ سے بہت باریک لکھائی میں لکھا ہے:

And make if perfectly certain that the Muslim would refuse to play till the Limit (the situation will have) brought us in.

ترجمہ:۔ ''اور اس بات کو یقینی بنا دے کہ مسلمان اس معاملہ میں ہماری مرضی کے مطابق کردار ادا کرنے سے انکار کر دیں''۔

اس سال زیادہ واضح الفاظ میں وائسرائے اپنی پالیسی کا اعلان نہیں کر سکتا کہ انگریز کی صرف یہ کوشش تھی کہ مسلمان کسی صورت بھی صلح اور تصفیے پر رضامند نہ ہوں۔ تا کہ اختیار انگریز کے سپرد کریں اور اسی غرض اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انگریز اتنا کھل کر سامنے آیا ہے اور اس طرح سے اپنا ضمیر واضح کر دیا کہ کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس سلسلے میں سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو کا ایک واقعہ بیان کرنے سے بات بالکل واضح ہو جائے گی۔ یہ تو پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ اسی اللہ بخش سومرو کی سربراہی میں قوم پرست مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا تھا۔ لازمی بات ہے کہ وائسرائے اس پر برہم تھا کیونکہ اس کا

مسلم لیگ کی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ ایک صوبے کی منتخب اسمبلی کا نمائندہ تھا اور اسی صوبے کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے وائسرائے ہند کی ڈیفنس کونسل کا ممبر بھی تھا۔ اس کے باوجود بھی وائسرائے کا لب و لہجہ سخت بلکہ ہتک آمیز تھا۔ وائسرائے کے استفسار پر اس نے کچھ تجاویز ڈیفنس کونسل کو پیش کیں۔ جس کے ذریعے ان فرقہ وارانہ اختلافات کی ایک حد تک پیش بندی ہو سکے اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو جو اس وقت قید تھے رہا کیا جائے۔ تجاویز پیش کرنے کے بعد پھر وائسرائے سے پوچھا۔ اس کے متعلق وائسرائے اپنے 41-10-11 کے خط میں لکھتا ہے:

"When" he said " am I likly to hear from you have decided?" I replied, "you will hear nothing you are not are one of my advisres, but the Prime Minister of Sind ---- I have not least intention of talking you how I propose to handle my business and I trust you understand that" He said " you are very frank " I said " I am bound to be frank this is my business and my responsibility

ترجمہ:۔ ’’جب اس نے کہا کہ میں تم سے سننا چاہتا ہوں کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ تم مجھ سے کچھ نہیں سنو گے۔ تم میرے مشیروں میں سے نہیں ہو تم صرف سندھ کے وزیر اعلیٰ ہو۔ میری ذرا بھی خواہش نہیں ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ میں اپنے معاملات کس طرح چلاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ بہت بے باک ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس بے باکی کے لئے مجبور ہوں۔ یہ میرا کام اور ذمہ داری ہے۔‘‘

کرپس مشن

Cripps Mission

عجیب مذاق ہے۔ وائسرائے ہند اپنے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ اور اپنی ڈیفنس کونسل کے ایک ممبر کو تو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ ان تجاویز کے متعلق اس کی رائے معلوم کرے۔ لیکن دوسری طرف مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ ملکی اور سیاسی معاملات میں صلاح مشورے اور اجلاس کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے اس لہجے اور انداز گفتگو کو ذرا دیکھیں۔ کتنا تکبر اور فرعونیت ہے اس میں۔ انگریز کا مقصد صرف ایک تھا کہ ایک مسلمان پر یہ واضح کرے کہ مسلم لیگ سے باہر اور جناح صاحب کی لیڈری اور وفاداری کے بغیر وہ کسی بھی مسلمان کی حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبہ کے منتخب اسمبلی کا وزیر اعلیٰ اور یا وائسرائے کی اپنی ڈیفنس کونسل کا ممبر ہی کیوں نہ ہو۔

انگریز کی یہ بھی کوشش تھی کہ بین الاقوامی سطح پر جناح صاحب اور مسلم لیگ کو دنیا کے ساتھ متعارف کرائے۔ انہیں دنوں حکومت چین کے سربراہ چانگ کائی شیک حکومت برطانیہ کی دعوت پر ہندوستان کے دورے پر آ رہے تھے۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سے ملنا چاہتے ہیں۔ وائسرائے لکھتا ہے کہ یہ اس لئے بھی مشکل ہے کہ ان لیڈروں سے میری بول چال بند ہے لیکن خیر یہ بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ لیکن فکر کی بات دوسری ہے جیسے 26-1-42 کو لکھتا ہے:

I know you would at once take the point of his seeing Jinnah as well as the other two, and I shall have to coax him to recieve the read of the Muslim League, whether he feels inclined or not."

ترجمہ: ''میں جانتا ہوں کہ آپ ان دو کے علاوہ مسٹر جناح کو بھی ملانا پسند کریں گے۔ میں انہیں یہ بات منانے کی کوشش کروں گا کہ وہ اس (مسٹر جناح) سے مسلم لیگ کے سربراہ کی حیثیت سے ملیں لیکن شاید وہ (چانگ کائی شیک) اس پر رضامند ہوں یا نہ ہوں''۔

چانگ کائی شیک اس بات پر مصر تھا کہ ہندوستان کے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جاپانی انگریز کی پٹائی کر رہا ہے۔ سنگاپور پر قابض ہو گیا تھا۔ برما فتح کر ڈالا تھا اور اب ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا تو چانگ کائی شیک خود بھی لگا ہوا تھا اور دوسری طرف امریکہ کی وساطت سے بھی انگریز پر زور ڈال رہا تھا کہ جیسے بھی ہو ہندوستان کے مسئلے کا کوئی حل نکالے۔ امریکہ کو اس بات میں بہت وزن محسوس ہو رہا تھا کہ انگریز کے اپنے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں بنی تھیں اور آج ان آٹھوں صوبوں میں منتخب حکومتیں نہیں تھیں بلکہ گورنر راج کی بدولت انگریز خود حکمران تھا۔ امریکہ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ آج کی جنگیں قوم کی حمایت کے بغیر لڑی نہیں جا سکتیں۔

انگریز کو خود بھی یہ احساس ہو چلا تھا کہ وہاں یورپ میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا لیکن یہاں ایشیا میں اسے کافی نقصان پہنچ چکا تھا اور اس نے پہلی بار یہ محسوس کیا کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انگریز کو ہندوستان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ ان نئے حالات کی روشنی میں انگریز نے ایک بار پھر اپنی پالیسی پر غور کرنا شروع کیا۔ انگریز اب تک ڈٹ کر ہندوستان کے وفاق اور وحدت کے حق میں تھا۔ جناح صاحب اور مسلم لیگ کی وہ صرف اس لئے پیٹھ ٹھونک رہا تھا کہ جب تک کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان افہام و تفہیم نہیں ہوگی اختیارات خود انگریز کے ہاتھ میں ہوں گے اور تو اور اچھوت لیڈر امبیڈکر کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ:

> He was perfectlty content himself, he said, with that states of things and in favour of the Pakistan idea quite frankly, because it meant that the British would have to stay in India
>
> ترجمہ:۔ "اسے مکمل اطمینان تھا۔ اس نے کہا کہ ایسی صورت حال میں پاکستان کی تجویز کی حمایت کے کھلے اظہار کا مقصد صرف یہ ہے کہ برطانیہ ہندوستان میں رہے"

(وائسرائے کا خط 40-11-19)

لیکن اب جبکہ انگریز کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید اسے ہندوستان چھوڑنا پڑے۔ تو اس نے فیڈریشن اور وفاق کے متعلق اپنا اصرار چھوڑ دیا اور وہ کانگریس کو چھیڑنے اور تنگ کرنے کے لئے جو تقسیم کا منصوبہ سودا بازی کے لئے پیش کیا تھا۔ اسے سنجیدگی سے اپنی نئی پالیسی کے سلسلے میں سر سٹیفورڈ کرپس کے ذریعے باقاعدہ ہندوستان بھیج دیا۔

ذرا غور کریں۔ یہ 1942ء کا زمانہ ہے۔ ابھی پاکستان کے مطالبے نے نہ زور پکڑا ہے اور نہ ہی اس کے لئے مسلم لیگ نے کوئی تحریک چلائی ہے۔ لیکن اس وقت کے حالات کو اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو

اس سلسلے میں انگریز ہمہ وقت صرف اپنے مفادات کو مدنظر رکھے ہوئے تھا اور اس مقصد کے لئے ہر پہلو پرکھ رہا تھا۔ انگریز امریکہ سے مجبور تھا۔ ورنہ وہ تو کسی صورت بھی کانگریس کے رہنماؤں سے بات چیت کرنے پر آمادہ نہ تھا اور اس کے لئے اس کے پاس معقول بہانہ تھا کہ یہاں عالمی جنگ شروع ہے۔ جب امریکہ کے ہاتھوں مجبور ہوئے تو کرپس کو تو بھیج دیا۔ لیکن وائسرائے کی بات بھی ذرا سننے کے قابل ہے تا کہ پتہ چلے کہ انگریز کی نیت پہلے ہی دن سے کیا تھی جیسے 23-3-42 کو لکھتا ہے:

> I know that I have considerable hopes that whether the scheme succeeds or fails, that is to say it is accepted or rejected, there maybe looking to the propaganda value involved in face of American opinion, a balnce of credit tour side.

ترجمہ:۔ ''مجھے امید واثق ہے کہ اسکیم کامیاب ہو یا ناکام، کوئی منظور کرے یا نامنظور۔ امریکیوں کی نظر میں ایک تشہیر کا ہتھیار ہے جو ہماری پوزیشن کے توازن کو بہتر کرے گا''۔

وہاں وزیر ہند ایمرے دوسری طرح سے دیکھتا ہے اور اسی سلسلے میں اپنی پالیسی کی وضاحت بہت تفصیل سے کی ہے۔ اس نے اپنے 10-3-42 کے خط میں یہ بات بالکل واضح لکھی ہے:

> Consequenlty the only way out & incidentally a way of gaining a little time was to send some one to discuss and negotiate.

ترجمہ:۔ ''آخر کار اس کا حل صرف اتفاقی طور پر تھوڑے سے وقت کا حصول ہے تا کہ کوئی جا کر ان سے بحث و تمحیص کر سکے''

اس طرح سے ایک تو وقت کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ دوسرے بیرونی دنیا کو عموماً اور امریکہ کو خصوصاً یہ تاثر ملے گا کہ ہم بہت سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں اور اسی لئے ایک ذمہ دار وزیر کو بات چیت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ انہیں پہلے دن سے یہ بات یقینی طور پر معلوم تھی کہ اس مسئلے میں افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسے وہ خود لکھتا ہے:

> After all once it is laid down that there must be agreement & no coercion of imfortant minorities then the only conclusion is that things must wait indefinitely.

ترجمہ:۔ ''بالآخر طے ہوا کہ اہم اقلیتوں سے بلاتاخیر معاہدہ ہو ...... جس کے نتیجے میں معاملات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہوں''۔

لیکن وزیر ہند ایمرے اپنے مطلب کی بات بہت کھل کر لکھتا ہے۔ 24-3-42 کے اپنے خط میں کچھ یوں لکھتا ہے:

> Jinnah, I shall have thought will be content to realise that he has now got his Pakistan in essence, whether as something substantive or as a bargaining point.

ترجمہ:۔ ''مجھے سوچنا پڑے گا کہ کیا مسٹر جناح یہ ماننے کے لئے رضامند ہوگا کہ اس نے اپنا اصل پاکستان حاصل کرلیا ہے اور آیا وہ یہ مطالبہ بنیادی ضرورت کے تحت کر رہا ہے یا کسی سودے بازی کے لئے''

لازمی بات ہے کہ جب جناح صاحب کو یہ تسلی ہو کہ انگریز اسے پاکستان دے رہا ہے تو اس سے کون توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ کانگریس کے ساتھ تصفیہ کرنے بیٹھ جائے اور پھر جب انگریز یہ شرط بھی سختی سے رکھے کہ تصفیہ ضروری ہے اور ساتھ میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ پھر تو جیت صرف انگریز کی ہے اور کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ جناح صاحب کو پاکستان نہیں ملے گا۔ کانگریس سے ان کی جیتی ہوئی حکومتیں چھن جائیں گی اور انگریز بااختیار بادشاہ تھا اور بادشاہ رہ جائے گا۔

اسی خط میں وزیر ہند ایمرے نے وائسرائے لنلتھگو کو تسلی دی ہے کہ ہم نے جو تجاویز کرپس کے ذریعے پیش کی ہیں وہ سب کی سب ہمارے ہی مفادات کی ہیں۔ وہ ایک ایک کر کے تجاویز گنتا ہے۔

> (1) The viceroy will have to remain not merely as constitutional Governor General, but as representative of broader imperial as pect of govt. for a good long time to come.
>
> (2) Supposing that Pakistan dose come off, there will possibly be, two Muslim areas, the whole of the state, Hindu British India (if that does not devide itself) & finally at least one important primitive Hill trible area.

ترجمہ:۔ ''اگر پاکستان بن جاتا ہے جو یقیناً دو مسلم علاقوں پر مشتمل ہوگا باقی تمام ریاست ہند، برٹش، انڈیا۔ اگر وہ تقسیم نہ ہوئے تو کم از کم ایک انتہائی اہم پہاڑی علاقہ پر حکمرانی ہوگی''۔

تو جب یہ پورا ہندوستان اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور ایک مرکزی وفاقی حکومت نہ ہو تو پھر ان مختلف یونٹوں کے لئے اپنی فوج، بحری اور ہوائی فوج رکھنا ممکن نہیں۔ یہ پھر انگریز کے محتاج ہوں گے۔

There will, therefore have to be some one in the absence of a Central Self Governing federal scheme to take cantrol of these matters.

ترجمہ:۔''اس لئے ضروری ہے کہ وفاقی خودمختار حکومت کی سکیم کی غیر موجودگی میں اس کے متبادل کے طور پر کچھ ہو جوان معاملات کو کنٹرول کرنے کی ذمہ دار ہو''۔

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین رکھئے کہ پہلے تو تجاویز ایسی ہیں کہ انہیں قبول کرنے کا امکان ہی نہیں اور جب تک کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا انتقال اقتدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اگر یہ ناممکن ممکن بھی ہو جائے تو پھر بھی یہ سب کچھ انگریز کے مفادات ہی کے لئے ہے۔البتہ یہ ہدایت کرتا ہے کہ غور سے سنو:

So what ever you do or agree to, you had bettor keep in mind the desiribility of retaining Dehli and a considerible area around it, as an ultimate federal territory of an eventually united India & not it pass into the hands of any one of the "Dominions" that may temporaily emerge out of the first experiment in constitution making.

ترجمہ:۔''اس سلسلے میں آپ جو کچھ بھی کریں اور جس بات پر رضامند ہوں۔ایک بات دھیان میں رہے کہ دہلی اور اس کے آس پاس کا مناسب علاقہ متحدہ ہندوستان میں ایک آزاد وفاقی علاقہ کے طور پر رکھنا ہے اور یہ کسی طرح بھی آزاد ہونے والی کسی بھی ایک خود مختار ریاست میں شامل نہیں کرنا ہے جو کہ آئین سازی کے پہلے تجربہ میں ظہور میں آئیں''۔

یہ کرپس مشن کی حقیقت تھی۔یہ تھا منصوبہ اور یہی تھی پالیسی برطانوی حکومت کی۔وزیر ہند نے کہا کہ اگر یہ منصوبہ منظور اور کامیاب بھی ہو جائے تو وائسرائے کو یہ ہدایات دیں کہ تم مرکز کو قابو رکھو۔کیونکہ یہ تقسیم عارضی ہوگی اور آخر کار ایک بار پھر پورے کا پورا ہندوستان انگریز سامراجی نو آبادیاتی سلطنت کا حصہ بنے گا۔

وائسرائے وزیر ہند کو یہ تسلی دیتا ہے کہ کرپس مشن کے دوران میں نے باقاعدگی سے اپنا رابطہ جناح صاحب سے قائم رکھا ہے۔جیسے 14-4-42 کو خط میں لکھتا ہے:

However I was at pains without delay & before Cripps left, to

sound Jinnah through Firoz Khan Noon who has been a most useful intermediary with the result which I have already reported to you by Telegram.

ترجمہ:۔ ''بلا کسی توقف میں اس فکر میں رہا کہ مسٹر کرپس کے جانے سے پہلے مسٹر جناح کی فیروز خان نون کے ذریعے رائے معلوم کی جائے۔ وہ (فیروز خاں نون) اس معاملہ میں ایک انتہائی مفید واسطہ رہا ہے۔ نتائج کے نتیجہ میں بذریعہ تار میں نے آپ کو رپورٹ کر دی ہے''۔

نتیجہ تو صاف ظاہر ہے کہ انگریز نے تقسیم کے اصول تسلیم کر لئے۔ کانگریس نہیں مانتی۔ عجیب حالت ہے تحریک کانگریس چلا رہی تھی۔ حکومت کے خلاف قربانیاں وہ پیش کر رہی تھی۔ جیل خانے اس نے بھرے۔ گولیاں اس نے کھائیں۔ وزارتیں چھوڑیں قربانیاں کانگریس کی اور مطالبے مانے جا رہے تھے مسلم لیگ کے۔ جس کی نہ کوئی تحریک ہے۔ نہ قربانی۔ نہ ہی انتخابات میں کوئی کامیابی اور نہ ہی کوئی سیاسی قوت۔

سر سٹیفورڈ کرپس کو جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لگتا ہے اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا کیونکہ وائسرائے 6-7-42 کو وزیر ہند کو یہ خوشخبری سناتا ہے:

Jinnah statements in the last few days have broughtout emphetically the continued reluctance of the Muslim League to see any compromise reached except on their own terms.

ترجمہ:۔ ''پچھلے دنوں میں مسٹر جناح کے بیانات سے واضح اظہار ہوا ہے کہ مسلم لیگ مسلسل اپنی رائے پر قائم ہے کہ وہ کوئی معاہدہ اپنی شرائط منوائے بغیر قبول نہیں کرے گی۔

برطانوی دعویٰ کا کانگریس پر اطلاق

British Claimdown on Congress

انگریز اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے کسی قسم کے اخلاق یا اصول کی پروا نہ تھی۔ ایک طرف اگر مسلم لیگ کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں تھی جس کا ثبوت انگریز کے اپنے کرائے ہوئے انتخابات سے مل چکا تھا اور تو اور مسلمانوں کی اکثریتی صوبوں میں بھی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں تھی۔ اس کے باوجود انگریز انہیں یہ تسلی دیتا رہا کہ وہ اسے سب مسلمانوں کی واحد نمائندہ تسلیم کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا 1/4 تھی۔ یعنی 40 کروڑ میں سے تقریباً 10 کروڑ مسلمان تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریز نے اس سوال سے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں کہ اگر غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں جناح صاحب اپنی حیثیت تسلیم کروانا چاہتے ہیں تو انگریز ان کی یہ حیثیت تسلیم کرتا ہے لیکن کیا جناح صاحب کانگریس کو بھی یہی حقوق مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں دینے کو تیار ہیں اور آیا انگریز بھی یہی اصول مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں تسلیم کرنے کو تیار ہے جو غیر مسلموں کے صوبوں میں وہ تسلیم کر چکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریز کو نہ مسلمان کی پروا تھی اور نہ ہی ہندو کی۔ اسے تو اپنے مفادات کی فکر تھی اور وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھا جس میں اس کا، اس کے تاج وتخت کا فائدہ ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ کا آپس میں فیصلہ نہیں ہوتا تو اقتدار انگریز کے پاس رہتا۔ انگریز کا فائدہ اس میں تھا کہ مسلم لیگ کو اس بات پر مجبور اور آمادہ کرے جس میں مسئلے کے حل اور تصفیے کا کوئی امکان نہ ہو۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اس طرح سے اقتدار مسلم لیگ کے بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کی اس ہٹ دھرمی کا تمام تر فائدہ انگریز کو پہنچتا رہا۔

انگریز کا دوسرا مورچہ

کانگریس کی قومی تحریک کا راستہ روکنے کے لئے انگریز نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حلال وحرام۔ جائز و ناجائز سب طریقے استعمال کئے۔ کانگریس اپنے مقام پر مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ وہ کسی صورت بھی ہندوستان کی آزادی اور حق خودارادیت انگریز کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ تھی اور تو اور انگریز نے اپنے نظریاتی مخالفین اور اپنے دشمنوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور ہر وہ سیاسی قوت جو انگریز کی حمایت کرنے کو تیار تھی یا اپنی سیاست کو انگریز کے لئے داؤ پر لگا سکتی تھی۔ انگریز اس کا ساتھ دینے کو تیار تھا۔ چنانچہ وائسرائے نے ہندوستان کیمونسٹ پارٹی سے بندش اٹھانے کی تجویز پیش کی اور سودا اس پر طے ہوا کہ ان کا لیڈر ایم این رائے کانگریس کی مخالفت کرے گا۔

وزیر ہند ایمرا اپنے 42-7-7 کے خط میں لکھا ہے:

I believe there may be much to be said for giving much more encouragement to Ray (M.N.) and every kind of left wing, Communist,students peasents or trade union organisation--- it may be that the elements we encourage may be not be reliable in the future, but they may be influenced in a better direction in the sunshine of official favour.

ترجمہ:۔ ”میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ایم این رائے اور ہر طرح کے بائیں بازو کمیونسٹ۔ طالب علم۔ کسانوں اور ٹریڈ یونین تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے ممکن ہے کہ یہ عناصر جن کی ہم حوصلہ افزائی کریں گے۔ مستقبل میں ہمارے لئے قابل اعتماد نہ ہوں۔ لیکن سرکاری حمایت کے ہوتے ہوئے ان کے اثرات کی سمت درست رہے گی۔

انگریز کے مقصد کو جاننا مشکل نہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کا عظیم رہنما مسٹر ایم این رائے ایک طرف تو ملک اور آزادی کی مخالف قوتوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کو تیار تھا اور طالب علموں، مزدوروں، کسانوں اور ٹریڈ یونین کی تمام تنظیمیں اس بات پر آمادہ تھیں کہ اپنی تمام قوت نو آبادتی سامراجی قوت کی حمایت پر صرف کریں اور دوسری طرف اسلام اور کمیونزم کے اس تعاون کو دیکھیں کہ کس طرح انگریز نے اپنی چالبازی سے شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پینے کے لئے تیار کر لیا تھا اور کس طرح دو متضاد اور دشمن قوتیں اور نظریے انگریز کے سامراجی اور نو آبادیاتی مفادات کے لئے مل کر کام کرنے پر تیار ہو گئے۔

کانگریس کے مقابلے کی تیاری

اس وقت انگریز مطمئن تھا کہ میں نے والیان ریاست، اچھوت، مسلم لیگ، ہندومہا سبھا، کمیونسٹ پارٹی اوراس کی سب ذیلی تنظیموں کو اپنی حمایت پر راضی کرلیا تھا۔اب صرف کانگریس ہی کا مورچہ باقی رہ گیا تھا۔جس کے ساتھ اس نے اپنا حساب کتاب برابر کرنا تھا۔کرپس مشن کی وجہ سے امریکہ کو بھی ایک گونہ تسلی ہوگئی تھی کہ انگریز کوئی راستہ نکال رہا ہےاور کانگریس اور مسلم لیگ کی مخالفت کو انگریز نے اتنی اہمیت دے دی کہ بات اپنے سر سے ٹال دی اور ہندوستان کے سر تھوپ دی۔اس طرح سے وہ بین الاقوامی طور پر بھی مطمئن ہو گیا۔وزیر ہند ایمرے برابر وائسرائے کو لکھتا ہے کہ یہی وقت ہے، جھپٹ پڑو۔

The sooner you pounce on them the better 24.7.42

ترجمہ:۔''جتنی جلدی آپ ان پر جھپٹا مار کر قابو کریں اتنا ہی بہتر ہے''۔

مزید لکھتا ہے کہ ان سب لیڈروں کو نکال کر یوگینڈا اجلاوطن کر دو۔وائسرائے لکھتا ہے کہ گاندھی جی کی صحت ٹھیک نہیں، بیمار ہے۔ایمرے کہتا ہے عدن بھیج دو۔لیکن ہندوستان سے نکال باہر کرو۔

وائسرائے ان دنوں کے خطوط میں یہ بھی خوشخبریاں دیتا رہا کہ قوم گاندھی سے مایوس ہے۔کانگریس بہت بدنام ہوچکی ہے۔وزارت کے دوران صاحب رائے لوگ ناراض اور مایوس ہو چکے ہیں اور تحریک چلانے کی قوت بالکل نہیں۔قصہ مختصر کہ کانگریس سے الجھنے کے لئے بہترین موقع ہے۔چنانچہ جب اگست میں A.I.C.C آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔اور انہوں نے انگریز کو للکارا کہ ''ہندوستان چھوڑ دو''۔Quit India۔انگریز تو تیار تھا ہی، بلکہ مدت سے اپنی تیاری کر چکا تھا۔کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے سب ممبر گرفتار کر لئے گئے۔سرکار نے پوری قوت سے قومی حرکت کو کچلنے کی کوشش کی۔یہاں تک کہ دیہاتوں اور جلوسوں پر ہوائی جہاز سے بم گرائے گئے۔گولیاں چلیں۔جیل خانے بھر گئے۔جہازوں سے بمباری کے متعلق وائسرائے خود 17-8-42 کو یوں لکھتا ہے:

I am most grateful for your support over the use of airpower

against saboteurs, I am certain that we ought not to shirk from using any of the means at our disposal in dealing with a movement so dangerously revolutionary as the present one.

ترجمہ:۔"میں تخریب کاروں کے خلاف آپ کی ہوائی طاقت کی مدد پر بے حد مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں حالیہ خطرناک انقلابی تحریک کے خلاف ہر قسم کے وسائل جو ہمارے پاس موجود ہیں استعمال کرنے سے ہچکچانا نہیں چاہئے"

وائسرائے یہ بات خود مانتا ہے کہ کانگریس کا ابھی تحریک چلانے کا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ وہ بات کو طول دیئے جارہی تھی اور تاک میں تھی کہ کب انگریز پر اس سے بھی سخت وقت آن پڑے اور کہیں شکست کا سامنا کرنا پڑے، تو پھر یہاں یہ لوگ تحریک شروع کر دیں گے اور اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ جیسے اسی خط میں آگے چل کر لکھتا ہے:

We have this different and for more important reason to be thankful that we have brought on this business at a time when the war postion is not such as to offer any immediate threat to India, whether from the west or from the East. I have not the least doubt that Gandhi's plan was to wait for bad war news before raising the standard of revolt.

ترجمہ:۔ ہمارے پاس مختلف اور اہم وجوہ ہیں جو باعث شکر ہیں کہ موجودہ صورت حال ایسے وقت درپیش ہوئی جب کہ ہم جنگ میں ایسی پوزیشن میں ہیں کہ ہندوستان میں ہمارے لئے فوری طور پر کوئی چیز باعث تشویش نہیں ہے نہ مغرب کی طرف سے اور نہ ہی مشرق کی طرف سے۔ مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ گاندھی کا منصوبہ حالیہ بغاوت کو شروع کرنے سے پہلے جنگ میں کسی بری خبر کے لئے انتظار کرنے کا تھا"۔

اگرچہ کانگریس نے ابھی تحریک کا اعلان نہیں کیا تھا اور زیادتی انگریز کی طرف سے ہوئی تھی لیکن قوم نے اتنی عظیم قربانی دی۔ اتنے جوش، جذبے اور دلیری سے انگریز کے مقابلے کے لئے صف آرا ہوئے، اور اس قدر شجاعت کا مظاہرہ جوانوں، بزرگوں اور خصوصیت سے خواتین نے کیا کہ انگریز خود حیران ہو کر رہ گیا۔ اسے تو اس کے خوشامدی درباریوں نے یہ تسلی دی تھی کہ قوم کانگریس سے بیزار ہے۔ لیکن جب تحریک

نے اتنا زور پکڑا کہ بات پولیس ملیشیا اور فوج سے بھی نہ بنی اور نوبت ہوائی جہاز بمباری اور گولہ باری تک جا پہنچی تو وائسرائے خود لکھتا ہے۔(24-8-42 مورخہ):

I continus to be rather puzzled that our intelligence should not have been able to give us rather more warning that it has of way thing were likly to go.

ترجمہ:۔"مجھے حیرانگی ہے کہ ہماری انٹیلی جنس (خفیہ ادارے) نے ہمیں خطرے سے اس قدر بھی مطلع نہیں کیا جتنا عام حالات میں ویسے ہی باخبر رہتے ہیں"۔

بہار کے گورنر کے متعلق کہتا ہے کہ۔

He and his Govt. were taken by surprise.

ترجمہ:۔"وائسرائے کہتا ہے کہ وہ (بہار کا گورنر) اور اس کی حکومت حیران رہ گئے"۔

وائسرائے کو جیسے معلوم نہ تھا کہ خوشامدی، درباری اور نچلے طبقے کے سرکاری افسر تو اپنے آقاؤں سے وہی بات کرتے ہیں جس سے وہ خوش ہیں۔انگریز نے تو اپنے اندازے کے مطابق کانگریس کو تحریک کے میدان سے باہر تصور کر لیا تھا اور بہت مشکل سے یہ حساب کتاب لگایا تھا۔ یہ معلومات انگریزوں کے وزیراعظم "چرچل" کے اپنے خط میں ہے"۔قصہ یوں تھا کہ جب قوم نے کانگریس کے جھنڈے تلے اپنی تحریک آزادی کے سلسلے میں بے پناہ قربانیاں دیں اور انگریز کو اس جذبے کو کچلنے کے سلسلے میں مشکلات پیش آئیں۔تو چین کے سربراہ چانگ کائی شیک نے ایک بار پھر امریکہ کے صدر روزولٹ کو اپنی تشویش کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دیا۔"امریکہ کو چاہئے کہ انگریز کو مجبور کرے کہ بین الاقوامی عالمی جنگ کے دوران قوم کے منتخب نمائندوں سے اس قسم کی زیادتی اور ناروا سلوک نہ کرے"۔صدر روزولٹ نے چانگ کائی شیک کا یہ خط چرچل کے پاس بھیجا۔ چرچل نے واپس روزولٹ کو لکھا:

The Congress party in on way represents India & is strongly opposed by over 90 million Mohammadans, 40 million ubtouchable & the India states comprising 90 million--- the military classes on whom every thing depends are thoroughly loyal infact over a million have volunteered for the army.

ترجمہ:۔کانگریس پارٹی کسی بھی طرح ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی اور 9 کروڑ مسلمان، 4 کروڑ اچھوت اور ہندوستانی ریاستوں کے 9 کروڑ لوگ اس کی شدید مخالفت کرتے

ہیں۔فوجی طبقہ جس پر ہر ایک چیز کا دارومدار ہے۔ ہمارے ساتھ مکمل وفادار ہے۔ حقیقتاً 10 لاکھ سے زائد افراد نے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر فوج کے لئے پیش کیا ہیں''۔

انگریز کے جب اپنے مفادات ہوں تو آنکھوں پر پٹی باندھ لیتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کانگریس ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی۔ انگریز کے پاس اس کے کئے ہوئے انتخابات کا کوئی علاج نہ تھا۔ جن میں کانگریس کو ہندوستان کے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں وزارتیں بنانے کا موقع ملا اور دوسری طرف ہندوستان کے سب مسلمانوں کو جناح صاحب کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔

سِکھستان

انگریز کانگریس کی اس قومی تحریک سے ہراساں ہوا اور ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے لگا۔ کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کی قومی یکجہتی اور اتحاد میں کچھ اور دراڑ پیدا کرے۔ مسلمانوں کو تو وہ اپنی جھولی میں سمجھتا رہا۔ ہندوؤں، اچھوتوں کے نام سے امبیڈکر کے ذریعے کافی کام کر چکا تھا۔ اب آخر میں سکھوں پر نظر پڑی۔ وزیر ہند ایمرے لندن سے وائسرائے کو لکھتا ہے کہ تم اپنے ایک افسر کو اس کام پر لگاؤ کہ وہ تحقیق کرے کہ آیا سکھوں کی اپنی کوئی ریاست مسلم لیگ کے پاکستان کی طرح بن سکتی ہے یا نہیں؟ ایمرے تو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی طرح سکھوں کو بھی اپنی ریاست کے مطالبے پر تیار کیا جا سکے تو یہ کانگریس کے لئے ایک الگ مصیبت بن جائے گی اور ہندوستانیوں کا ایک اور حصہ اپنے آپ کو جدا کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اسی طرح کانگریس کی قوت بھی کمزور پڑ جائے گی۔ وزیر ہند تو اس خیال سے بہت خوش ہو رہا تھا لیکن وائسرائے جو موقع پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سکھوں میں اس قسم کی تحریک کی حوصلہ افزائی بالواسطہ پنجاب کو متاثر کرے گی۔ جس میں انگریزوں کو دو طرح سے نقصان تھا۔ ایک یہ کہ اس مسئلے کی اصل مشکلات پنجاب کو پیش آئیں گی اور پنجاب میں کانگریس کی حکومت نہیں تھی۔ وہاں تو مسلمان تھے اور پھر حکومت کے وفادار، تابعدار یونینسٹ تھے۔ جن کی سربراہی سر سکندر حیات خان کر رہے تھے۔ صوبائی حکومت کو مشکلات پیدا کرنے کے علاوہ یہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایک مسئلہ بن جائے گا۔ جس میں کانگریس صاف نکل جائے گی۔ انگریز کا اصل مقصد تو کانگریس کا مقابلہ تھا۔ دوسرے یہ کہ پنجاب انگریز کے فوج بھرتی کرنے کا علاقہ ہے اور موجودہ وقت میں وہاں اس قسم کی شورش پیدا کرنا انگریز کے فائدے میں نہیں۔ اس لئے وائسرائے نے اس تجویز کی مخالفت کی اور 7-9-42 کو لکھا ہے:

> I am certain that if we did show the very slightest of sign of talking " Sikhistan" seriously in the least degree, not only shall we aggravate communal tension gravely in the Punjab, but we should never hear the end of it.

ترجمہ:۔ ''مجھے یقین ہے کہ اگر ہم سکھستان کے مسئلے پر تھوڑی سی سنجیدگی سے توجہ دیں تو اس سے نہ صرف ہم پنجاب میں مذہبی فسادات بھڑکا سکتے ہیں بلکہ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہوگا جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی''۔

ایک وقت میں انگریزوں نے ہندوؤں کی اکثریت اور قوت کم کرنے کی خاطر ایک اور تجویز بھی پیش کی تھی اور وہ تھی اچھوتوں کی جدا حیثیت۔لیکن وزیر ہند کی بات کہ:

Protection of scheduled costes is , of course, impossible on any geographical basis, such as the right of on accession gives the predominantly Muslim provinces.

ترجمہ:۔ ''شیڈول کاسٹ کا تحفظ جغرافیائی بنیادی پر ممکن نہیں جیسا کہ مسلمان صوبوں کا حق غیر شمولیت کے ذریعے تحفظ دیا گیا ہے''۔

کہتے ہیں کہ اچھوت ہندوستان میں ایسے بکھرے ہوئے ہیں۔ ورنہ ایک اور ''اچھوتستان'' کی گنجائش پیدا ہوسکتی تھی۔ البتہ ایک اور طریقہ ہے۔ ایمرے کہتا ہے کہ اگر یہ اچھوت مسلمان ہو جائیں یا عیسائی۔تو پھر ان کے حقوق کے تحفظ کا مناسب بندوبست ہوسکتا ہے۔

ہندو مہا سبھا

وزیر ہند کی اس تجویز کی مخالفت وائسرائے نے کی۔ لیکن وہ اور راہوں کی تلاش میں تھا تا کہ فرقہ وارانہ سیاست کی آگ پر اور تیل ڈال سکے۔ جیسے ذکر آ چکا ہے کہ چین اور امریکہ کی یہ کوشش تھی کہ کانگریس کے ساتھ تصفیے کا کوئی راستہ نکل سکے، تو وائسرائے نے یہ لازمی سمجھا کہ فرقہ وارانہ مخالفت کو ذرا اور ہوا دی جائے۔ کانگریس کے سب چھوٹے بڑے لیڈر، کارکن جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند تھے اور جناح صاحب کے بیانات کچھ اس لئے بھی بہت عجیب لگ رہے تھے کہ دوسری طرف سے کوئی جواب ہی نہیں دے رہا تھا۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس جنگ آزادی کے میدان کا سورما تھی۔ اس نے اپنے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں سب کو ملک کی آزادی کے لئے قربان کر دیا تھا تو کسی کو ہندوستان میں اتنی جرات ہو سکتی تھی کہ وہ ایسے وقت میں انگریز کی حمایت کرے۔ لیکن انگریز تو سارا کھیل خود کھیل رہا تھا۔ اب اس نے ہندو مہا سبھا سے ساز باز کرنا شروع کی کہ اسے مسلم لیگ کی تقسیم ہند کی مخالفت میں میدان میں نکال سکے تا کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان صلح وصفائی کے امکانات ہی ختم ہو جائیں اور دنیا کو عموماً اور امریکہ کو خصوصاً یہ تاثر دے کہ مسئلہ بہت سنگین ہے اور قصہ صرف کانگریس کا ہی نہیں بلکہ اور بھی ایسی قوتیں ہیں جو مسلم لیگ کے اس مطالبے سے بنیادی اختلاف رکھتی ہیں۔ یہاں اب موجودہ حالات میں صرف جناح صاحب ہی لگے ہوئے تھے۔ اپنی بات کہے جا رہے تھے (شاید انگریز ہی کی بات کہے جا رہے تھے) اور جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ جواب دینے والے تو سب قید میں تھے۔ لہٰذا سیاسی مباحثہ کون کرتا۔ ایک طرف سے تو بات بن نہیں سکتی۔ مخالف فریق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی مقصد سے وائسرائے 15-12-42 کو لکھتا ہے:

I have endeavoured to encourage the mohsabha etc by reverting to the topic of the Unity of India though I trust in terms sufficiently guarded so far as the Mulims are concerned to avoid giving Jinnah a leqitimate grievance. but I have also thought it well, for the point is a most important one and the

centre of our position, to bring out that the diffcultties of this country are not due to our reluctance to transfer power , but to the fact that we have offered to transfer power.

ترجمہ:۔''میں نے متحدہ ہندوستان کا مسئلہ اٹھا کر مہاسبھا کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی ہے مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ایسا محتاط انداز اختیار کیا ہے کہ مسٹر جناح کو ناراضگی کا حقیقی جواز فراہم نہ ہو۔ مگر میں نے یہ بھی مناسب سمجھا ہے اور یہ نقطہ اہم اور ہمارے موقف کا مرکز ہے کہ واضح کیا جائے کہ اس ملک کے مسائل ہماری جانب سے اقتدار منتقل کرنے میں ہچکچاہٹ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حقیقت کے باعث ہیں کہ ہم نے اقتدار منتقل کرنے کی پیش کش کی ہے''

انگریز کی چالبازی کو دیکھو کہ کیسے ان مختلف متضاد اور ایک دوسرے کی دشمن قوتوں کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ہندو مہاسبھا کے ساتھ وائسرائے ہندوستان کی وحدت کے لئے تعاون کرتا ہے اور مسلم لیگ اور جناح کے ساتھ تقسیم کے لئے اور اس طرح یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے سے الجھ گئیں۔ جناح صاحب کو تو ایسے مقام تک پہنچا دیا جائے کہ وائسرائے خود یہ کہنے پر مجبور ہے کہ:

Th Muslims will do no business except on their own terms

ترجمہ:۔''مسلمان اپنی شرائط کے سوا معاملہ کرنے کو تیار نہیں''۔

ان کی شرط ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام ہے۔ دوسری طرف مہاسبھا کے لیڈر کہتے ہیں کہ تقسیم ہند تو مقدس گائے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ یہ دونوں فرقہ وارانہ تنظیمیں اپنی اپنی جگہ مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھیں لیکن ان کی تمام حرکت اور کوشش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انگریز دنیا کو بتا سکے کہ میں تو آج ہی اقتدار حوالے کرنے کو تیار ہوں لیکن یہ آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ وائسرائے خود کہتا ہے کہ جناح صاحب نے اب اس قسم کے مطالبے شروع کر دیئے ہیں:

That it is almost inconceiveable that the Hindu majority could accept them.

ترجمہ:۔''لیکن یہ بات قطعی نا قابل فہم ہے کہ ہندو اکثریت اس بات کو تسلیم کر لے''

1943ء کا نیا سال شروع ہونے تک وائسرائے نے جناح صاحب کو آخری سیڑھی پر چڑھا دیا اور ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا تھا کہ وزیر ہند کو خوشخبری سنائی کہ جناح صاحب کا موجودہ رویہ کچھ ایسا ہے۔

:26-1-43

Attitude which might be summed up by saying that if the Congress accepts his terms in full he would treat them kindly.

ترجمہ:۔"ان کے رویے کا اس طرح جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ اگر کانگریس ان شرائط کو پوری طرح تسلیم کرے تو ان کا رویہ ہمدردانہ ہوگا"۔

انگریز کے اس طنز پر ذرا غور کرنا چاہئے۔ وہ وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ مانتے ہو کہ میں نے جناح صاحب کو آج ایسا شیشے میں اتارا ہے اور ایسے مقام تک پہنچایا ہے کہ اس نے یہ رویہ اختیار کرلیا ہے کہ اگر کانگریس اس کے سب مطالبے پورے پورے تسلیم کرے تو شاید وہ ان سے مہربانی سے پیش آئے۔یعنی یہ بات مان لینی چاہئے کہ انگریز کو جناح صاحب اور اس کی مسلم لیگ کی اصلی طاقت اور قوت کا اندازہ نہیں۔ 1937ء کے انتخابات کے نتیجے کیا اسے معلوم نہیں اور کیا مسلم لیگ کا موجودہ اتحاد اور یک جہتی انگریز کی کوشش سے وابستہ نہیں؟

گاندھی جی کی قومی حکومت کی تجویز

گاندھی جی اور کانگریس کے سب رہنما ان دنوں جیل میں تھے۔گاندھی جی نے ''بھرت'' رکھا تھا۔ان دنوں گاندھی جی کی رہائی کے لئے ایک تحریک چلی۔گاندھی جی نے ایک خط میں حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ کانگریس کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں۔اگر حکومت برطانیہ اختیارات جناح صاحب کے حوالے کر دے تو وہ ایک قومی حکومت بنالے۔گاندھی جی کے اس خط نے انگریزوں کو بڑا پریشان کیا۔لیکن وائسرائے نے اپنے 16-2-43 کے خط میں حکومت برطانیہ کو تسلی دی کہ جناح صاحب نے ان لیڈروں کے اجلاس میں بھی شریک ہونے سے انکار کر دیا جناح صاحب اور لیاقت علی خان دونوں نے اس قسم کی حکومت بنانے سے انکار کر دیا:

> And his statement and that of Nawabzada Liaqat Ali Khan, in the Assembly have death pretty effectively with the suggestion that the Muslim League are willing parties to either Gandhi's fast or to his suggestion that a National Govt. can be formed by them with his good will in a day.

ترجمہ:۔''اور اس کے بیان واسمبلی میں نوابزادہ لیاقت علی خان نے یہ تاثر دیا کہ مسلم لیگ مسٹر گاندھی کے بھرت سے یا قومی حکومت کی تجویز سے متفق ہے جو کہ باہمی رضامندی سے ایک دن میں بن سکتی ہے''

اس سے زیادہ کانگریس کیا کرتی۔افہام وتفہیم کی خاطر وہ کہاں تک پہنچے۔انہوں نے کہا کہ اگرچہ انتخابات ہم نے جیتے ہیں۔حکومت کرنے کا حق ہمارا ہے لیکن کوئی بات نہیں اختیارات جناح صاحب کے حوالے کر دو۔لیکن اقتدار ہندوستان کو دے دو۔مگر عجیب تماشا تو یہ تھا کہ اس پیشکش پر انگریز خاموش رہا لیکن قومی حکومت بنانے کی مخالفت جناح صاحب اور لیاقت علی خان نے کی۔ڈھٹائی کی بھی حد ہوتی ہے۔انگریز نے اپنی تمام تر بے ایمانی، بدنیتی، بددیانتی، دھوکہ، فریب، ظلم، زیادتی سب کچھ کو نہایت صفائی اور چالبازی

سے مسلم لیگ اور جناح صاحب کے گلے میں ڈال دیا اور مسلم لیگ اور اس کے اس وقت کے لیڈر کتنی دیدہ دلیری سے انگریز کی اس پالیسی کو کس خوش دلی اور فخر سے آگے لے جا رہے تھے۔ میں کہتا ہوں، اسلام کا مقام تو بہت ہی بلند ہے۔ یہاں تو انسانیت اور شرافت کے تقاضے بھی پورے نہ ہو سکے۔ اگر مسلم لیگ حقیقت میں مسلمانوں کا حق مانگ رہی تھی۔ ہندوستان کی حکومت لینے سے انکار اس لئے تو نہیں کیا کہ یہ اقتدار مسلم لیگ انگریز سے چھیننے گی۔ کیونکہ اس کا جھگڑا انگریز سے تو نہیں کانگریس سے تھا۔ کیا ہوا۔ اگر کانگریس ملک کی آزادی کی جدوجہد میں جیل خانوں میں بند ہے۔

انگریز بھی کیا عجب مخلوق ہے۔ کیسے آپس کی خط کتابت میں نہایت بے باکی سے سچ لکھا ہے اور جیسے اور لوگوں پر سے پردے ہٹاتا ہے اسی طرح کبھی کبھار اپنے متعلق بھی لکھ دیتا ہے اور تو اور (سادہ) ایمرے کو بھی یہ بات معلوم ہے جیسے 8-2-43 کو وائسرائے کو لکھتا ہے:

I don't believe that you will ever get Idian politicians setting down to a reasonable discussion of their own internal problems, so long as they can shirk than by putting the blame on an alien Govt. to that extent there is really something in Ghandhi's plea that Indian's can only agree once we are out of their way.

ترجمہ:۔ ”مجھے یقین نہیں ہے کہ تم ہندوستانی سیاستدانوں کو کبھی ایک جگہ اکٹھا کر سکو جہاں وہ اپنے داخلی مسائل پر معقول بات چیت کر سکیں وہ تو غیر ملکی حکومت کو مورد الزام ٹھہرا کر پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہاں تک تو گاندھی کی بات میں معقولیت ہے کہ ہندوستانی اس بات پر رضامند ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم (انگریز) ان کے راستے سے ہٹ جائیں“۔

پاکستان کے مسئلے پر اُلجھن

Confusion over Pakistan

مسلمان وزراء

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب گاندھی جی نے جیل میں بھرت رکھا اور حکومت ہند نے جس طرح اس کی کوئی پرواہ نہیں کی، تو وائسرائے کی اپنی کونسل کے چند ممبروں نے استعفٰے دے دیئے۔ یہ سب غیر مسلم تھے۔ وائسرائے جب ان غیر مسلموں کے رویے سے مایوس ہوا۔ تو اس وجہ سے تمام تر توجہ مسلمانوں پر دی کیونکہ اسے یہ تسلی تھی کہ یہ اتنی خودداری اور عزت نفس کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔ ایک مسلمان وزیر عزیز الحق کو وزارت میں لیا اور خوراک کا محکمہ اس کے سپرد کیا۔ اس کے متعلق وائسرائے نے وزیر ہند کو تسلی دی کہ امید ہے اس وزیر سے پہلے والے لوگوں کی طرح کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ جو دنیا میں ہمیں بدنام کرے۔ کیونکہ کونسل کے ممبر تو منتخب نہیں۔ یہ تو وائسرائے کی اپنی مرضی سے نامزد کردہ ہیں۔ وائسرائے اپنے 43-5-2 کے خط میں لکھتا ہے:

> I saw him (Aziz ul Haq) yesterday and gave him a taking to him I would run the food department myself, though not publicly, for the time being and he readily accepts that public reasponsibility will, of course, be entirely with him, and he will have to defend the action of the department in public and of course, keep in touch with what is going on inside, as regards Commerce, Industries and Civil Supplies I begged him out to make the mistake of immersing himself in a great deal of detail, that was properly to be handled by the secretaries not to over load himself or to show down action by frequent

interferenace from his high level----He took all this every well and expressed himself ready to play.

ترجمہ:۔ ''میں نے کل اسے (وائسرائے کونسل کے رکن برائے خوراک عزیز الحق) دیکھا اور بات چیت کی۔ وقتی طور پر پس پردہ خوراک کے محکمہ میں خود چلا جاؤں گا۔ اور وہ (عزیز الحق) اس بات پر رضامند ہے کہ عوام میں (اس محکمہ کی) تمام ذمہ داری وہ قبول کرنے کو تیار ہے۔ محکمہ کے تمام اقدامات کا عوام میں دفاع کرے گا اور جو کچھ وہاں اندر ہو رہا ہو گا ہمیں اس سے مطلع رکھے گا۔ جہاں تک تجارت، صنعت اور سول سپلائز کا تعلق ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی ہے کہ وہ ان معاملات میں زیادہ دخل اندازی کرنے کی غلطی نہ کرے۔ یہ معاملات پوری طرح سیکرٹریوں پر چھوڑ دے اور اپنی طرف سے ان معاملات میں بار بار مداخلت کر کے نہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے اور نہ ان کاموں میں سست روی کا موجب بنے۔ ان باتوں کو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور اس پر عملدرآمد کے لئے مکمل تیار ہے''۔ *

یہ فیصلہ وائسرائے نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر مسلم وزراء بھی وائسرائے نے خود چنے تھے اور یہ مسلمان بھی وائسرائے کی پسند کے تھے۔ دونوں کے کردار، عمل اور خودداری میں اس واضح فرق کو جب دیکھتے ہیں تو پھر انگریز حق بجانب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنا پورا اعتماد مسلمانوں پر کیا تھا۔ چاہے وہ سرکاری افسر یا وزیر، اور یا پھر سیاستدان۔ انہی دنوں وزیر ہند ایمرے نے یہ ہدایات بھیجیں کہ جن غیر مسلموں نے گاندھی جی کے بھرت کے سلسلے میں استعفے دیئے ہیں۔ انہیں فوراً منظور کر لیا جائے اور یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ اگر کسی غیر مسلم پر ذرہ برابر بھی یہ شک ہو کہ اس کی ہمدردیاں کانگریس کے ساتھ ہیں تو انہیں فوراً نوکری سے الگ کر دیا جائے۔

---

* سردار شوکت حیات جناح صاحب کے قریبی معتمد اپنی کتاب ''گم گشتہ قوم'' اشاعت 1995ء میں عزیز الحق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 1947ء کے اوائل میں جناح صاحب نے مجھے سیاست سے کنارہ کشی اور دولت کمانے کا مشورہ دیا میں نے کہا نہ مجھے دوران جنگ میدان چھوڑنا آتا ہے نہ میں بڑی دولت کمانے کا طریقہ جانتا ہوں تو جناح صاحب نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کے ایچ خورشید سے کہا کہ وائس رائے کونسل کے ایگزیکٹو ممبر عزیز الحق کے ساتھ فون پر بات کراؤ بات چیت کے بعد سردار شوکت کو وہاں بھیج دیا انہوں نے چیف کنٹرولر درآمد مسٹر مہتہ اور چیف کنٹرولر برآمد میاں امین الدین کو بلا کر ان کو ایک کروڑ سے زیادہ کے پرمٹ دلوائے اس کے بعد جناح صاحب نے بمبئی کے سیٹھ احمد کے ذریعے یورپ سے سردار شوکت حیات کے لئے آرڈر بک کرائے کیونکہ ان کی یورپ میں تجارت تھی۔ اور یوں اُن کو ایک ہی ہلے میں بڑا ہاتھ مارنے دولت کمانے کا طریقہ عملی طور پر بتا ڈالا۔

جناح صاحب اور پاکستان کی تشریح

سر سکندر حیات خان کی وفات ناگہانی کے بعد سر خضر حیات ٹوانہ پنجاب کے نئے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ یونینسٹ پارٹی میں ہندو اور سکھ بھی تھے اور وزیر بھی۔ چونکہ مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کے مسئلے کی مختلف تاویلیں پیش کی جا رہی تھیں۔ تو ان غیر مسلم پنجابیوں نے اپنے وزیر اعلیٰ پر زور ڈالا کہ حکومت کو چاہئے کہ جناح صاحب پر زور ڈالے کہ وہ پاکستان کی تشریح کریں۔ کیونکہ لاہور میں پاس شدہ قرارداد میں ایک ''ریاست نہیں بلکہ ریاستوں'' کا ذکر تھا۔ اب جناح صاحب نے یہ شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک کوریڈور ہوگا جو مسلمانوں کا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں خضر حیات ٹوانہ نے وائس رائے سے پوچھا کہ جناح صاحب جو تاویلیں بیان کرتے ہیں۔ اس سے تو اور ابہام پیدا ہوتا ہے۔ تو بہتر یہی ہوگا کہ جناح صاحب کو مجبور کیا جائے کہ وہ پاکستان کے منصوبے کی تشریح اور وضاحت کریں۔ کیونکہ ہمیں پنجاب میں مشکلات پیش آئیں گی۔ دوسرے یہ کہ اس وضاحت کی روشنی میں مسلمان بھی اپنا فیصلہ کر سکیں گے۔ وائسرائے کب یہ بات مانتا تھا وہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے بہانے سے وقت ٹالتا رہا۔ وائسرائے کی دلچسپی تو پاکستان کی وضاحت میں نہ تھی اور نہ ہی مسلمانوں یا ہندوؤں اور غیر مسلموں سے کوئی سروکار تھا۔ اسے تو پاکستان کے منصوبے بنانے اور تشہیر سے ایک ہی مقصد تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کسی طرح بھی صلح نہ ہونے پائے۔ انگریز کا فائدہ تو اسی میں تھا کہ یہ چیز مبہم رہے اور جتنا یہ ابہام زیادہ ہوگا اتنا ہی خطرناک ہوگا اور مخالف جماعت اتنا ہی خوفزدہ ہوگی۔ خضر حیات ٹوانہ کو وائسرائے نے جو کچھ کہا، لیکن وزیر ہند کو صاف صاف لکھا۔ 4-5-43 کا خط:

From his (Jinnah) own point of view half the strength if his position is that he has refuse to define if (Pakistan) Thus I have no doubt that the famous corridor by which he proposes to link North West Pakistan with North East Pakistan a carridor which would presumably run via Dehli, Lucknow, Allahahad and Patna, cutting of the area North of the corridor from the Hindu

majorities in the South of it would almost in inevitably figure and he would be a fool if he did not make all sorts of excessive demands in respect of tariffs, defence the use of ports and the sites.

ترجمہ:۔''اس کے (جناح) اپنے نقطہ نظر کے مطابق اس کی اپنی حیثیت کا نصف دارومدار اس بات پر ہے جو اس نے پاکستان کی تفصیل بتانے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن مجھے اس پر بالکل شک نہیں ہے کہ شمالی مغربی پاکستان کو شمال مشرقی پاکستان سے ملانے کے لئے ایک ایسے راستے کی تجویز ہے جو دہلی، لکھنؤ، الٰہ آباد اور پٹنہ سے گزرے گا اور یہ راستہ ہندوستانی اکثریتی شمالی علاقوں کو جنوبی علاقوں سے کاٹ دے گا اور اس طرح یقیناً اس (جناح) کی انتہائی غلطی و حماقت ہوگی جو وہ رسائی کے لئے محصولات، دفاع، بندرگاہوں کا استعمال اور دیگر جگہوں کے حق کا مطالبہ نہیں کرتا''۔

انگریز تو خوش تھا کہ جتنا بلند دعویٰ جناح صاحب کریں گے۔ اتنی ہی صلح صفائی کی گنجائش ختم ہوتی جائے گی۔ انگریز کو کیا پڑی تھی کہ وہ پاکستان کے منصوبے کی وضاحت اور تشریح کے لئے جناح صاحب پر زور ڈالے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت تک جناح صاحب یا مسلم لیگ کے اور لیڈر خود اپنے ذہن میں بھی واضح نہیں تھے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر راہداری کے اس مسئلے کو لیں۔ جب انسان اس پر سوچے تو حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ لاہور سے لے کر کلکتے تک یہ راہداری ہندوستان کو درمیان سے کاٹ کر مسلمانوں کی ہوگی۔ آخر کس بناء پر یہ حق بنتا ہے۔ اس پندرہ سو میل لمبے (Corridor) کی نگہداشت کیونکر ہو سکے گی اور پھر اس کی حفاظت کے لئے کتنی ساری فوج درکار ہو گی۔ شمال میں بھی اور جنوب میں بھی۔ ہزاروں سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ جس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان رہنماؤں کے ذہن میں کوئی واضح نقشہ پاکستان کا نہیں تھا کیونکہ یہ ان کا منصوبہ تھا ہی نہیں اور پھر کیا انگریز یہ نہیں جانتا تھا اور تو چھوڑیں۔ یہ ایک راہداری ہی کی تجویز ہی کتنی نامعقول ہے۔ وزیر ہند ایمرے خود جانتا ہے۔ 6-5-43 کے خط میں لکھا ہے:

The practical case, indeed against Pakistan seems to me over whelming.

ترجمہ:۔''عملی حوالے سے پاکستان کے خلاف کیس خاصہ مضبوط ہے''۔

کیا اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کچھ زیادہ عقل اور منطقی دلیل کی ضرورت ہے پھر کیوں انگریز یہ کھیل کھیل رہا تھا۔

گاندھی جی کا خط جناح صاحب کے نام

جب گاندھی کے پہلے خط کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا جو اس نے حکومت ہند کو لکھا تھا کہ اقتدار جناح صاحب کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کا جواب حکومت ہند نے نہیں بلکہ جناح صاحب اور لیاقت علی خان نے دیا اور اس قومی حکومت کی تجویز کو نامنظور کیا تو گاندھی جی نے سیدھا ایک خط جناح صاحب کے نام جیل سے لکھ دیا۔ جسے حکومت ہند نے ضبط کر لیا اور تو چھوڑیں برطانیہ کا وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل ان دنوں امریکہ کے دورے پر تھا۔ جب اسے گاندھی جی کے خط کا علم ہوا تو وہاں سے کہلا بھیجا کہ:

Winston telegraphed from America urging that there should be no communique and the letter simply suppressed.24.4.43

ترجمہ:۔ ''مسٹر ونسٹن چرچل نے امریکہ سے تار یا کہ اس طرح گاندھی اور جناح کے درمیان خط و کتابت نہیں ہونی چاہئے اور اس خط کو دبا دیا جائے''۔

لندن میں انگریز پریشان اور خوف زدہ ہوئے کہ گاندھی جی کی جناح صاحب کی سربراہی میں قومی حکومت کی پیشکش سے انکار کی وجہ سے جناح صاحب کافی بدنام ہو چکے ہیں، تو اب اگر گاندھی جی کا یہ خط آنے دیا جائے تو ممکن ہے افہام و تفہیم کی گنجائش نکل آئے۔ وائسرائے کی رائے میں اس خط پر بندش نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگریزوں نے جناح صاحب کو ایسے مقام تک پہنچا دیا ہے کہ وہاں سے نیچے آنا اب خود اس کے لئے بھی مشکل ہے اور دوسری طرف کانگریس نے بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ پورے ہندوستان کی حکومت اس نے جناح صاحب کو پیش کی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا جو گاندھی جی جناح صاحب کو پیش کریں۔

وائسرائے کو یہ یقین تھا کہ صلح صفائی اور مصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ تو اس صورت میں حکومت یہ خط کیوں رکوائے اور کیوں خود کو ملوث کرے۔ کیونکہ وہ تو دنیا پر یہ بات ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہم تو آج ہی اقتدار چھوڑ دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ ہندوستانی رہنما آپس میں رضامند ہوں۔

جناح صاحب نے اس بات کا برا منایا کہ اسے گاندھی جی کا خط کیوں نہیں دیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین

کے متعلق وائسرائے لکھتا ہے کہ اس نے دہلی میں کھل کر یہ بات کہی کہ اس مسئلے میں ہم جناح صاحب کے ساتھ ہیں اور استعفے دینے تک کو تیار ہیں۔ خط نہ دینے پر جناح صاحب کو انگریز پر غصہ تھا اور دباؤ بھی خوب ڈالا لیکن پھر ایک عجیب قسم کا بیان دے دیا۔ جس کے متعلق وائسرائے 1-6-43 کو خود لکھتا ہے:

Meanwhile the fact Jinnah has wholly associated himself, in his public statement on Gandhi's letter. with the principle that there can be no communication with Gandhi so long as the Mahatma does not call off the policy of last August, is a very valuable advance.

ترجمہ:۔ ''اس دوران مسٹر جناح نے گاندھی جی کے خط کے بارے میں پبلک بیان جاری کر دیا کہ گاندھی جی سے اس وقت تک کوئی خط کتابت نہیں ہو سکتی جب تک وہ گزشتہ اگست کی پالیسی کو واپس نہ لے لیں۔ یہ حکومت کے لئے ایک باعث تقویت قدم تھا''۔

ایک طرف تو خط نہ دینے پہ اعتراض۔ دوسری طرف کہنا کہ گاندھی جی کے ساتھ خط کتابت کا تب تک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک گاندھی اپنی گزشتہ اگست کی پالیسی نہ بدلے۔ گاندھی جی کے اگست کے مہینے کا مطالبہ یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کو آزاد کرے۔ تحریک ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی ہے۔ گاندھی جی نے جناح صاحب کو بات چیت کرنے کی دعوت دی کہ عالمی جنگ شروع ہے۔ ملک میں افراتفری ہے۔ جرمنی نے جاپان اور پوری دنیا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ چاہئے کہ ہم بھی مل بیٹھ کر اپنے مستقبل کا سوچیں۔ گاندھی جی ملاقات کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ جناح صاحب ملاقات کی درخواست اس شرط پہ قبول کرتے ہیں کہ پہلے گاندھی جی (Quit India) کی تحریک کو واپس لینے کا اعلان کرے یعنی گاندھی جی پہلے یہ مانیں کہ ہم نے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ چھوڑ دیا ہے۔ اس کے لئے اپنی تحریک اور جدوجہد ختم کر دی ہے۔ تب جا کر کہیں جناح صاحب ان سے بات چیت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ سوال پوچھنے کا تھا کہ یہ تحریک تو ہندوستان کی آزادی اور اپنے حق خود ارادیت کے لئے سامراجی نوآبادیاتی انگریز کے خلاف چل رہی تھی۔ اس سے جناح صاحب اور مسلم لیگ کو کیا تکلیف تھی۔ یہ کام تو انگریز کا تھا کہ وہ گاندھی کو یہ شرط پیش کرے۔ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے۔

مسلم لیگ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے جو انگریز کی تھی۔ اس طرح جناح صاحب نے حکومت ہند کے اس فیصلے کے لئے بھی جواز پیدا کر دیا ہے جو اس نے گاندھی جی کے خط پر پابندی لگائی تھی۔ یہ تو مردہ کتے والی بات ہوتی۔

کہتے ہیں۔ایک آدمی اپنے دوست کے پاس گیا اور کہا۔گرمی کے فصل سنبھالنے کے دن ہیں۔میں چند دن دیہات میں فصل سنبھالنے کے لئے رہوں گا۔تم اپنا کتا چند دنوں کے لئے مجھے دے دو تا کہ وہ وہاں میرے ساتھ چوکیداری کر سکے۔دوست نے کہا۔میرا کتا تو مر چکا ہے۔یہ کہہ کر رک جاتا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن آگے چل کر کہا کہ اگر زندہ ہوتا تو بھی تمہیں نہ دیتا۔جناح صاحب بھی کہتے ہیں کہ سرکار نے گاندھی جی کا خط دبایا اور نہ دیا۔لیکن میں جواب دے رہا ہوں اور جواب بھی وہی جو انگریز دیتا۔وائسرائے کو اس بات سے جو خوشی ہوئی ہوگی وہ تو ایک طرف۔وزیر ہند ایمرے اس کے متعلق کیا لکھتا ہے۔2-6-43 کا خط:

I confess I admire the shall with which Jinnah has been advantage of your deflation of Gandhi over this business of deflation him one further, while at the same time adoritly saving his own face by making it clear that the only latter which would have satisfied him & which he dared you not to forward , was one one abandoning the whole congress policy.(i.e. to extent making his condition indentical with yours)

ترجمہ:۔''مجھے اعتراف ہے کہ مسٹر گاندھی کی اہمیت گھٹانے کی آپ کی پالیسی میں مسٹر جناح جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ قابل تعریف ہے۔خود پر حرف لائے بغیر مسٹر گاندھی کی اہمیت مزید گھٹانے کے سلسلہ میں کمال مہارت سے واضح کیا ہے کہ فقط ایسا خط ہی اسے مطمئن کر سکتا تھا اور جسے نہ پہنچانے کا آپ کو چیلنج بھی کیا گیا۔جس میں کانگریس کی ساری پالیسی ترک کرنے کی بات یعنی اس حد تک اپنے مطالبہ اور آپ کی شرط کو ایک کیا گیا''۔

انگریز کا مطلب یہ ہے کہ گاندھی جی کی بے عزتی کرے۔تب جا کر اس سے بات ہو سکتی ہے کہ پہلے اس سے وہی تحریک واپس کروائے جو انگریز کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی تھی۔ایمرے تو اس لئے کہتا ہے کہ جناح صاحب نے گاندھی جی کی بے عزتی بھی کی۔بات بھی انگریز ہی کی کر ڈالی یعنی جناح صاحب اور انگریز کی ایک ہی شرط تھی جب اس قسم کے واقعات پر انسان غور کرے تو بار بار یہ بات یاد کرانی پڑتی ہے کہ آیا..................اس وقت مسلم لیگ کے لیڈروں نے اپنے رویے اور پالیسی پہ کبھی اس رخ سے بھی سوچا تھا کہ ہمارے اس رویے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔یا انہوں نے آنکھیں بند کر کے انگریز کی نیت پہ نیت باندھی کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا۔یہ وہی کچھ انتہائی خوشی اور فخر سے کرتا رہے۔

جناح صاحب کی حیثیت

انگریز کی نظر میں

چونکہ اس وقت تک انگریز نے ہندوستان چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا تھا اور وہاں لندن میں بیٹھے ہوئے وزیر ہند کے دل میں کبھی کبھار یہ خدشہ پیدا ہوجاتا تھا کہ وائسرائے جناح صاحب کے ساتھ جو طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ غالب امکان ہے کہ جناح صاحب اس حد تک آگے جائے کہ کل کو وہ انگریز کے لئے مصیبت بن جائے اور پھر جب وقتاً فوقتاً وائسرائے یہ بھی لکھتا ہے کہ میری حتیٰ الوسع یہ کوشش ہے کہ مسلم لیگ میں انتشار اور نفاق پیدا نہ ہو تو اس سے وزیر ہند اور بھی پریشان ہوا کہ پارٹی بھی تم مضبوط کراؤ اور پھر وہ آدمی بھی اس قدر ناجائز مطالبات کرے تو آئندہ بھی ہمارے لئے گاندھی اور کانگریس سے بھی بڑھ کر پریشانی کا سبب بن جائے گا۔ تو آخر کار وائسرائے ہند (Linlithgow) لنلتھگو نے یہ فیصلہ کیا کہ وزیر ہند ایمرے کی تمام تر تشویش ختم کردے۔ اس نے جناح صاحب کی سیاسی حیثیت کا تجزیہ مسلم لیگ کی قوت اور پھر اس کا موازنہ کانگریس سے بہت تفصیل سے صاف الفاظ میں نہایت بے باکی سے اپنی 10-6-43 کی رپورٹ میں کیا:

> Your comments on Jinnah's attitude------- I think he probably books a little nor alarming from London that he does hare. I don't however think he wants a row with the Govt. Through on the other hand (like unfortunately all these Leaders) he exists on being as rude to Govet. (& to his political opponents) as he thinks he dares. I doubt if any one takes it very seriously, and his threats do not cause me any sleepless nights. As I have consistently felt and said both the let land & you. Jinnah would

be quite as bad a master as Ghandi. But Jinnah is not a as strong a position as Ghandi & Congress & he is never likely to be in the near future, since he effectively hold a minority & a minority that can effectively hold its own with our assistence. Nor of course is his orgnisation as deep rooted as is likely to continue to be not merely non constructive but positively destructive, and to endeavour to play his hand so as to get the maximum in the way commitments fovourable to his community & the maximum in the way of hurdles to be taken by the Hindus, but with out facing a showdown with the Govt.

ترجمہ:۔''جناح کے رویے کے بارے تمہارا تبصرہ..........میرا خیال ہے کہ وہ لندن کی نسبت یہاں زیادہ خطرناک نظر آتا ہے۔میرا نہیں خیال کہ وہ گورنمنٹ سے جھگڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔گو دوسری جانب وہ (بدقسمتی سے ان تمام لیڈروں کی طرح) زندہ ہی ممکنہ حد تک (اپنے سیاسی مخالفین) کی جانب ترش رویہ اختیار کرنے کے بل پر ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی اسے سنجیدگی سے کہتا ہے اور اس کی دھمکیاں میری رات کی نیند میں خلل نہیں ڈالتیں۔جیسا کہ میں نے مسلسل محسوس کیا اور زیٹلینڈ اور تمہیں کہا ہے جناح بھی قریباً اتنا ہی برا ماسٹر ثابت ہوگا۔جتنا گاندھی مگر جناح، گاندھی اور کانگریس جیسی مضبوط پوزیشن میں نہیں اور نہ ہی مستقبل قریب میں ہوسکتا ہے کیونکہ وہ ایک اقلیت کی نمائندگی کرتا ہے، ایک ایسی اقلیت کی جو ہماری مدد سے خود اپنا بندوبست کرسکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ نہ صرف غیر تعمیری بلکہ واضح طور پر تخریبی ہی رہے گا اور اپنے سے اس طرح کھیلنے کی کوشش کرے گا کہ اپنی جماعت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفادات اور ہندوؤں کی زیادہ سے زیادہ مشکلات کے فیصلے کروا سکے۔مگر حکومت کے ساتھ محاذ آرائی مول لئے بغیر''*

---

*خود جناح صاحب کو اپنی کم مائیگی کا احساس تھا اس لئے جب دوسری جنگ عظیم کے بعد ان کو زیادہ اہمیت ملی تو وہ حیران رہ گئے پھاکے مینن اپنی کتاب ''انتقال اقتدار'' میں ان کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جب مجھ سے گاندھی جی جیسا سلوک کیا گیا تو میں حیران رہ گیا کہ کیوں اچانک میرے مرتبہ میں اتنا اضافہ ہوا کہ مسٹر گاندھی کے برابر جگہ دی گئی۔

بس ہو چکی بات۔ یا اب بھی کوئی گنجائش ہے۔ انگریز تسلیم کرتا ہے کہ نہ جناح صاحب کی اپنی کوئی قوت ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط تنظیم۔ یہاں تک کہتا ہے کہ مستقبل قریب میں بھی اضافی قوت کا امکان نہیں۔ وہ اقلیتی فرقے کا لیڈر رہے اور یہی اقلیتی فرقہ صرف ہماری امداد پہ اپنی حیثیت قائم رکھ سکتا ہے اس لئے تو وہ وزیر ہند کو تسلی دیتا ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں وہ حکومت سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس سے بڑھ کر واضح الفاظ میں وائسرائے کہے بھی تو کیا۔ وہ برطانوی حکومت کو تسلی دیتا ہے کہ جناح صاحب کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی قوت۔ اسے تو یہ حیثیت ہم ہی نے دی ہے لیکن سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ وائسرائے ہند کے کہنے کے مطابق نہ جناح صاحب کی کوئی نمائندہ حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی قوت یا مضبوط تنظیم تو وہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیسے کرے گا۔ یہ تو انہیں خود بھی معلوم ہے کہ اس کی طاقت اور قوت انگریزوں کے ہاتھوں میں ہے اور آج وہی انگریز کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان میں خود انتخابات کرائے تو بات صاف واضح ہے کہ ہندوستانیوں نے کس پر اعتماد کیا ہے تو میں صرف قوم کے ان منتخب نمائندوں اور اس سیاسی تنظیموں کے ساتھ ہندوستان کے مستقبل کے لئے مشورہ کروں گا۔ کیونکہ قوم نے انہیں اسی لئے منتخب کیا ہے تو پھر مسلم لیگ اور جناح صاحب کی حیثیت کیا ہوگی۔ بات یہ نہیں کہ صرف وائسرائے کو یہ معلوم تھا کہ جناح صاحب کی کوئی قوت اور حیثیت نہیں۔ جناح صاحب یہ خود بھی محسوس کر چکے تھے اور تو چھوڑیں لاہور میں اسی اجلاس میں جس میں پاکستان کی تجویز پاس ہوئی اپنے مسلم لیگ کے ساتھیوں کو بتایا کہ اب تک تو وائسرائے بغیر گاندھی کے کسی کو مانتا ہی نہ تھا جو کچھ تھا گاندھی ہی گاندھی تھا۔ لیکن جب یورپ میں جنگ چھڑی تو وائسرائے نے مجھے بلایا۔ الفاظ یہ ہیں:

> After the war (began) I was treated on the same basis as Mr. Gandhi, I was wonder struck why all of a sudden I was promoted & given a place side bye side with Mr. Gandhi.
>
> ترجمہ:۔ ’’جنگ (شروع ہونے) کے بعد مجھ سے گاندھی کے برابر سلوک ہونے لگا۔ میں حیران تھا کہ اچانک مجھے ترقی دے کر گاندھی کے ساتھ جگہ دی جا رہی ہے‘‘۔

جناح صاحب خود حیران ہے کہ میری ترقی کیسے ہوئی اور وائسرائے نے مجھے گاندھی کے مساوی حیثیت کیسے دی۔ تو قصہ مختصر کہ وائسرائے صاحب کو بھی جناح صاحب کی حیثیت حقیقت اور قوت کا علم ہے اور خود جناح صاحب کو بھی کہ نہ تو میں انتخابات جیتا اور نہ ہی اپنی سیاسی تنظیم اتنی قوی اور مستحکم ہے تو پھر کیوں انگریز نے مجھے یہ بلند مقام دیا تو اس کا لازمی نتیجہ ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے کہ جناح صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش ہوگی کہ انگریز کی دی ہوئی حیثیت اور مقام کبھی ہاتھ سے نہ نکلے۔ جناح صاحب کو اس کا بھی علم ہے

کہ انگریز کے پاس کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور نہیں تو اس کی بھی ہر قوت یہ کوشش تھی کہ اس مجبوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن یہ بات بھی ہمیشہ مدنظر رکھی کہ کہیں بات اتنی دور نہ نکلے کہ بالمشافہ انگریز سے مقابلہ کی نوبت آ جائے۔

لیکن وزیر ہند ایمرے کی تسلی نہیں ہو رہی تھی تو دوسرے خط میں وائسرائے لنلتھگو نے مسلم لیگ کے متعلق بنیادی بات لکھ دی۔ لکھتا ہے کہ ان کے اخباری بیانات کو نہیں دیکھنا چاہئے۔ 4-10-43 کے خط میں یوں لکھتا ہے:

> But I believe as I have often said to you in these matters that he Muslim. (ie Mr. Jinnah) thought they are bound to abuse us in the interest of keeping their place in the public eye & so safegurading their reputation as good nationlist, have nothing to gain from a further weakening of that connection & do not want any such weakening.

ترجمہ:۔ ''مگر میرا یقین ہے کہ جیسا کہ میں نے تم سے اکثر ذکر کیا ہے کہ ان معاملات میں مسلمان (یعنی جناح) گو عوام کی نظر میں رہے اور اچھے قوم پرستوں کی شہرت قائم رکھنے کی خاطر ہمیں برا بھلا ضرور کہیں گے مگر انہیں برطانوی رابطے کے منقطع ہونے یا اس رابطے کے مزید کمزور ہونے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اور وہ ایسی کمزوری کے خواہشمند نہیں''۔

وائسرائے کہتا ہے کہ جناح صاحب ہمیں برا بھلا اس لئے کہتا ہے کہ قوم کو یہ تاثر دے کہ وہ ایک قوم پرست لیڈر ہے اور اس طرح وہ عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ انگریز یہاں حکمران کی حیثیت سے موجود ہو۔ وہ انگریز کے ساتھ قطع تعلق نہیں چاہتا۔ قطع تعلق تو دور، وہ اپنے تعلقات کو کمزور بھی نہیں کرنا چاہتا۔

صوبہ سرحد اور انگریز

انگریز کی پوری پالیسی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نے فرقہ وارانہ سیاست اور مذہبی جذبات کو ابھارنے اور مسلم اور غیر مسلم میں نفاق اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے لئے جس نفرت اور حقارت کی بنیاد رکھی اس میں صوبہ سرحد کی خدائی خدمتگار تحریک ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ اس تنظیم کی نہ انگریز کی داخلی پالیسی میں جگہ تھی اور نہ ہی اس کی خارجی پالیسی میں۔ انگریز کے لئے ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ صوبہ سرحد کی آبادی میں مسلمان تقریباً 92 فیصد تھے جو پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ تناسب تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ یہ صوبہ سرحد ایسے مقام پر واقع تھا جسے انگریز اپنی سرحد کہتا تھا۔ ویسے تو انگریز کی سلطنت اس وقت اتنی وسیع تھی کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن انگریز اس صوبے کو سرحد اس لئے کہتا تھا کہ یہاں انگریز کا اپنے حقیقی دشمن سے سامنا تھا اور یہ سامراج اور نوآبادیتی نظام کے نمائندہ تاج برطانیہ کی سرحد تھا۔ دوسری طرف روس کی سرحد تھی جہاں پہلے زارشاہی تھی اور زارشاہی جو اپنی سرحد افغانستان کے دریائے آمو کے کنارے تک کھینچ لائی تھی لیکن 1917ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد انگریز کو آہستہ آہستہ اور بھی خطرات پیدا ہوئے۔ اور آمو دریا جواب تک ایک جغرافیائی سرحد تھا۔ انقلاب کے بعد یہی سرحد جغرافیائی کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحد بھی بن چکا تھا اور اسی نظریاتی یلغار سے بچاؤ کے لئے انگریز بھی ایک نظریاتی قوت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریز نے اپنی تمام تر قوت مسلمانوں کے اتحاد اور طاقت کو ختم کرنے کے لئے استعمال کی۔ انگریز نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور وہ خود سمندر کے راستے سے ہندوستان آیا تھا اور دوسری طرف شمالی افریقہ سے لے کر مشرق وسطیٰ تک یہ ایک عظیم قوت مسلمانوں کی تھی اور پھر سب سے بڑھ کر ترکی کی خلافت عثمانیہ مسلمانوں کی مضبوط حکومت تھی۔ انگریز کو معلوم تھا کہ جب تک مسلمانوں کی قوت کو سرے سے اکھاڑ نہ پھینکے تو وہ ہندوستان میں چین کی نیند نہیں سو سکتا اور نہ ہی اس بے پناہ دولت کو ہضم کر سکتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہونے تک انگریز نے ترکوں کی خلافت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا اور اس عظیم اتحاد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا تھا اور اپنے ہاتھ کی کٹھ پتلیوں کو وہاں بیٹھا چکا تھا۔

جنگ کے خاتمے پر انگریز مطمئن تھا کہ اس کو مسلمانوں کی طرف سے اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اور اس نے اسلام کی اس بین الملکی عظیم قوت کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن اس جنگ کے دوران روس میں ایک عوامی انقلاب آیا۔ پہلے تو انگریز اور سامراجی قوتوں نے کوشش کی کہ اس انقلاب کو ابتدا ہی میں ناکام بنائیں۔ انقلاب ضد قوتوں کے ساتھ ساز باز کی لیکن بات نہ بنی۔ روس کی ناکہ بندی کر دی تاکہ بیرونی دنیا کے ساتھ کسی قسم کا تجارتی لین دین نہ ہو سکے۔ یہ کوشش تھی کہ اس طرح سے یہ نیا انقلاب اقتصادی طور پر کمزور اور تباہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ سازش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ اب انگریز کو حقیقتاً فکر دامن گیر ہوئی۔ اور اسی نظریاتی انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے ازسرنو سوچ اور فکر شروع کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے جتنے بھی ہاتھ پاؤں مارے کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے سامنے صرف اور صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اسلام کو اپنے ذاتی غرض کے لئے استعمال کرے اور اس نظریاتی قوت کو روس کے اس انقلابی اور نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے مضبوط بنائے۔ انگریز مجبور ہوا کہ جس اسلامی قوت کو ختم کرنے کی خاطر اس نے ترکوں اور دوسری قوتوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اب ایک بار پھر اس اسلام کو اٹھائے اسے مضبوط بنائے۔ انگریز کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر حقیقی اسلامی روح قائم رہی تو اس میں تو کافر انگریز کا نقصان ہے اور ایک مشکل یہ بھی تھی کہ حال ہی میں مسلمانوں کی عظیم خلافت کے خلاف اس نے کھل کر جنگ لڑی تھی۔ اس لئے حقیقی اسلام انگریز کو درکار نہ تھا۔ اسے تو ایسا اسلام چاہئے تھا کہ جو اس کی سامراجی نوآبادیاتی شہنشاہیت کا ساتھ دے اور انقلابی روس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نظریے کی حیثیت سے انگریز کا ہتھیار رہے۔ اس لئے انگریز کی پالیسی بدل گئی۔ وہ اسلام کے نام پر ایک ایسا ہلال بنانا چاہتا تھا کہ وہ ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک روس کے گلے میں ایک طوق کی طرح ہو۔ جسے انگریز اپنی زبان میں (Military Crescent) یعنی فوجی ہلال کہتے ہیں۔

ہندوستان میں بھی فرقہ وارانہ نفرت اور دشمنی کی بنیاد اس لئے رکھی گئی اور اسی بین الاقوامی سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے انگریز نے یہ ضروری جانا کہ یہ طوق تب تک مکمل اور مضبوط نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کے نام پر ہندوستان کے شمال کا ایک حصہ روس کی سرحد کی طرف الگ نہ کر دیا جائے تاکہ ترکی اور ایران کے ساتھ ساتھ چین کی سرحد تک اسلام کے نام پر ایک مضبوط قلعہ بن جائے جو روس کے خلاف انگریز سلطنت کے بچاؤ اور ہندوستان کو غلام رکھنے کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بن سکے۔ انگریز بہت ہوشیار اور چالباز تھا۔ وہ اپنے لئے ایسے ساتھیوں کی تلاش میں تھا جو انگریز کے اس مقصد کو پورا کر سکیں۔ اب غور سے دیکھیں تو باچا خان اور اس کی خدائی خدمتگار تنظیم کے لئے انگریز کی اس پالیسی میں کہیں بھی گنجائش نہیں تھی۔ انگریز کی اندرونی پالیسی یہ تھی کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان نفرت، حقارت اور دشمنی

کے بیج بوئے جائیں۔خدائی خدمتگار اس کی اس پالیسی کے سخت مخالف تھے۔دوسری بات یہ تھی کہ انگریز اسلام کو اپنی سامراجی نوآبادیاتی شہنشاہیت کے بچاؤ کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور خدائی خدمتگار ایسا کرنے کو قطعاً تیار نہ تھے بلکہ ان کا مطالبہ، جدوجہد اور کوشش تھی کہ انگریز ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے۔ہندوستان آزاد ہو اور تمام اختیارات قوم کے حوالے کردیئے جائیں تاکہ اس کی دولت اور وسائل قوم کے بھوکے ننگے اور بے سروسامان غریب لوگوں کے کام آسکیں۔اسی مقصد کے لئے ہندوستان کی ایسی قوتوں کے ساتھ انہوں نے اتحاد کیا تھا جو ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی تھیں اور وہ انڈین نیشنل کانگریس تھی جو ملک میں رہنے والے باشندوں کی ایک قوم پرست تنظیم تھی۔جس میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی سب کے سب شامل تھے۔(اس میں یقیناً ہندوزیادہ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی) کانگریس کا بنیادی مقصد ملک کی آزادی تھا اور انگریز کو ہندوستان سے نکالنا مقصود تھا۔کانگریس کسی بھی صورت روس سے مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھی بلکہ اس کی کوشش تھی کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر واپس چلا جائے۔انگریز نے خوب سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کے اندر اس کی دشمن کانگریس ہے۔کانگریس کا نظریہ قومیت تھا۔

جیسے سر شیخ محمد اقبال کہتے ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

انگریز کا بیرونی دشمن روس تھا۔اس کی تیز، نظر باز اور ہوشیار آنکھوں نے فوراً دیکھا کہ ایک طرف اگر انگریز اسلام کو اپنی غرض کے لئے ایک نظریے کے طور پر روس کے خلاف استعمال کرسکتا ہے تو دوسری طرف یہی انگریز اسی اسلام کو ملک کے اندر کانگریس کے خلاف بھی استعمال کرسکتا ہے۔اس کی مشکل آسان ہوگئی کہ اگر ایک اسلام کو قابو کرے تو یہاں ہندوستان میں اسے فرقہ وارانہ نفاق، نفرت اور دشمنی کے لئے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔جبکہ بین الاقوامی میدان میں ایک نظریاتی قوت کے طور پر اسے روس کے انقلابی اشتراکی نظریے کے خلاف استعمال کرسکتا ہے اور یہی پالیسی تھی جس پر انگریز عمل پیرا ہوا۔اس پالیسی میں سب سے بڑی رکاوٹ صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار تھے کہ نہ وہ ہندو مسلم نفاق اور نفرت کی خاطر ہندوستان کی قومی اور عوامی تحریک سے الگ ہو رہے تھے اور نہ ہی روس کے خلاف انگریز کے نظریاتی مقابلے کے لئے اسلام کے نام کو استعمال کرنے کے لئے رضامند تھے۔انگریز کو ایک یہ مشکل بھی درپیش تھی کہ اس صوبے میں مسلمان بہت زیادہ اکثریت میں تھے۔دوسرے یہ کہ صوبہ سرحد کے ساتھ قبائلی علاقہ تھا اور اس کے ساتھ افغانستان کی سرحد تھی جو انگریز نے ڈیورینڈ لائن کے ذریعہ نکالی تھی تاکہ پختونوں کو تقسیم کر

دیا جائے۔ اگر چہ بہت لڑائیاں لڑی گئی تھیں۔ لیکن پھر بھی انگریز پشتونوں سے مکمل طور پر مطمئن نہ تھا۔ ایسے حالات میں انگریز کی ناک کے نیچے ایک قومی تحریک کا ابھر آنا اس کے لئے ایک بڑا خطرہ تھا اور اس کے مفادات کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ تھی۔ ان کا ہندوستان کی قومی تحریک کانگریس کے ساتھ تعاون واقعتاً انگریز کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ انگریز کی تمامتر کوشش یہ تھی کہ اس تحریک کو کانگریس سے علیحدہ کرے اور بزور کچل کر ختم کردے۔ کیونکہ یہ صوبہ ایک تو نہایت ہی حساس علاقے میں واقع تھا۔ دوسرے ہندو اور مسلمان کی نفرت کی تحریک یہاں پھل پھول نہ سکی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خدائی خدمتگار تحریک کے یہ قوم پرست اور دلیر ایسے تھے کہ انگریز کے بے پناہ مظالم، تشدد، مار پیٹ، گھروں کو اجاڑنا، جلانا، جیل خانوں کی سلاخیں اور اس کی تکالیف، جائیدادوں کی ضبطی اور ہر قسم کے حربے جو انگریز استعمال کر رہا تھا، اس کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔

مولانے اور خوانین

انگریز نے اگر ایک طرف جبر وتشدد اور مار پیٹ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ تو دوسری طرف اس قومی تحریک کے خلاف اپنا اثر ورسوخ، مال ودولت بھی استعمال کرتا رہا اور وہ سب حربے استعمال کیے جو اس کے بس میں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز کا پہلے تو یہ خیال تھا بلکہ یقین تھا کہ میں حکومتی طاقت اور جبر وتشدد سے اس تحریک کو کچل ڈالوں گا۔ اس نے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کیا۔ سر، نواب، خان بہادر، خانصاحبان، جاگیردار، یہاں تک کہ آنریری مجسٹریٹ اور پنے تمام غنڈے کاسہ لیس اکٹھے کر لئے۔ ہزار ہا جوانوں کو جیل میں ڈال دیا۔ خوانین کے بچوں کو انگریز کے ڈنڈا بردار فورس کی حیثیت سے بھرتی کر لیا۔* خدائی خدمتگاروں کے گھروں کو لوٹا بچے خوار وخستہ حال ہوئے۔ ہری پور کا جیل خانہ ان قیدیوں کا قبرستان بن گیا۔ خدائی خدمتگاروں کی ان بے پناہ قربانیوں، اپنے مقصد کے لئے ڈٹے رہنے کی وجہ سے انگریز مجبور ہو گیا، اور سرحد کو دوسرے صوبوں کے مساوی صوبہ کا درجہ دینا پڑا۔ اور پھر جب 1935ء انڈیا ایکٹ کے تحت یہاں پہلی بار انتخاب ہوا۔ اگر چہ اس وقت پوری قوم کا (بالغ رائے دہی کی بنیاد پر) ووٹ نہیں تھا لیکن ووٹروں نے ان سب انگریز معتبرین کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اگر چہ خدائی خدمتگاروں نے اس پہلے الیکشن میں قطعی اکثریت حاصل نہیں کی لیکن پھر بھی 50 کی اسمبلی میں خدائی خدمتگاروں کے 19 ممبر جیت گئے تھے۔ اس الیکشن سے دو باتیں واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ سوائے خدمتگار تحریک کے اور کوئی بھی منظم تحریک نہیں تھی جو ان انتخابات میں جماعتی حیثیت سے حصہ لیتی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ خدائی خدمتگاروں نے ان انتخابات میں جن جن شخصیتوں کو شکست دی تھی، ان میں سب سے عبرتناک شکست انگریز کے ایک مہرے نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم کو ہوئی۔ جس کو زیدہ گاؤں کے ایک کم عمر خدائی خدمتگار عبدالعزیز خان نے ہرایا۔ دوسری ہوتی کے نواب سر محمد اکبر خان کو اپنے ہی خاندان کے ایک خدائی خدمتگار امیر محمد خان (جو خان لالہ کے نام سے مشہور

---

*بٹوارے کے وقت یہ ڈنڈا بردار جھتے صوبہ سرحد میں "غازی" کے نام سے منظم کئے گئے انہی جھتوں نے صوبہ میں غیر مسلموں کا جان و مال لوٹا لیگی شعراء نے ان شہیدوں کے لئے باقاعدہ ترانے لکھے چنانچہ ملک اشعراء سمندر خان کا مشہور ترانہ "غازی دلبرہ" اسی زمانے کی یادگار ہے، غازی تنظیم کا سالار اعلیٰ اتمانزی کے مشہور قام فروش خان بہادر کا بیٹا تھا۔

تھے) نے شکست دی۔ اسی طرح تہکال کے نواب گھرانے کے نواب شیر علی خان نے اپنے ہی گھرانے کے ایک نوجوان ارباب عبدالغفور کے ہاتھوں شکست کھائی، اور ضلع کوہاٹ میں انگریز کے ایک دوسرے بڑے ستون خان بہادر قلی خان کو ایک خدائی خدمتگار محمد افضل خان نے ہرایا۔ خدائی خدمتگاروں کے مقابلے میں جو ممبر کامیاب ہوئے ان میں تین نواب، دو نوابزادے، دو خان بہادر اور چار خان صاحبان تھے۔ ایسے ہی ہندوؤں میں چھ میں سے چار رائے بہار اور دو رائے صاحبان تھے۔

جیتے ہوئے ممبروں کی تفصیل یہ ہے:۔

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان	ہزارہ
نواب سر یار محمد خان،	ٹیری کوہاٹ
نواب سر محمد ظفر خان،	بنوں۔

صاحبزادہ قیوم جو اپنے حلقہ انتخاب میں ہار گئے تھے اور پھر ہزارے میں راجگان کی سیٹ سے جیت گئے۔

نواب زادہ اللہ نواز خان،	ڈیرہ اسماعیل خان
نوابزادہ محمد سعید خان	ایضاً
خان بہادر سعد اللہ خان	لینڈ لارڈ
خان بہادر محمد زمان	ہزارہ
خان صاحب اسد اللہ خان	ڈیرہ اسماعیل خان
خان صاحب عبدالمجید خان	ہزارہ
خان صاحب راجہ عبدالعزیز	ہزارہ
خان صاحب محمد عطائی خان	ہزارہ

ان انتخابات کے فوراً بعد انگریز نے صوبہ سرحد میں اپنی سیاست کا جائزہ لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ نواب، خوانین، خان بہادر، جاگیردار اور ذیلدار اپنی اپنی جگہ کتنے ہی مضبوط ہوں لیکن جب تک یہاں ایک مضبوط سیاسی جماعت نہ بنے۔ انگریز خدائی خدمتگاروں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لیکن نہایت حیرانگی کی بات ہے کہ انگریز نے اپنے تابعداروں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن بات کچھ آگے نہ چل سکی۔ اس وقت تک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا نام تک نہ تھا اور صوبہ سرحد کی اسمبلی میں کوئی نمائندگی نہیں تھی۔ خدائی خدمتگاروں کے علاوہ باقی سب ممبران اسمبلی آزاد تھے۔ ان کا کسی سیاسی تنظیم سے کوئی تعلق نہ تھا۔

انگریز کو یہ بات معلوم تھی کہ پشتونوں کے دو رہنما ہوتے ہیں ایک دینی اور دوسرا دنیاوی۔ اب تک انگریز دنیاوی رہنماؤں پر بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ بہت کوشش اور جستجو کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پشتون

ایک خوددار اور بہادر قوم ہے لیکن ان کے اس وقت کے معاشرے میں قبائلی زندگی اور سرداری نظام کے باعث اجتماعیت کا تصور نہیں تھا۔ نفسانفسی اور انفرادیت تھی۔ ان کے اپنے خوانین، ملک، رہنما اور سپید ریش تھے لیکن فیصلے سرداری نظام کی طرح سردار نہیں کرتے تھے بلکہ قومی جرگے کے ذریعے سے ہوتے تھے اور چونکہ بزرگ اور سپید ریش قوم کی رائے اور مشورے کے تابع ہوتے تھے۔ اس وجہ سے انگریز اس طرف ہمت نہ کر سکا۔ انگریز کو یہ بتایا گیا کہ پشتونوں میں ہی پرانے خاندان اور قومی خوانین کو ایک طرف دھکیل کر اپنے خوانین پیدا کرے۔ مطلب یہ کہ اس میدان میں اپنے پودے لگائے۔ تب ہی انگریز اپنے ہی ہاتھوں لگے ہوئے درختوں کے سائے میں آرام سے بیٹھ سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ انگریز کے بنائے ہوئے قوانین مکمل طور پر انگریز سے وابستہ ہوں گے۔ ان کی تمام دولت، قوت، اثر ورسوخ، عزت انگریز سرکار کی حمایت پر موقوف ہوگی وہ یہ کبھی جرات نہیں کر سکتے کہ انگریز کے خلاف ایک لفظ بھی کہیں یا کوئی قدم اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح سے ان کا تمام دبدبہ، مراعات، دولت ختم ہو جائے گی اور سفارشوں سے محروم ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے انگریز نے انہیں عزت کے اس اونچے مقام تک پہنچایا۔ یہ خطاب یافتہ سر، بے ریاست کے نواب، بغیر بہادری کے خان بہادر، خان صاحبان، جاگیردار، ذیلدار اور ان کے خاندان انگریز ہی کے کرم سے زندہ اور اس کے انعام واکرام پہ پلتے تھے اور ان کے بچوں کے لئے فوج اور سول میں نوکریاں حاضر تھیں۔ انگریز نے یہ ایک ایسا طبقہ بنا ڈالا۔ جس کی اس قوم میں ایک سرکاری حیثیت تھی۔ جن کی سفارشات منظور ہوتی تھیں۔ یہ آنریری مجسٹریٹ تھے۔ مقدمات کا خود فیصلہ کرتے تھے۔ قتل کے مقدمات تک کے فیصلے بھی یہ سناتے تھے۔ لوگوں کی قید و بند اور آزادی ان کے ہاتھوں میں تھی۔ انگریز کی نظر میں یہی قومی رہبر و رہنما تھے۔ ان کے سوا وہ نہ ان پرانے بڑے بڑے خاندانوں کو خاطر میں لاتا تھا اور نہ ہی اس کی کتاب میں ان سفید ریش بزرگوں کی کوئی حیثیت تھی جو قوم کے اصل بزرگ و رہنما تھے۔

انگریز نے اس پالیسی کے ساتھ ساتھ اس اپنے ایک فیصلے کے تحت اس پشتون قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ کچھ افغانستان، کچھ یاغستان، قبائلی علاقہ، کچھ ایجنسیاں، کچھ ریاستیں اور باقی کو براہ راست اپنے پنجے کے نیچے رکھا اور ایک بڑا حصہ یہاں سے الگ کر کے بلوچستان کے ساتھ ملا دیا۔ اسی طرح اس کی یہ کوشش تھی کہ پشتونوں کے اس اجتماعی زندگی کے تصور کو بالکل ختم کر دے اور اس سلسلہ میں انگریز اس انتہا کو پہنچا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے ان خوانین اور نوابان کے کسی قسم کے اتحاد اور اتفاق پر راضی نہ تھا۔ بلکہ انگریز کا مقصد یہ تھا کہ جتنی بھی ان مختلف گھرانوں اور قبیلوں کے رہنماؤں کی آپس میں دشمنی ہوگی اتنا ہی ایک دوسرے کی ضد میں سرکار کی تابعداری مین ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اپنے کو ایک دوسرے کے مقابلے میں اچھا اور اصل خدمتگار، تابعدار یہاں تک کہ غلام ثابت کرے۔ اس منصوبے سے کچھ عرصے کے لئے تو انگریز کا کام بہت اچھا چلا۔ لیکن جب خدائی خدمتگار تحریک

شروع ہوئی تو اس میں قوم کے محروم لوگ اور خصوصیت سے غریب شامل ہوتے۔ پہلے تو سرکار نے انہیں خوانین کے ذریعے کچلنے کا انتظام کیا۔ لیکن انتخابات کے بعد انگریز کو معلوم ہوگیا کہ خواہ انفرادی طور پر ان سرکاری تابعداروں کا اپنے اپنے علاقوں میں کتنا ہی اثر ورسوخ ہوتا۔ لیکن جب تک یہ ایک جماعت کی حیثیت سے منظم نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ ایک قومی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان اور سر محمد اکبر خان ہوتی جیسے شخصوں کی عام گھرانے کے آدمیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس نے انگریز کو احساس دلایا کہ ان سرکاری نوابوں کے آپس کے اختلافات سے انگریز کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

دوسری طرف اپنے تجربے سے انگریز نے یہ سیکھا کہ اس کا مقصد اب صرف اسلام کے نام پر سیاست کرنے سے پورا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ مسلم لیگ کی بنیاد ستمبر 1937ء کو ایبٹ آباد میں ملاؤں کے ہاتھوں رکھی گئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جمعیت العلماء کے صدر مولانا شاکر اللہ (نوشہرہ سے) کی سرکردگی میں مسلم لیگ بنیاد رکھی گئی۔ اور یہی جمعیت العلماء کا صدر مسلم لیگ کا پہلا صدر اور اسی جمعیت العلماء کے سیکرٹری مولانا محمد شعیب (مردان) اس کے سیکرٹری بنے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اپریل 1937ء میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی سربراہی میں جو وزارت بنی تھی وہ ستمبر 1937ء میں عدم اعتماد کی وجہ سے کیوں ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے قیام کو ایک سال ہوگیا اور اپنے محدود اختیارات کے باوجود ڈاکٹر خان صاحب کی سربراہی میں صوبے کی وزارت نے کچھ اصلاحات کیں۔

انقلابی اصلاحات کا مقصد، جاگیروں کی ضبطی، آنریری مجسٹریٹی کا خاتمہ، جبری چوکیداری بند کرنا تھا۔ یہ ایسے فیصلے تھے جن کا اثر انگریز کے ان تابعداروں پر پڑا۔ جن کے ذریعہ انگریز نے پوری قوم کو محتاج بنا لیا تھا۔ انگریز نے ان سروں، جاگیرداروں، نوابوں، خوانین خان بہادروں، وغیرہ کو کھل کر کہا ہے کہ جب تک تم ایک قوت نہ بن جاؤ، ایک منظم جماعت کے جھنڈے تلے اکٹھے نہ ہو جاؤ، تو تم خدائی خدمتگاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جیسے گزشتہ انتخابات نے یہ بات ظاہر کردی۔ آج غریب اپنے آپ کو ملک کا مالک سمجھنے لگا ہے کیونکہ حکومت قوم کے ووٹ کے ذریعے بنے گی اور غریبوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو انگریز اور اس کے کاسہ لیس ڈر گئے۔ ان سرکاری خوانین کو اپنے مستقبل کی فکر لاحق ہوگئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں مورچوں پر قومی تحریک کا مقابلہ کیا جائے۔ ستمبر 1938ء کو مولانا شاکر اللہ (نوشہرہ) کی جگہ خان بہادر سعد اللہ خان مسلم لیگ کا صدر بنا اور اس طرح مسلم لیگ کو نوابوں، سروں، خان بہادروں، جاگیرداروں اور آنریری مجسٹریٹوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور یہی انگریز کے لئے پشتونوں کے خلاف دنیاوی جماعت بن گئی۔ اس کے ساتھ ہی ملاؤں کی ایک تنظیم بھی منظم کی گئی جس کی تفصیل صوبے کے اس وقت کے گورنر سر جارج کننگھم کی اپنی ڈائریوں میں نہایت تفصیل سے لکھی ہوئی ہے۔ یعنی انگریز نے اپنی جانب سے پشتونوں کے خلاف مغل بادشاہ اکبر کی طرح دونوں مورچوں پر تنظیمیں منظم کیں۔

سر جارج کننگھم کی ڈائریاں

The Price of Mullah

چونکہ انگریز کی کی پوری پالیسی کا دارومدار اسلام پر تھا۔ اس لئے سر جارج کننگھم کی اس رپورٹ کو میں تفصیل سے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ کافر انگریز نے کسی طرح مختلف ذریعوں اور طریقوں سے مسلمانوں کے دینی رہنماؤں اور حقیقت میں رسول اکرمؐ کی جائے نماز کے، وارثوں اور اس کے محراب اور ممبر کے تابعداروں کو اپنے کافرانہ اغراض کے لئے استعمال کیا اور کس قدر رستا استعمال کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس میں بعض نام ایسے ہیں جس کے ظاہر کرنے سے ان علمائے دین کے پسماندگان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن میں اسے اپنا خضری فریضہ سمجھتا ہوں کہ قوم کو ان تمام حضرات سے آگاہ کروں جنہیں کافر آقا اور نو آبادیاتی سامراجی قوت کے علمبرداروں نے اپنے تاج وتخت کے لئے سازشوں میں استعمال کیا تا کہ قوم باخبر اور بیدار ہو کر آنکھیں کھولے کہ کل کو کوئی دوسری قوت قوم کا حق اسلام کے پاک اور مقدس نام سے غصب نہ کر سکے اور ان دین فروش ملاؤں کی نشاندہی ہو تا کہ آنے والے اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔
سر جارج کننگھم کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ڈائریاں جب انسان پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ کتنے معزز، خوش شکل، فرشتہ صفت، دینی مدرسوں اور تو اور دیوبند جیسے انقلابی اور اسلامی روح کو درخشاں رکھنے والے مدرسے کے کچھ فارغ التحصیل علماء بھی انگریز کے لئے مصروف کار تھے۔ اللہ کے قرآن کو ہاتھ میں لے کر رسول کے فرمان کو گلے میں ڈال کر کافر انگریز کی حکومت کے لئے اور اپنے ملک و وطن، قوم اور مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے اپنے ضمیر، ایمان اور انسانیت کا سودا چند سکوں کے لئے کیا۔

سر جارج کننگھم کی یہ ڈائریاں اس کے ذاتی کاغذات میں لندن کے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں۔ کوئی اگر ثبوت چاہتا ہے یا اس سلسلے میں اور تحقیق کرنا چاہتا ہے، تو وہ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے ان ڈائریوں کی نقل سرکاری طور پر وہاں سے حاصل کی ہے۔

ویسے تو انگریز کے نمائندوں کی شروع سے یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرے اور اسی نفاق کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرے لیکن صوبہ سرحد میں لوگ نہیں ڈرتے تھے۔

دوسرے پشتونوں کو ویسے بھی اپنے بازوؤں پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ کسی اور کی غلامی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور جو قوم انگریز جیسے جابر، ظالم اور طاقتور سے ٹکر لینے کو تیار تھی۔ اسے کسی اور سے کیسے ڈرایا جا سکتا تھا۔ لیکن اس علاقے میں عموماً اور قبائل اور افغانستان میں خصوصاً انگریز نے ملاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ جو روس کے خلاف انگریز کے حق میں آواز اٹھائے اور پھر جب خصوصیت سے روس میں 1917ء میں انقلاب آیا تو انگریز کو معلوم ہوا کہ اب زار روس کی فوجی قوت کے ساتھ اشتراکی انقلاب کی ایک نظریاتی قوت بھی شامل ہو گئی ہے جس کا کچھ بندوبست ضروری ہے اور اس نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے انگریز کی دور بین آنکھوں نے اسلام کو موزوں پایا۔ انگریز نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی تھی۔ جب امیر امان اللہ خان کی صورت میں انگریز کو حقیقت میں خطرہ پیش آیا تو وہاں انگریز نے اس اسلام کو ایک اسلامی ملک افغانستان کے مسلمان اور پشتون بادشاہ کے خلاف کس کامیابی سے استعمال کیا تھا۔ لیکن جب یورپ پر ہٹلر کے جرمنی کی طرف سے جنگ کے کالے بادل چھائے تو انگریز کو پھر اپنے وسیع سرحدات کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ تو ہم نے خود دیکھا کہ کس طرح ہندوستان میں انگریز نے اسلام کو سیاسی میدان میں اپنے نمائندے کے لئے استعمال کیا اور فائدہ اٹھایا اور یہ بھی دیکھا کہ وہی اسلام روس کے نظریاتی مقابلے کے لئے اس کے کام آیا۔ جب حالات ہنگامی ہوئے تو صوبہ سرحد میں بھی انگریز نے اپنی تمام تر توجہ اسلام پر دی۔ اگر ایک طرف نوابوں اور خوانین کو اسلام کے نام پر مسلم لیگ میں جمع کر رہا تھا تو دوسری طرف مکمل توجہ ملاؤں پر بھی دی کہ یہاں صوبہ سرحد اور اس کے ملحقہ قبائلی علاقے میں یہاں تک کہ افغانستان کے اندر بھی اسی اسلام کے مورچے کو مضبوط بنایا جا سکے۔

کننگھم یوں لکھتا ہے کہ:

Kulikhan at once arranged secret meetings with Trible Mullahs and others who would not come out in to the open, with Mullahs he had to esatblish relations through certain persons in Hyderabad state.

ترجمہ:۔ ”قلی خان نے فوراً قبائلی ملا اور دوسروں سے خفیہ میٹنگ کا اہتمام کیا جو بظاہر سامنے نہیں آئینگیں اور کچھ ملاؤں سے اس نے حیدر آباد کے شخصیتوں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا“۔

ملاؤں کے ساتھ رابطے کا کام ہم نے خان بہادر قلی خان کے حوالے کر دیا تھا تا کہ وہ اس قسم کے ملاؤں سے خفیہ رابطہ قائم کرے۔ جو کھل کر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہیں۔ بات بالکل واضح تھی کہ ہم تو یہ سب کچھ صرف اسلام کی خدمت کے لئے کر رہے ہیں اور صرف اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک مورچہ قائم کرنا چاہتے ہیں خصوصاً بالشویک کے خلاف۔

کننگھم لکھتا ہے کہ:

Through Mullah Marwat, Kuli Khan established relation with the office bearers of the Jamiat ul Ulma Sarhad and their supporters in India, these Mullah many of whom has consistantly been anti British, began to speak and write against the Russains and Germans on the plateform and in the press subsidies were paid to all these Mullah through Mullah Marwat.

''قلی خان نے ملا مروت سے جمعیت علماء سرحد* کے عہدیداروں اور ہندوستان میں ان کے ہم نواؤں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا۔ یہ ملا جن کی اکثریت مسلسل برطانیہ کی مخالفت کرتی تھی۔ اب انہوں نے روس اور جرمنی کے خلاف اپنے اسٹیج اور پریس سے بولنا شروع کر دیا۔ ان سب ملاؤں کو اس کا معاوضہ ملا مروت کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا''۔

پہلا ملا جب قلی خان نے بھرتی کیا تو وہ ملا مروت تھا۔ جو پہلے خاکسار تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ پہلے اسے وہ اسلام کی خدمت نظر آ رہی تھی لیکن قلی خان نے مطمئن کر لیا کہ خدمت اب صرف جہاد کے اعلان ہی سے ہو سکتی ہے۔ جہاد کا نعرہ اسلام کے دشمنوں کے خلاف لگایا ہے۔ اسی ملا مروت کے ذریعے قلی خان نے جمعیت العلماء سرحد سے رابطہ قائم کر لیا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ ان ملاؤں کو پیسے بھی قلی خان نے مروت کے ذریعے دیتے تھے۔ ان ملاؤں کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ قوم کو بتائے کہ انگریز چونکہ اہل کتاب ہے اور اس کے ساتھ نکاح واجب ہے اور دوسری طرف روسی بالشویک ہیں۔ وہ اہل کتاب نہیں۔ بلکہ انگریز کے کہنے کے مطابق وہ تو سرے سے خدا کی ذات سے منکر ہیں، تو اس وجہ سے آج انگریز اور اسلام کا مقصد ایک ہے تاکہ اس بے دین نظام کا مقابلہ کیا جائے۔ ملاؤں کی ہی بھی ڈیوٹی تھی کہ قوم کو برابر یہ یاد دلائیں کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا** اور انگریز کے لئے جنگ لڑنا بھی اسلام کی خدمت ہے۔

* یعنی مولانا شاکر اللہ، نوشہرہ، مفتی مدار اللہ مردان، مولانا شعیب مردان، مولانا شاد محمد صوابی و دیگر عہدیدار۔ مفتی مدار اللہ صوبہ پختونخوا کے سابقہ ڈپٹی سپیکر اکرام اللہ شاہد کے والد تھے انہیں اس خدمات پر بعد میں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے بھی نوازا گیا۔

** ترانہ پاکستان کے خالق حفیظ جالندھری بھی فوجی بھرتی کے لئے ریڈیو گیت لکھتے تھے۔ اس زمانے کا مشہور گیت ''میں تو چھوے کو بھرتی کرآئی رے'' ان ہی کا لکھا ہوا تھا۔ یہ گیت لکھنے کے کافی شوقین تھے لہٰذا بعد میں قومی ترانہ لکھنے پر بھی ان کی اور زیڈ اے بخاری کی تو تھکار ہوئی تھی جنہوں نے قومی ترانے کا ابتدائی حصہ لکھا تھا اور وہ بھی اس ثواب دارین میں اپنا نام ڈالنا چاہتے تھے واضح رہے اس سے پہلے انہوں نے تجویز دی تھی کہ قومی ترانہ سورۃ فاتحہ ہونا چاہیے یہ تجویز مسترد کر دی گئی تھی۔

کننگھم لکھتا ہے کہ میں نے جمیت العلماء سرحد کے رہنماؤں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ وزیرستان میں فقیر اپی کے پاس جائیں اور اسے یہ بتائیں کہ اب انگریز کے خلاف جہاد کرنا اسلام کی خدمت نہیں۔ اب تو انگریز جرمن اور اٹلی کے ساتھ برسر پیکار ہے۔ ایسے وقت میں فقیر اپی کو چاہئے کہ یہ انگریز کو تنگ نہ کرے کیونکہ انگریز کفر کے خلاف جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے اسلام کی خدمت ہے۔ انگریز یہ سب کچھ اتنے خفیہ طریقے سے کر رہا تھا کہ اس کے مخالفین کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہ تقاریر، خطوط اور خطوط کے ذریعے انگریز کی امداد یہ سب کچھ انگریز کے کہنے، اشارے یا امداد سے ہو رہا تھا اور اس لئے کننگھم خوش تھا کہ فقیر اپی کے نائب محمد وارث کا خط جمیت العلمائے سرحد کے رہنماؤں کے نام آیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ لہجہ دوستانہ تھا یعنی تسلی اس بات پر تھی کہ فقیر اپی یا اس کے ساتھیوں کو یہ شک نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ ملا لوگ انگریز کے کہنے اور ان کی خواہش پر کر رہے ہیں۔

یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد یہاں ہندوستان میں انگریز اور کانگریس کے مابین اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ کانگریس کے آٹھ صوبوں کی وزراتیں مستعفی ہو گئیں اور حالات آہستہ آہستہ محاذ آرائی کی طرف جانے لگے تو صوبے کے گورنر نے یہ ضروری جانا کہ قبائلی علاقوں اور افغانستان کے علاوہ یہاں صوبہ سرحد میں بھی ملاؤں کو منظم کرے اور اپنا رابطہ ان سے قائم کرے۔ دوسرے یہ کہ اب تک جنگ میں صرف جرمنی اور اٹلی تھے۔ تو انگریز نے یہ بہتر جانا کہ روس کے متعلق اپنا مخالفانہ پروپیگنڈا ذرا کم کر دے اور پورا زور اٹلی اور جرمن کی مخالفت پر دے۔

کننگھم نے ملاؤں کے تین گروپ بنائے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ملا، علاقے کے خوانین اور اعتباری خان بہادروں کے حوالے کر دیئے تھے جو ان سے ذرا اونچے مرتبے کے تھے ان سے رابطہ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے قائم رکھا تھا اور جو سب سے بڑے تھے ''کبراء'' ان سے گورنر نے خود رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ ابتداء ہم چھوٹے ملاؤں سے کرتے ہیں۔ کننگھم کہتا ہے کہ یہ ہشت نگر کے شیر پاؤ گاؤں کے غلام حیدر خان* (خان بہادر) کے حوالے تھے۔ اس نے نو دس ملاؤں کو اکٹھا کیا ہے جو وہیں کے تھے۔ یعنی رجڑ، کوٹ، ترناب، تنگی، اتمانزئی، عمرزئی، پرانگ، چارسدہ وغیرہ۔

کننگھم لکھتا ہے کہ:

I have not been intouch with any of the smaller Mullah's

---

* یہ خان بہادر صاحب سابق گورنر حیات شیر پاؤ، سابقہ وزیر اعلیٰ سرحد و سابقہ وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیر پاؤ، نیونیشنلزم کے داعی قومی وطن پارٹی کے سربراہ کے والد محترم تھے۔ بٹوارے کے بعد لیاقت علی خان کے لئے بطور وزیر اعظم چارسدہ تقریب سجائی تھی۔ اس تقریب میں وزیر اعظم کی تقریر کے دوران ہی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے تھے۔ گویا دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا:

myself. I have done it though the following agents with who practically all my paper as possible .

Ghulam Haider of Sherpdo he told me that he though he could work through about 9 or 10 Mullah including those of the following villages"

Razzar 'Kot' Tarnab, Tangi, Utmanzai & Umarzai (Later Prong and Charsaddas)

ترجمہ:۔ ''میرا ان چھوٹے ملاؤں میں سے کسی سے بھی براہ راست رابطہ نہیں تھا۔ یہ میں نے حسب ذیل ایجنٹوں کے ذریعہ رکھا جن سے میرا تعلق علماً زبانی رہا اور کم سے کم تحریر میں رہا۔ غلام حیدر شیر پاؤ نے مجھے کہا کہ اس کا خیال ہے کہ 9 یا 10 ملاؤں کے ذریعہ حسب ذیل گاؤں میں کام کیا جائے۔

رجڑ، کوٹ، ترناب، تنگی، اتمان زئی، عمرزئی، بعد میں پڑانگ اور چارسدہ''۔

میں نے شیر پاؤ خان کو کہا کہ تم نے ہر ایک ملا سے الگ الگ ملاقات کرنی ہے اور تم انہیں اسلام کی خدمت کرنے پر تیار کرو گے۔ 40 یا 50 روپے دو گے اور کہنا کہ چار مہینے بعد آ کر اپنی تمام کارگزاری بیان کرو گے کہ کیا کچھ کیا ہے۔ یعنی انگریز خان بہادر کو کہتا ہے کہ انہیں اشاروں میں یہ سمجھا دو کہ اگر کام تسلی بخش کیا تو وظیفہ مزید بڑھایا جائے گا خان بہادر صاحب کننگھم کو کہتا ہے کہ بعض ملا بہت اعتباری نہیں ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ان کو ہر مہینہ بلایا جائے اور ماہوار رقم دی جائے یعنی چار مہینے کے لئے 40 روپے کے حساب سے 10 روپے ماہوار ہوا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ میں نے شیر پاؤ خان کو 600 روپے دے دیئے۔ اس طرح تحصیل نوشہرہ اور تحصیل پشاور کے ملاؤں کی فہرست ضلع کے ڈپٹی کمشنر سکندر مرزا کے حوالے کر دی گئی۔ سوات، بونیر، مردان اور رانی زئی کے ملا لوگ۔ اس وقت سوات وزیر اعظم حضرت علی کے حوالے تھے۔

کننگھم لکھتا ہے کہ:

The Wazir i Azam sent me a list of Mullahs through whom he was working he is paying them on an average of about Rs.15/- per month each. (of apeendix "B")

ترجمہ:۔ ''وزیر اعظم نے مجھے ان ملاؤں کی لسٹ بھیجی جن کے ذریعہ سے وہ کام کر رہا تھا۔ وہ

ان کو تقریباً پندرہ روپیہ ماہوار معاوضہ دے رہا ہے۔"

وزیر اعظم نے مجھے ملاؤں کی مکمل فہرست بھیج دی ہے کہ وہ ان کو فی کس پندرہ روپے مہینہ دیتا ہے (یہ تو ہشنغر اور دوآبے کے ملاؤں کے ساتھ سراسر زیادتی تھی کہ ان لوگوں کو 15 روپے اور ان کو 10 روپے مہینہ ملتا ہے۔) کوہاٹ کے ملا وہاں کے ڈپٹی کمشنر کے حوالے تھے۔

بنوں ضلع کے ملاؤں کو ڈپٹی کمشنر نے دو آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ جن میں ایک نواب ظفر خان اور دوسرے تاج علی جو خان بہادر غلام حیدر خان کا بیٹا تھا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈپٹی کمشنر محمد اسلم کو کننگھم نے 600 روپے دے دیئے کہ وہ تین دینی رہنماؤں کو دے دے۔ اما خیل فقیر، پیر موسیٰ خرکی اور پیر زکوڑی۔ یعنی دو دو سو روپے فی کس۔ کنایتہً وعدہ بھی ان سے کیا گیا کہ اگر کام تسلی بخش ہوا تو رقم کو بڑھایا جا سکتا ہے۔

ستانے کے سید عبدالجبار شاہ کے متعلق کننگھم لکھتا ہے کہ اس کا رابطہ حیدر آباد دکن کے ساتھ تھا۔ اسے اس ریاست کا وزیر اعظم سر اکبر حیدری رقم دیا کرتا تھا۔ کننگھم خوش تھا کہ یہ بچت ہو گئی۔ سید صاحب سے کام انگریز کے لئے لیا جائے گا اور وظیفہ حیدر آباد دے گا۔ کننگھم کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مجھے عبدالجبار شاہ نے اطلاع دی کہ اس نے صوابی میں انتظامات مکمل کر لئے ہیں اور باجوڑ میں بھی اپنے چچیرے کو بھیجتا ہے۔

خیبر کے آفریدی ملاؤں کے ساتھ رابطہ پولیٹیکل ایجنٹ بیکن کے ذریعے تھا۔ * اسموس کے پنجابی مجاہدین کے لیڈر مولوی برکت اللہ کے ساتھ کننگھم کا براہ راست رابطہ کافی عرصے سے تھا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ یہی مجاہد سال میں ایک دو مرتبہ مجھ سے ملنے آتا تھا اور میں کچھ رقم دیتا تو برکت اللہ نے کہا کہ وہ باجوڑ اور مہمند روپے دیئے اس نے کہا کہ دو تین مہینے بعد مجھے مطلع کرو:

My arrangement uptilll now with him (Maulvi Barkatullah of Asmar) has been that he come to see me once ot twice a year Barkatullah said he could also do a good deal through perhaps 10 or 12 Maulvi in different place through out Bajaur and Mohmand community ---- I paid him Rs.1000/-

ترجمہ:۔"میرا طریقہ اب تک یہ رہا ہے کہ مولوی برکت اللہ سال میں میرے پاس ایک یا دو مرتبہ آتا ہے۔

---

* یہاں اسموس ٹائپ کی غلطی تھی اصل لفظ اسمار ہے کیونکہ برکت اللہ اسمار کی مسجد میں ملا تھے۔

برکت اللہ نے کہا کہ وہ باجوڑ اور مہمند کے علاقوں میں دس یا بارہ ملاؤں کے ذریعہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ میں نے اس کو ایک ہزار روپے دیئے۔"

کننگھم نے پھر ان ملاؤں کی کارگزاری اور خصوصیت سے قلی خان کے کام کی تفصیل بیان کی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ خان بہادر صاحب سے اپنا تمام کام جمعیت العلماء سرحد کے ذریعے سے پورا کیا ہے۔ اس کی کافی تفصیل ہے کہ انہوں نے کتنے اجلاس کیے، تجویزیں پاس کیں، پمفلٹ چھاپے، دورے کیے اور مختلف علاقوں میں رابطے قائم کیے۔ کننگھم کی اس دستاویز میں پہلی مرتبہ جنگ کے علاوہ کانگریس کے خلاف تقاریر کا ذکر بھی کیا گیا ہے:

Mulana Muhammad Shuaib toured Mardan Distric condemming Satyagraha. Pamphlet by Mulana Madrarllah, war satuation and ant Congress.

ترجمہ:۔"مولانا محمد شعیب نے ضلع مردان کا دورہ کیا اور ستیہ گرہ کی مذمت کی۔ مولانا مدرار اللہ نے جنگ کی صورت حال اور کانگریس کے خلاف پمفلٹ تقسیم کیے"

مولانا محمد شعیب نے مردان ضلع کا دورہ کیا اور ستیہ گرہ (تحریک سول نافرمانی) کی مذمت کی۔ دوسرے مولانا مدرار اللہ کے پمفلٹ کا ذکر ہے کہ یورپ کی جنگ کے سلسلے میں کانگریس کے خلاف لکھا ہے۔

انگریز تو نہایت چوکنا اور بیدار تھا۔ کننگھم کو یہ فکر لاحق ہوتی کہ چاروں طرف رقم تو پھیلا دی ہے۔ اس نے عوام کو ملاؤں کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ لیکن چاہئے کہ معلوم بھی کریں کہ آیا سچ مچ یہ ملا انگریز کے لئے پروپیگنڈا کر رہے ہیں یا نہیں۔ تو کننگھم لکھتا ہے کہ ہم نے اپنے جاسوسوں کو مسجدوں میں بھیجا تا کہ وہ پتہ لگائیں کہ ملا یہ اپنا وظیفہ حلال بھی کھا رہا ہے یا ویسے ہی سرکاری خزانہ خالی کر رہے ہیں۔ جب رپورٹیں آئیں تو کننگھم مطمئن اور خوش ہوا کہ ملا ایمانداری اور اخلاص سے لگے ہوئے ہیں اور اسلامی جذبے سے قوم کو 15 روپے ماہوار لے کر فروخت کر رہے ہیں۔

کننگھم مطمئن تھا کہ سوات کا وزیر اعظم حضرت علی اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے کر رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ:

Hazrat Ali Wazire Azam of Swat is doing excellently in Swat and Buner , he uses Pir Baba Ziarat, also Ghulam Haider Sherpao in his area---- Hazrat Ali now coveres the whole of

Swat Buner and Mardan Boder.

ترجمہ:۔ ''سوات کے وزیر اعظم حضرت علی سوات اور بنیر میں بہترین کام انجام دے رہے ہیں اس نے پیر بابا زیارت کو بھی استعمال کیا۔ غلام حیدر شیر پاؤ بھی اپنے علاقے میں اچھا کام کر رہا ہے۔

حضرت علی نے اب تمام سوات، بونیر اور مردان کے ضلع میں اپنی کارکردگی بڑھا دی ہے''۔

اس کے حصے کے ملاؤں کا مرکز بنیر میں پیر بابا کی زیارت ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے اما خیل فقیر اور موسیٰ زو کے پیر سے کننگھم خوش تھا۔ لکھتا ہے کہ یہ پیر مجھ سے ملاقات کی غرض سے خود پشاور آیا تھا۔ ان کے ساتھ رابطہ شیر علی کا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس نے تجوڑی کے پیر کو بھی بھرتی کر لیا ہے۔ کننگھم کہتا ہے کہ شیر علی نے تونسہ کے پیر تک رسائل حاصل کر لی ہے۔ اس سے بات بھی ہو چکی تھی لیکن بدبختی یہ ہوئی کہ یہ پیر صاحب اخلاقی مقدمے میں پھنس گیا۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ کننگھم ابھی تک فقیر اپی کے ہاتھوں تنگ ہے۔ کہتا ہے کہ ہم نے شیرہ کے فقیر، اما خیلو کے فقیر کر بوغے کا ملا اور حاجی اخونزادہ کے ذریعے فقیر اپی کو خط لکھا کہ وہ انگریزوں کو آرام سے چھوڑ دیں۔

چیئر مین پولیٹیکل ایجنٹ نے اپنا تمام کام عبدالباقی ملا کے حوالے کر دیا۔ کہتا ہے کہ وہ بہت ہی اعتباری آدمی ہے اور کام کا آدمی ہے۔ مزید کہتا ہے کہ ملا صاحب کو -/1000 روپے دے دیئے ہیں۔

جب یورپ میں جنگ چھڑی اور ہٹلر نے پورے یورپ کا جینا حرام کر دیا، اور انگریز کو ہر طرف شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ تو اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ روس اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور ادھر ہندوستان کا رخ کرے۔ اس موقع پر پیش بندی کے لئے اور تو چھوڑیں۔ جمعیت العلماء نے اپنے سالانہ اجلاس میں یہ تجویز پاس کی کہ روس نے اگر افغانستان پر حملہ تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ روس کے خلاف جہاد میں شریک ہوں، لیکن جب انگریز کو تسلی ہوئی کہ روس کی طرف سے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں تو دوسرا فتویٰ کننگھم صاحب نے جاری کر دیا۔ کہتا ہے:

I advised Kuli Khan to moderate his anti Bolshevik propaganda and to concentrate more on propganda against Germany and Italy.

ترجمہ:۔ ''میں نے قلی خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بالشویک دشمن پروپیگنڈے کو گھٹائے اور جرمنی اور اٹلی کے خلاف پروپیگنڈے پر زیادہ زور دے''۔

اسی طرح جوں جوں انگریز اور کانگریس کے تعلقات خراب ہوتے گئے۔ انہی ملاؤں کو انگریز نے کانگریس کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مگر حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل تھا کہ عالم دین یا ایک سچا مسلمان مذہبی جذبے سے انگریز کا ساتھ دے۔ انگریز تو مسلمانوں کا ازلی دشمن تھا۔ سلطان ایوبی کے وقت سے لے کر ترکی کی سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی تک انگریز مسلمانوں کا دشمن رہا ہے۔ باقی عرب دنیا تو چھوڑیں خانہ کعبہ پر گولیاں بھی اسی انگریز کی ہندوستانی فوج نے برسائی تھیں۔ ہندوستان کی بادشاہی، مغل مسلمان بادشاہوں سے بھی اسی انگریز نے چھینی تھی۔ اور پھر اسی انگریز نے دلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور اس کے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے بھی دنیا بے خبر نہیں اور پھر یہاں پشتونوں کی اپنی آنکھوں کے سامنے انگریز نے افغانستان میں پشتون مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ امیر دوست محمد خان سے لے کر امیر شیر علی خان اور پھر آخر امیر امان اللہ خان تک یہ تمام مسلمان انگریز کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے یا روس، جرمنی اور اٹلی کے ہاتھوں۔ بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ یہاں 1930ء سے لے کر کئی سال تک انگریزوں نے خدائی خدمتگاروں پر کیا کیا ظلم نہیں کیے اور کونسا ناروا سلوک ہے جو روا نہیں رکھا۔ کیا وہ بھی ان ملاؤں کو معلوم نہ تھا اور یا پھر جو جنگیں اور بمباریاں انگریز کے ہاتھوں قبائلی علاقوں میں ہوئی اس سے بھی یہ ملا نے بے خبر تھے۔ وزیر، مسید، آفریدی، ہندو اور دوسرے مسلمانوں پر لام بندی انگریز کی طرف سے تھی۔ یا روس، جرمن اور اٹلی کی طرف سے۔ فقیر اپی جیسے حقیقی مجاہدوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے جانثاروں کے خلاف جنگ بھی تو یہی انگریز کرتا رہا۔ لیکن حقیقت میں ملا کو تو دین، اسلام اور قرآن سے سروکار نہ تھا اور نہ ہی رسول اکرمؐ کے اسوہ حسنہ سے۔ یہ دین فروش تو دس اور پندرہ روپے مہینہ پر انگریز کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ انہیں فتویٰ انگریز دیتا تھا اور ان کا مفتی اور قاضی بھی انگریز تھا۔ ان ملاؤں کے ہاتھ میں اسلام کی تلوار تھی۔ لیکن نظریں انگریز کے اشارے پر لگی ہوئی تھیں۔ انگریز کہتا روس کافر ہے۔ ملا صاحب کہتا، ہاں ضرور ہے۔ لیکن اگر انگریز کہتا کہ نہیں روس اب ذرا بہتر ہے اور جرمن کافر ہے۔ تو ملا صاحب کہتا، بالکل ٹھیک جرمن کافر ہے۔ اگرچہ جرمن بھی اسی کتاب پر ایمان رکھتا تھا جس پر انگریز اور ''اہل کتاب'' میں شامل تھا لیکن ملا صاحب کو تو انگریز کا فتویٰ منظور تھا اور پھر جب اٹلی کے کفر کی باری آئی تو اٹلی تو عیسائیت کا مرکز تھا اور اس کا ایسا مقام تھا جیسے مسلمانوں کے لئے خانہ کعبہ۔ وہاں تو لاٹ پادری یا پاپائے روم خود رہتا تھا لیکن ہمارے ملا صاحب کا تو نہ اہل کتاب سے تعلق تھا اور نہ ہی کسی اور بات سے سروکار۔ وہ تو انگریز کے فتویٰ کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔

اور جب انگریز کو اسی اسلام اور ملا کی ضرورت ہے اپنے اندرونی یعنی ملکی مسائل کے لئے پیش آئی تو یہ دس پندرہ روپے ماہوار پر نوکر ملا۔ پھر اس نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنے شروع کئے

لیکن یہاں صوبہ سرحد میں تو انگریز کے مخالف خدائی خدمتگار تھے جو تقریباً سب کے سب مسلمان تھے اور رہنما باچا خان جو حاجی تھے، طائف، مدینہ بیت المقدس کے زائر تھے۔ نماز کے پابند اور جنہوں نے اسلامی مدرسے بنائے تھے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن ان کی سب سے بڑی برائی یہ تھی کہ وہ انگریز سے اپنا ملک اپنی سرزمین آزاد کرانا چاہتے تھے۔ یہی دین فروش ملا کا فرانگریز کے لئے خدائی خدمتگاروں کے مقابلے کے لئے نکل آئے۔ خود مجھے اس بات میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ اگر کوئی عالم دین سیاسی اثوٹ کے لئے میدان میں نکل آئے کیونکہ یہ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے لیکن یہاں تو یہ ملا کا فرانگریز کے لئے ملک کے حریت پسند مجاہدوں اور نمازیوں کے خلاف اسلام کا پاک اور مقدس نام لے کر اٹھے تھے جیسے کننگھم لکھتا ہے:

Jimiat ul Ulema toured in Kohat Distric in June 1942, and in Pishawar and Mardan in July, doing intensive proganda.

(A) anti axis. on Islamic theme gernerally and

(B) anti Congress, particularly on the Pakistan theme.

Mullahs in Peshawar & Mardan intensifeid their anti congress proganda during July August.42

ترجمہ:۔ ''جمعیت العلماء نے جون 42ء میں ضلع کوہاٹ کا اور جولائی میں پشاور اور مردان کا دورہ کیا اور بھرپور پروپیگنڈہ کیا۔

(الف) محوری قوتوں کے خلاف عمومی طور پر اسلامی حوالے سے۔

(ب) کانگریس کے خلاف بالخصوص پاکستان کے حوالے سے کیا۔

پشاور اور مردان میں ملاؤں نے جولائی اور اگست 42ء کے دوران اپنا کانگریس مخالف پروپیگنڈہ شدید تر کر دیا''۔

جمعیت العلماء نے کوہاٹ کا دورہ کیا اور پشاور اور مردان کے ضلعوں میں زوردار پروپیگنڈہ کیا۔ ایک طرف اٹلی اور جرمنی کے خلاف دوسری طرف کانگریس کے خلاف اور پاکستان کے حق میں۔ کننگھم صاحب کہتا ہے کہ مردان اور پشاور کے ضلعوں میں بھی ملاؤں نے کانگریس کے خلاف اپنی مہم زور و شور سے جاری رکھی تھی۔

یعنی انگریز نے ان ملاؤں کو مسلم لیگ کے سیاسی کام میں مدد کے لئے دینی میدان میں اتارا۔ ذرا سوچنے کا مقام ہے۔ جوں جوں عالمی جنگ کے حالات بدل رہے تھے۔ اسی طرح ان ملاؤں سے انگریز

وقت اور ضرورت کے مطابق اپنا کام لے رہا تھا۔ ان ملاؤں کو اس وقت انگریزوں نے ایسے جوت رکھ لیا تھا کہ جو کچھ انگریز کہتے تھے۔ یہی ملا اسلام میں اس کے لئے جواز پیدا کرتے تھے۔

جب روس کی طرف سے انگریز مطمئن اور بے فکر ہو گیا تو پھر اس نے اس ملاؤں کو مکمل طور پر خدائی خدمتگاروں کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ یعنی اگست 42ء کے آنے تک کننگھم لکھتا ہے کہ سوات کے وزیر اعظم حضرت علی نے مردان میں 18 ملاؤں کو بھرتی کیا اور دو پیر بابا کی زیارت میں تھے اور انہیں 30 روپے مہینہ ملتا تھا:

Wazir e Azam of Swatis now employing 18 Mullahs in Mardan and at 32 Pir Baba Zarat paying Rs.30 P.M. each.

ترجمہ:۔ ''وزیر اعظم سوات نے اب مران میں 18 اور پیر بابا زیارت 32 ملا ملازم رکھے ہوئے ہیں جنہیں 30 روپے ماہانہ دیتا ہے۔''

کننگھم لکھتا ہے کہ مولانا محمد شعیب اور مولانا مدرار اللہ نقش بندی مجھے ملنے نتھیا گلی آئے۔ ایک بہت طویل پمفلٹ اردو زبان میں لکھا ہوا تھا پیش کیا اور تجویز کیا کہ اسے تمام ضلعوں اور قبائلی علاقوں میں تقسیم کیا جائے بہت اچھا ہے۔ کانگریس کے خلاف جاپان، جرمنی اور اٹلی کے خلاف ہے۔ یعنی اس سے واضح اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ ملا نے اسلام کی خدمت کا نام لیتے ہیں اور کفر کے خلاف قلم سے جہاد کرتے ہیں اور اسلامی فتوے جاری کرتے ہیں لیکن یہ فتویٰ منظوری کے لئے پہلے انگریز کے پاس لے جاتے ہیں:

Moulana Muhammad Shoaib and Moulana Midrarullah came to see me at Nathiagali on 26th Aug. and produced a long draft in Urdu of their pamphlet which they proposd to issue both in the districts and in T.T.(Tribal Territory) All good anti Congress anti Japanese and axis stuff they were extremly friendly.

ترجمہ:۔ ''مولانا محمد شعیب اور مولانا مدرار اللہ 26 اگست کو مجھے ملنے نتھیا گلی آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے طویل اردو پمفلٹ کا خاکہ دکھایا جو کہ وہ ضلعوں اور قبائلی علاقہ جات میں جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہت اچھا کانگریس مخالف، جاپان اور جرمنی مخالف مواد ہے۔ ان کا انداز حد سے زیادہ دوستانہ تھا۔''

انگریز بہادر نے یہ تو اسلام کی خود خدمت کی کہ ان ملاؤں کے نام بمعہ ان کے اتے پتے کے پورے پورے لکھ دیئے ہیں۔ پشاور تحصیل کے 24 ملا ہیں جن میں چھ پشاور شہر کے ہیں۔ تیرہ تحصیل چارسدہ کے ہیں۔ تین تحصیل نوشہرہ اور اٹھارہ مردان اور صوابی کے ہیں۔

اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری تھا کہ 1946ء تک کننگھم نے جس جس کو اور جس کے ہاتھ سے رقم دی ہے۔ ان ایجنٹوں کے نام ایک ایک کر کے اسی دستاویز میں درج ہیں۔ خوانین نے اپنا دین، ایمان، پختو، ضمیر غیرت حمیت انگریز کے کفر کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ٹکوں کے بھاؤ بیچا اور کیسے ان ملاؤں نے انگریز کے مفادات کے تحفظ کے لئے ملک کی آزادی کے مجاہدین اور غازیوں پر کفر کے فتوے لگائے تھے۔ انگریز کی ذہانت کی داد دینی چاہئے کہ جس نے اپنے سامراجی نوآبادیاتی راج کو برقرار رکھنے کے لئے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کئے اور انہیں منظم کیا کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے انگریز سے مطالبہ تک نہیں کرتے تھے بلکہ الٹا اس کی امداد کے لئے آزادی کی تحریک کے خلاف اسلامی جذبے کا نام لے کر دنیاوی مفاد کی خاطر ڈٹ کر کھڑے ہوئے تھے۔

انگریز کی کوشش یہ تھی کہ وہ ان خاندانوں میں اپنے ساتھی بنائیں جو انگریز کے خلاف لڑ رہے تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد میں فقیر اپی کے ساتھ ساتھ دوسرا نامور نامی دینی رہنما ملا پاوندہ محسود تھا۔ دوسرے مہمند میں حاجی صاحب ترنگزئی تھے اور انگریز کی یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی ہو یہ مورچے فتح کر ڈالے اور میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی کامیابی بھی یہی تھی کہ ان دونوں غازیوں کے بیٹے اس کا ساتھ دینے لگے۔ ملا پاوندہ کا بیٹا فضل دین اور حاجی صاحب ترنگزئی کا بیٹا باچا گل۔*

ان دنوں کے حالات پر اگر چاروں طرف نگاہ ڈالی جائے تو ضلعوں اور قبائلی علاقوں میں بہت کم ایسے بااثر ملا، پیر، فقیر، اخونزادہ یا دارالعلوم کے مہتمم ہوں گے جنہیں انگریز نے اپنے ساتھ ملایا نہ ہو۔ حاجی صاحب ترنگزئی اور ملا پاوندہ کی وفات کے بعد تو صرف فقیر اپی ایک ہی ایسا غازی اور مجاہد رہ جاتا ہے جسے انگریز خرید نہ سکے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد انگریزوں نے حکومت افغانستان پر زور ڈالا کہ وہ جرمنوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ افغانستان پر زور ڈالنے کی غرض سے ایک شامی پیر انگریز قبائلی علاقے میں اس غرض سے لے آئے کہ وہ افغانستان کے شاہی گھرانے کے خلاف لوگوں کو اکسائے۔ انگریز جب افغانستان کی حکومت کی طرف سے مطمئن ہوا تو اسی

---

*باچا گل نے ایک وقت میں خدائی خدمات گار تحریک کو بے اثر کرنے کیلئے پختونستان کے حق میں بھی انگریز کے اشارے پر کام کیا تھا بعد میں علی قلی خان خٹک کی ایما پر جہاد کشمیر کے لئے انہوں نے اور ان کے ایک چیلے مشہور نعت خواں حاجی محمد امین نے پراثر مہم چلائی۔

شامی پیر کو وزیرستان میں وانا کی چھاؤنی میں بلایا اور اس کو -/25000 پونڈ ادا کیے۔* شامی پیر جیسے پہلے نہیں تھا اسی طرح پھر غائب ہو گیا۔ جب یہ کام مکمل ہوا تو لندن میں وزیر ہند کو بہت مزہ آیا۔ وائسرائے کو لکھتا ہے کہ کوشش کرو کہ ایسا ایک سودا فقیر اپی کے ساتھ بھی طے ہو جائے۔ اس کے جواب میں وائسرائے 14-7-38 کو لکھتا ہے۔

فقیر اپی کے ساتھ شامی پیر کی طرح سودا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف یہ نہیں کہ وہ ہمارے راستے میں نہیں رہا بلکہ وہ کسی قیمت پر بھی نہیں بکتا۔ لیکن پھر لکھتا ہے کہ کب خدا میرا اس شورش پسند ملا سے پیچھا چھڑائے گا۔ 14-7-38:

There is I fear, no possible chance of dealing with him (Faqir Api) on the same lines as the Shami Pir, he is not only implaceable but also completely uncorruptable---- who would rid me of this turbulant priest.

ترجمہ:۔ ”مجھے ڈر تھا کہ اس (فقیر اپی) سے شامی پیر کی طرز پر معاملات کا کوئی امکان نہیں۔ وہ نہ صرف خامیوں سے مبرا ہے بلکہ مکمل پورا ایماندار بھی...... مجھے اس فسادی مولوی سے کون بچائے گا؟“

---

* شامی پیر جسے بغدادی پیر بھی کہا جاتا تھا یہ ایک انگریز ہرکارہ ڈیوڈ جونز تھا اس کے کردار کو تاریخی حوالوں سے کنگالنے کے بعد افغانستان کے نامور ناول نگار، افسانہ نگار نصیر احمد احمدی نے شاہکار ناول بغدادی پیر تخلیق کیا۔

ملّا، خوانین، مسلم لیگ اور وزارت بازی

یہ تو ہم نے دیکھا تھا کہ مسلم لیگ کی بنیاد اس صوبے میں پہلے پہل ملاؤں نے رکھی تھی۔ جمعیت العلماء سرحد کا صدر مولانا محمد شعیب۔ مسلم لیگ کا صدر اور اسی جمعیت العلماء سرحد کا سیکرٹری مولانا مدرار اللہ اس کا سیکرٹری تھا۔ ان دونوں ملاؤں کا براہِ راست تعلق صوبے کے گورنر سر جارج کننگھم سے تھا۔ (جیسے اس کی اپنی لکھی ہوئی ڈائریوں سے ظاہر ہے) لیکن پھر آہستہ آہستہ انگریز نے یہ بہتر جانا کہ ان دونوں مورچوں کو الگ کرے۔ سیاسی اور دنیاوی مورچہ خان بہادروں اور جاگیرداروں کے حوالے کرے اور دینی اور مذہبی مورچہ ملاؤں اور پیروں کے حوالے کرے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی کننگھم کے ایجنٹ بعد میں مسلم لیگ کے رہنما بن گئے۔ خان بہادر قلی خان، خان بہادر غلام حیدر شیر پاؤ، نواب ظفر علی اور تاج علی بنوں کے شامل تھے اور اسی طرح پیر اور ملا طبقہ براہ راست مسلم لیگ میں شامل ہوا جیسے پیر صاحب مانکی شریف اور پیر زکوڑی۔ مگر باقی اسی طرح اپنے طریقے سے انگریز کی ہدایات کے تحت سرکار کے لئے سیاسی کھیل مذہبی مورچے سے کھیلتے رہے۔

ملاؤں کے ذریعے کام سے انگریزوں کو ایک فائدہ یہ تھا کہ یہ قبائلی علاقے میں بھی سرکار کے لئے کام کر سکتے تھے کیونکہ اور سیاسی کارکن ان علاقوں میں جا نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اخبار وغیرہ کے ذریعے کوئی اپنی بات وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔*

کننگھم کو اس بات کا علم تھا کہ ملا اب ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ انگریز جس طرح جس مورچہ پر اور جہاں ان کو استعمال کرنا چاہئے۔ تو بہت آسانی سے استعمال کر سکتا ہے۔ اس لئے اب وہ ان سے خدائی خدمتگاروں کے خلاف کام لیتا رہا اور اس لئے تو خود لکھتا ہے کہ یوسف زئی کا ملا ہمیشہ سرکار کے خلاف تھا۔ اب اس نئی پالیسی کی برکت سے پہلے روس کے خلاف، پھر جرمن کے خلاف، پھر جاپان کے

* انگریز استعمار کی جانب سے قبائلی علاقوں میں سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی۔ اس لئے وہاں ملا سب سے کارآمد ذریعہ تھا اور اب تک یہی صورتحال ہے افغانستان فساد کے دوران بھی حکومت نے انہی انگریز یافتہ ملاؤں کی دوسری تیسری نسل کو اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کیا اور پرامن پختون خطے کو دہشت وخوف کا نمونہ بنایا۔

خلاف اور اسی طرح ہندو کے خلاف اور کانگریس کے خلاف ہوگیا کیونکہ انگریز یہ دیکھ رہا تھا کہ مسلم لیگ کی کامیابی حقیقت میں انگریز کی فتح ہے:

As a result of this propaganda the Yusufzai Mullah was used to be professionally anti Govt. became first anti Russia & anti Germans then anti Japanese and so by natural consequences anti Hindu and anti Congress.

That the Muslim League successes there by elections are generally accepted as being a victory for the British Govt. over the subversive element in the country (Governor's report 24.8.43)

ترجمہ:۔"اس پراپیگنڈہ کے نتیجے میں یوسف زئی ملا جو کہ حکومت برطانیہ کا پیشہ ورانہ مخالف تھا۔ پہلے روس اور جرمنی کا مخالف بنا پھر جاپان مخالف اور یوں قدرتی نتائج کے طور پر ہندو اور کانگریس کا مخالف۔

یہ کہ ان بائی الیکشنوں میں مسلم لیگ کی کامیابی کو بالعموم ملک میں موجود (برطانیہ مخالف) تخریب کار عناصر پر برطانوی حکومت کی فتح تسلیم کیا جاتا ہے۔"

(گورنر رپورٹ 24-8-43)

انگریز کے لئے خدائی خدمتگاروں نے اور بھی مشکلات پیدا کردیں۔ جب سول نافرمانی کے ساتھ ساتھ انہوں نے صوبے کی وزارت سے بھی استعفیٰ دے دیا اور یہاں گورنر راج قائم ہوگیا۔ کیونکہ یہ صوبہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ اکثریتی صوبہ تھا اور گزشتہ انتخابات میں چونکہ یہاں مسلم لیگ کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے ان کا کوئی ممبر بھی نہیں تھا۔ یہ انگریز کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ وائسرائے اپنے 16-1-40 کے خط میں لکھتا ہے کہ جناح صاحب مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اسے کہا کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے استعفیٰ کے بعد کہیں کسی دوسری وزارت کے بننے کے امکانات ہیں۔ اس نے کہا کہ میں جا کر اپنے ساتھی سے مشورہ کرلوں۔ پھر بتا سکوں۔ لیکن پھر کہا کہ اچھا یہ ہوگا کہ گورنر سے کہا جائے کہ وہ اس سلسلے میں دلچسپی لے تقریباً ایک مہینے کے بعد جناح صاحب نے وائسرائے سے اپنی ملاقات میں کہا کہ میں نے اپنے مسلم لیگ کے لیڈروں سے بات کرلی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم خود سے صوبے میں حکومت بنانے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اگر گورنر کننگھم ان کا ساتھ دے تو بات بن سکتی ہے اور پھر جناح صاحب

وزارت بنانے کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ وزارت بن جاتی ہے تو یہ کانگریس کے منہ پر طمانچہ ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح سے ملک کے اندر اور باہر پوری دنیا میں پھیل جائے گی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے اکثریتی صوبے میں غیر کانگریسی وزارت بن گئی اور ساتھ میں یہ بھی ہو جائے گا کہ ہندوستان میں سیاسی حیثیت واضح ہو جائے گی۔ اس لئے میں اس سلسلے میں بہت کوشاں ہوں:

Mr. Jinnah added that he was most anxious if possible to put this through, as he was convinced that there could be no more salutary lesson for Congress, and no better advertismenet of the real position in India, whether before the country or through out the world than that a non Congress Ministry should be established in the N.W.F.P. he was therefore most enixous to being this matter to a successful issue-(6 2 40)

ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح نے مزید کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس پہلو کو اجاگر کیا جائے کیونکہ ان کا یقین ہے کہ کانگریس کے لئے اس سے بڑھ کر (عبرت ناک) سبق اور ملک اور ساری دنیا کے لئے ہندوستان کی حقیقی صورت حال کا اس سے بہتر اشتہار اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں ایک غیر کانگریسی وزارت قائم ہو۔ لہٰذا اس کی خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو کامیاب یشو بنایا جائے۔''

مسلم لیگ اور انگریز دونوں چاہتے تھے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی تنظیم مانی جائے اور مسلم لیگ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کی جائے۔ لازمی بات ہے کہ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگار وزارت جو غیر مسلم لیگی تھی۔ انگریز اور مسلم لیگ دونوں کے اس بنیادی نکتے کو رد کرتی تھی۔ اس لئے دونوں اس بات کی کوشش میں تھے کہ جیسے بھی ہو صوبہ سرحد کو مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔

وائسرائے نے جناح صاحب کو تسلی دی کہ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور جب میں گورنر کننگھم سے بات کرلوں گا، تو پھر تمہیں اطلاع کر دوں گا۔

اس سلسلے میں باقی قصہ سکندر مرزا کا تھا جو اس وقت پشاور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ وہ اپنی سوانح عمری میں ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ مجھے نواب بھوپال نے شیر کا شکار کھیلنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ واپسی پر میں نواب زادہ لیاقت علی خان سے بھی ملنے گیا۔ اس نے مجھے قائداعظم کے پاس بھیجا۔ یہ مارچ 1943ء کا واقعہ

ہے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں جب گیا تو پہلے تو قائداعظم نے میری ماں کے ساتھ واقفیت وغیرہ کی بات کی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے کہا کہ صاحب ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانے کے مسلمان ہیں۔ پھر جناح صاحب نے پوچھا کہ تم مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کا سربراہ مانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہندوستان میں ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی وزارت نہیں لیکن مجھے کہا گیا ہے کہ اگر تم کوشش کرو تو صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت بن سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو ایک ڈپٹی کمشنر ہوں اور یہ کام صرف کسی صوبے کا گورنر کرسکتا ہے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے یہ بھی کہا کہ اس صوبے میں مسلم لیگ سرے سے ہے ہی نہیں اور دوسرے یہ کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا سربراہ سردار اورنگ زیب خان ہے جو ایک بیکار اور بددیانت آدمی ہے۔ جناح صاحب نے مجھے کہا کہ سردار اورنگ زیب کی خوبیاں اور برائیاں چھوڑ دے اور مسلم لیگ کی تنظیمی حالت جو بھی ہے وہ ایک طرف۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی خاطر یہ میرا فرض ہے کہ وہاں مسلم لیگ کی وزارت بن جائے۔ اس سلسلے میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ صوبہ کا گورنر سر جارج کننگھم کابل کے دورے پر گیا ہوا تھا اور جونہی وہ واپس آیا تو مجھے بلا بھیجا۔ میں ابھی بیٹھا بھی نہیں تھا کہ گورنر شروع ہوا کہ حکومت ہندوستان نے مجھ پر زور ڈالا ہے کہ فوراً نئی وزارت بن جائے۔ کیونکہ حکومت یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ صوبہ سرحد کانگریس کے ساتھ نہیں ہے۔ ان دنوں ہمارے صوبائی اسمبلی کے اکثر ممبران (Quit India) کی تحریک کے سلسلے میں جیلوں میں پڑے ہوئے تھے بغیر کسی مقدمے یا عدالت کے اسمبلی کے ساتھ خدائی خدمتگار ممبران جیل میں تھے اور سات اور ممبران یا مر چکے تھے اور یا پھر ہٹا دیئے گئے تھے تو گورنر کے لئے راستہ صاف تھا۔ اس نے سردار اورنگ زیب خان کو بلایا اور صوبائی حکومت بنانے کی دعوت دے دی۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ مجھے سردار اورنگ زیب خان پر اعتماد نہ تھا۔ کہا کہ میری نظر ایک اور آدمی پر تھی جو پشاور کا سردار عبدالرب نشتر تھا۔ وہ اس وقت ''احرار'' تحریک میں تھا اور احرار مسلم لیگ کے سخت مخالف تھی اور اسی وجہ سے وہ کانگریس کے قریب تھی۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ نشتر صاحب کو جناح صاحب کچھ اچھے نہیں لگتے تھے بلکہ سامنے مسجد مہابت خان میں انہوں نے جناح صاحب کو کافی گالیاں دی تھیں لیکن میں نے نشتر کو بلایا اور اسلام کے نام پر اس سے اپیل کی۔ اس نے میرے کہنے پر احرار تحریک چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اسی طرح سے اورنگ زیب کی وزارت میں وزیر لیا گیا۔ سکندر مرزا لکھتا ہے کہ یہی اورنگ زیب تھا جو آ کر میرے سامنے قالین پر بیٹھ جایا کرتا تھا اور میری ہی کوششوں سے وزیراعلیٰ بنا۔ اورنگ زیب کے متعلق کننگھم اپنی ڈائریوں میں لکھتا ہے کہ میں اس سے اتنا تنگ تھا کہ جو بھی مسئلہ پیش آتا وہ بھاگ کر میرے پاس آتا اور پوچھتا کہ اس مسئلے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے:

Aurangzeb is extremely amenable & anxious to do so as I want . He seems to have forgotton that He function of a miniser is to advise the Governor nearly every file comes from him with a note." I solicit the advice of his H.E. The Governor."

ترجمہ:۔''اورنگ زیب میری مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے نہایت مائل اور خواہشمند ہے۔یوں لگتا ہے کہ وہ بھول گیا ہے وزیر کا کام گورنر کو مشورہ دینا ہے۔اس سے آنے والی ہر فائل پر نوٹ ہوتا ہے''۔میں ہز ایکسلینسی گورنر کے مشورے کا طلب گار ہوں''

(کننگھم ڈائری19-7-43)

حقیقت بھی یہ ہے کہ اورنگ زیب خان اور اس کے ساتھیوں کو یہ معلوم تھا کہ یہ وزارت انگریز کے ہاتھوں بنی ہے۔ایسی اسمبلی میں جس میں مسلم لیگ کے نام پر ایک بھی ممبر منتخب نہیں ہوا ہو۔مسلم لیگ کی وزارت بنانا۔انگریز اور اس کے ڈپٹی کمشنر ہی کا کام تھا۔ان ممبروں میں آپس میں ذاتیات، جھگڑے اور گروہ بندیاں تھیں۔اسی وزارت کے سلسلے میں اورنگ زیب خان اور مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بہادر سعداللہ خان کے مابین سخت ناچاقی تھی۔گورنر نے جب وزارت کی کارروائی دیکھی تو وہ پریشان ہوا کہ اگر یہ وزارت اس طرح رہی تو وزارت تو ایک طرف کننگھم بنیادی قوت مسلم لیگ کی جماعت کو سخت نقصان پہنچے گا۔جیسے کہ کننگھم اپنی ڈائری میں 27-5-44 کو لکھتا ہے:

There is no doubte that the name of the Muslim League administeration in simply mud now a days owing to the scandualous way in which they buy votes.

ترجمہ:۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل مسلم لیگ انتظامیہ کا نام ان کے نہایت شرمناک انداز میں ووٹ خریدنے کے باعث مٹی میں مل چکا ہے''۔

اس سلسلے میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ مسلم لیگ کی حکومت نے اس بات پر اپنی حیثیت دوکوڑی کی کردی کہ اسمبلی کے ممبروں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے نہایت ناجائز کاروبار شروع کردیا۔مسلم لیگ کی وزارت کو بنے ایک سال گزر گیا تھا۔کننگھم مطمئن ہوگیا اور اس نے خدائی خدمتگار اسمبلی کے ممبران کو ایک ایک کر کے رہا کرنا شروع کردیا۔دوسری طرف مسلم لیگ کے اندر بہت سخت پارٹی بازی شروع ہوگئی جس سے مسلم لیگ کھل کر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ایک اورنگ زیب خان کی حکومتی پارٹی تھی

اور دوسری پارٹی خان بہادر سعد اللہ خان اور اس کے ان ساتھیوں کی جن کو حکومت میں کچھ ملا نہ تھا نوبت یہاں تک پہنچی کہ نومبر 1944ء کو سعد اللہ خان نے جناح صاحب کو خط لکھا کہ اگر اورنگ زیب وزارت کے خلاف اعتماد کا ووٹ اسمبلی میں پیش ہوا تو وہ عدم اعتماد کے حق میں ووٹ دیں گے:

In November 1944 Saadullah Khan informed Jinnah that he could no longer support the ministry & that if a non confidence motion was moved be would vote infavour of it. (India Pakistan or Pukhtoonistan. By Erland Janson P.131)

ترجمہ:۔ ''نومبر 1944ء میں سعد اللہ خان نے جناح کو مطلع کیا کہ وہ وزارت کی مزید حمایت نہیں کر سکتا اور یہ کہ عدم اعتماد کی تحریک پیش ہونے کی صورت میں وہ اس کی حمایت میں ووٹ دے گا۔''

(انڈیا، پاکستان یا پختونستان از ارلینڈ جیمسن صفحہ نمبر 131)

گورنر اپنی طرف سے کافی کوشش کر رہا تھا کہ حکومت برقرار رہے اور اسی خاطر 1944ء کے خزاں کا اجلاس اس لئے نہیں بلایا کہ اسمبلی کے لئے کوئی کام نہیں۔ کانگریس کے پارلیمانی پارٹی کے سیکرٹری نے گورنر کو بیس ممبروں کی دستخط شدہ ایک یادداشت پیش کی کہ اسمبلی بلائی جائے تاکہ اورنگ زیب وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پر بحث ہو۔ لیکن گورنر نے اس یادداشت کو نامنظور کر دیا۔ آخر 1945ء کے بہار میں جب اسمبلی کا اجلاس مجبوراً بلانا پڑا تو اورنگ زیب وزارت کے خلاف تحریک پاس ہوئی۔ خان بہادر سعد اللہ نے خود بھی مسلم لیگ وزارت کے خلاف ووٹ دیا۔

گورنر کننگھم اور اس کے ماتحت افسران کو اس بات کا علم تھا کہ اورنگ زیب کی وزارت کا اثر مسلم لیگ پر پڑے گا اور یہ سودا انہیں بہت مہنگا پڑ رہا تھا کیونکہ وزارت کی وجہ سے مسلم لیگ اور بھی بدنام ہوگئی تھی اور اس میں گروپ پیدا ہوئے تھے لیکن انگریز کسی صورت بھی تاثر دینے پر تیار نہیں تھا کہ یہ صوبہ خدائی خدمتگار کانگریس کی حمایت میں ہے۔ سرکار کی پالیسی واضح تھی۔ اب حکومت نے خود اپنے سرکاری افسران کے ذریعہ صوبے میں بھی اور قبائلی علاقے میں بھی کام شروع کر دیا۔

1946ء کے انتخابات

فروری 1946ء میں صوبہ سرحد میں صوبائی انتخابات ہوئے جس میں کانگریس نے واضح اکثریت حاصل کی۔ صرف یہ نہیں کہ اسمبلی میں قطعی اکثریت حاصل تھی۔ بلکہ انگریز کو دکھ اس بات کا تھا کہ مسلمانوں کی سیٹوں پر بھی کانگریس جیت چکی تھی۔ مسلم لیگ نے حسب معمول اپنی تمام طاقت اور قوت ضلع ہزارہ سے حاصل کی جہاں نو میں سے آٹھ سیٹیں اس نے جیت لی تھی۔ باوجود اس کے کہ انگریز نے ہر طرح کا زور لگایا تھا اور اپنے افسروں کے ذریعے یہ کوشش کی تھی کہ مسلم لیگ جیت جائے۔ بعض افسر کھل کر بہت ہی بھونڈے طریقے سے مسلم لیگ کی حمایت کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر بنوں کے ڈپٹی کمشنر نے بمع اپنی بیوی کے پورے ضلع کا دورہ کیا۔ جب چائے یا کھانے کی دعوت پر بلایا جاتا تو وہ جواب میں کہتا۔ میری بیوی کو دوپٹہ دے دو، اور دوپٹے کی وضاحت یہ تھی کہ ووٹ مسلم لیگ کو دے دو۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی ریاستوں کی دولت ملاؤں اور خان بہادروں کی تمام تر کوششیں بھی اس میں شامل تھیں۔ یہ انگریز کی زبردست شکست تھی کہ مردان کے پورے ضلع سے مسلم لیگ ایک ہی سیٹ جیت سکی جو نواب ہوتی سر محمد اکبر خان کی تھی۔ اسی طرح پشاور سے صرف ایک سیٹ جیتی۔ بنوں میں اسی ڈپٹی کمشنر کی بدولت دو سیٹیں حاصل کیں۔ کوہاٹ میں سب سیٹیں ہار گئے۔

ان انتخابات میں مسلم لیگ اور انگریز دونوں کو سب سے بڑی پریشانی پیش آئی کہ اگرچہ یہ انتخابات مسلم لیگ نے پاکستان کے نام پر لڑے تھے اور بات کفر اور اسلام تک پہنچ گئی تھی۔ سرکار کے تمام ساتھی پیر اور ملا تھے اور اسلام کے نام پر پاکستان کے مطالبے کے لئے کوشاں تھے۔ مگر پھر بھی شکست ہوئی۔ انگریز سمجھ گیا کہ آئینی اور قانونی، سیاسی اور جمہوری طریقوں سے تو مسلم لیگ کامیاب نہ ہو سکی اور حسب معمول یہ صوبہ خدائی خدمتگاروں کے ہاتھوں میں رہا تو پھر اس نے دوسرے طور طریقوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع سے جمعیت العلماء کے ٹکٹ پر دو ممبر منتخب ہوئے تھے۔ جب یہ دونوں ساتھ مل گئے تو ڈاکٹر خان صاحب کے ساتھ 33 ممبر تھے۔ جبکہ مسلم لیگ کے ساتھ سترہ۔

ان انتخابات کے بعد جب ڈاکٹر خان صاحب نے وزارت بنائی تو ان دنوں میں

سرجارج کننگھم اپنی گورنری کی طویل میعاد ختم کر چکا تھا اور اس کی جگہ نیا گورنر سر الف کیرو آ گیا۔ کیرو صاحب یہاں 1930ء کے نازک دنوں میں پشاور کا ڈپٹی کمشنر رہ چکا تھا اور اس زمانے میں خدائی خدمتگاروں پر بہت ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ لیکن پھر یہ دلی چلا گیا اور یہ گزشتہ کئی سال ہندوستان کی مرکزی حکومت کا خارجہ سیکرٹری رہا۔ وہاں دلی میں بھی وائسرائے بدل چکا تھا اور لارڈ لنلتھگو کی جگہ لارڈ ویول ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر ہوا تھا۔ جب لنلتھگو جاتے ہوئے اپنا چارج دے رہا تھا اس نے اپنی مشہور بات کہی تھی کہ:

I think I can cliam to be handing over to well a pretty week set stage so far as the political position is concerned, though one that would need constant attention and a constant handing.

ترجمہ:۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ میں دعویٰ کرسکتا ہوں کہ میں ویول کو جہاں تک سیاسی پوزیشن کا تعلق ہے ایک خاص مستحکم صورتحال حوالے کر رہا ہوں۔ گو اسے مستقبل توجہ اور سنبھالنے کی ضرورت ہوگی۔''

اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ لنلتھگو نے اپنے وائسرائے ہونے کے دوران ہندوستان کی سیاسی قسمت کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور جب جون 1945ء میں لارڈ ویول نے ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کی کانفرنس شملہ میں اس غرض سے بلائی کہ اس سیاسی مسئلے کا کوئی حل نکالے تو حسب معمول انگریز کی پالیسی قطعی واضح تھی کہ اس طریقے سے ہندوستان اور خصوصیت سے بیرونی دنیا کہ یہ بتادے کہ انگریز تو چاہتا ہے کہ فیصلہ ہو جائے لیکن جب ہندو اور مسلمان آپس میں نہیں مل پاتے تو انگریز اختیارات کس کے حوالے کرے۔ یعنی یہ کانفرنس یا اجلاس انگریز نے اس لئے نہیں بلایا تھا کہ صلح کی کوئی راہ نکل آئے بلکہ مطلب یہ تھا کہ یہ لیڈر ایک دوسرے کے روبرو ہوں اور فیصلہ تو درکنار بلکہ بات اور بھی بگڑ جائے۔

شملہ کانفرنس نے لارڈ ویول کی یہ تجویز منظور کی کہ ہندوستان کی ایک مرکزی وفاقی وزارتی کونسل بلائی جائے۔ ویول کا شروع دن سے یہ نظریہ تھا کہ اس کانفرنس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مساوی نمائندگی ہونی چاہیئے۔ جناح صاحب حسب معمول اس بات پر اڑ گئے کہ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کونسل کے لئے مسلمان وزیر کا انتخاب کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نمائندگی برابر ہو۔ ایک طرف جناح صاحب اور دوسری طرف ہندوستان کے سب رہنے والے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی وغیرہ۔ اس وقت ہندوستان کی آبادی 40 کروڑ تھی۔ جس میں 10 کروڑ مسلمان تھے اور پھر مسلم لیگ کی ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں ایک صوبے میں بھی حکومت نہیں تھی۔ کانگریس کی آٹھ صوبوں میں

حکومت تھی۔ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی کوئی حکومت نہیں تھی۔ بنگال کی 117 سیٹوں میں سے مسلم لیگ نے صرف 40 سیٹیں جیتی تھیں اور پنجاب کی 84 مسلم سیٹوں میں مسلم لیگ نے ایک سیٹ جیتی تھی۔ سندھ اور صوبہ سرحد میں ایک بھی سیٹ نہیں تھی۔ ویول کہتا ہے کہ میں نے جناح صاحب سے پوچھا کہ کونسل میں تمہارے کتنے مسلمان وزیر ہیں۔ لارڈ ویول کہتا ہے کہ اس نے کہا:

They must all be nomainated by the League and must all be Leaguers, P.149 none except himself as head of the M.L. could nominate the Muslims on the new council P.152 in fact a kind of communal veto.

ترجمہ:۔ ''وہ سب لیگ کے نامزد کردہ ہوں اور سب لیگی ہوں۔ صفحہ 149۔ فقط وہ خود مسلم لیگ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نئی کونسل کے لئے مسلمان ممبران کو نامزد کر سکیں گے۔ (صفحہ 152) درحقیقت یہ ایک قسم کا فرقہ وارانہ ویٹو ہے اور پھر ساتھ میں یہ کہتا ہے کہ بات اس سے بھی آگے چلی گئی۔ وہ مصر تھا کہ اگر کہیں کونسل میں کسی مسئلے اعتراض کرے تو اسے 2/3 کی اکثریت سے فیصلہ کرنا ہوگا۔''

دوسری طرف مسلمان وزراء کے نامزد کرنے کا پہلا دعویٰ پنجاب کے یونینسٹ وزیر اعلیٰ خضر حیات نے کیا۔ کانگریس نے اپنی فہرست میں دو مسلمانوں کے نام دیئے کیونکہ ایک تو صوبہ سرحدان کے ساتھ تھا اور دوسرے سندھ میں خان بہادر اللہ بخش کی قوم پرست جماعت کی وزارت تھی۔ لیکن یہ عجیب تماشہ تھا کہ جناح صاحب اور جماعتوں کے ساتھ مساوی نمائندگی چاہتا تھا۔

ویول الجھن میں پڑ گیا۔ وہ کہتا ہے:

If he really meant this it shows that he had never at any time an intention of accepting the offer, it is difficult to see why he came to Shimla at all (P-155). the root course of the failure was of course Jinnah's intransigence and obstinacy.

ترجمہ:۔ ''اگر ان کی مرضی واقعی یہی تھی تو اس سے ظاہر ہے کہ پیشکش کو قبول کرنے کا ان کا کبھی بھی ارادہ نہ تھا۔ یہ سمجھنا محال ہے کہ آخر وہ شملہ آئے کیوں۔ ناکامی کی بنیادی وجہ جناح کی ضد اور غیر مصالحت پسندی تھی''

(صفحہ 155-156)

جناح صاحب سے یہ بھی پوچھنا چاہئے کہ کانگریس نے تو بے پناہ قربانیاں دیں۔ ہزاروں لوگوں کو تحریک میں قربان کر چکی ہے اور لاکھوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے گئے۔ ان کا تو کوئی ذکر نہیں لیکن جو کچھ بھی ہے: جناح صاحب اس میں صرف اپنا ہی نہیں بلکہ دوسروں کا حصہ بھی چاہتے تھے۔ وہ ایک پشتو کہاوت مشہور ہے کہ ''کمائے گو پالا کھائے عبداللہ'' وائسرائے کا رویہ دیکھئے کہ خود جناح صاحب کا رویہ اسے ناجائز اور نامناسب نظر آتا ہے۔ لیکن عملاً کیا کرتا ہے کہ صوبہ پنجاب کے منتخب نمائندے خضر حیات کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی سندھ کے منتخب وزیر اعلیٰ الٰہی بخش کی حیثیت تسلیم کرتا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب جو صوبہ سرحد کے منتخب وزیر اعلیٰ ہیں۔ اس کی حیثیت کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ جناح صاحب کی بے جا ضد، بے اصولی اور بے بنیاد دعویٰ کے باعث کانفرنس ناکام ہوئی۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی واضح ثبوت کی ضرورت ہے کہ یہ تمام کھیل انگریز کے ہاتھوں کا بنا ہوا تھا اور مسلم لیگ کی بے جا ضد اور ناجائز مطالبے کا مطلب یہ تھا کہ انگریز کو یہ بہانہ ملے کہ چونکہ یہ لوگ آپس میں رضامند نہیں ہوتے۔ اس لئے اقتدار بدستور انگریز کے پاس رہے گا۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کی سیاست کے مداح اور کانگریس کے دشمن انگریز H.V.Hadson اپنی کتاب The Great Divide میں لکھنے پر مجبور ہوا۔ لکھتا ہے:

A minority party with unsupportable claim had been allowed to veto the whole project for advancing India's self Govt.P.125

ترجمہ:۔ ایک اقلیتی پارٹی جو اپنے دعوؤں کی حمایت کے بھی قابل نہ تھی۔ اس کو انڈیا کی سلف گورنمنٹ میں اضافے کے سارے پروجیکٹ کو ویٹو کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ صفحہ 125

اور مقصد اور منشا خود آگے چل کر بیان کرتا ہے۔

Some observers thought that Lord Wevell's sudden abandonment of his plan was the decisive move which made the partition of India inevitable.P.127

ترجمہ:۔'' کچھ مبصرین کا خیال تھا کہ لارڈ ویول کا ایک اچانک اپنے پلان کو ترک کر دینا وہ فیصلہ کن بات تھی جس نے انڈیا کی تقسیم کو ناگزیر بنا دیا۔ صفحہ 127

یہی تو ویول اور انگریز کا مدعا تھا۔''

اس سے پہلے جب Sir Stafford Cripps نے جو تجویز پیش کی تھی اس میں اس نے واضح طور پر یہ بات کہی تھی کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی آئین بنانے بیٹھے گی تو:

Any province would be free to keep itself out of the proposed union & to retain its prevailing constitutional position. if such non acceding provinces so desire they could have their own seprate union analogous to be proposed India union.

ترجمہ:۔ ''ہر صوبے کو حق حاصل ہوگا کہ خود کو مجوزہ یونین سے باہر رکھ سکے اور اپنی مجوزہ آئینی حیثیت برقرار رکھے۔ باہر رہنے والے ایسے صوبے چاہیں تو مجوزہ انڈین یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ یونین بنا سکتے ہیں''۔

یہی پاکستان کے مطالبے کی منظوری کی پہلی سیڑھی اور اس کا آخری فیصلہ تھا۔ چنانچہ شملہ کی اس کانفرنس کو یارڈ ویول نے اس نکتہ پر ختم کی اکہ کانگریس مسلم لیگ کو ہندوستان کی واحد نمائندہ تسلیم کرے۔ اسی کانفرنس میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے وائسرائے سے پوچھا کہ میں ہندوستان میں سب سے زیادہ مسلم اکثریتی صوبے کا منتخب وزیر اعلیٰ ہوں اور میں مسلم لیگی نہیں ہوں۔ تو میرے متعلق کیا خیال ہے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لارڈ ویول نے اس بات سے قطعی آنکھیں بند کر لی تھیں کہ ہندوستان میں انگریز نے 1937ء میں انتخابات کرائے تھے اور ہندوستان کے 11 صوبوں میں کسی ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی یہاں تک کہ کسی بھی مسلمان اکثریتی صوبے میں بھی ان کی دال نہیں گلی تھی۔ سندھ اور سرحد کی اسمبلیوں میں کوئی ممبر نہ تھا۔ صرف پنجاب کی اسمبلی میں ایک ممبر تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ انگریز کے اپنے کئے ہوئے انتخابات کی رو سے بھی مسلم لیگ کی حیثیت بھی صرف ان صوبوں میں تھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کی کوئی حیثیت تھی ہی نہیں۔ لیکن انگریز اس بات پر مصر تھا کہ جب تک کانگریس یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ مسلم لیگ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہے تب تک مفاہمت کا کوئی امکان نہیں۔ یہ بات کانگریس کیسے مانتی۔ آخر کس حساب سے۔ کانگریس نے انتخابات میں عظیم فتح حاصل کی تھی۔ ہندوستان کے 11 میں سے 8 صوبوں میں ان کی وزارتیں تھیں۔ انگریز کی آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ پشتون کہتے ہیں ''زور آوری سب سے بڑا حق ہے'' انگریز اپنے مطلب کے لئے اندھا ہو چکا تھا۔ وہ مسلم لیگ کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ نہ اسے مسلم لیگ سے کوئی سروکار تھا نہ مسلمانوں کی پروا۔ وہ تو مسلم لیگ کو کانگریس سے اس لئے الجھا رہا تھا کہ دنیا کو یہ تاثر دے کہ انگریز اقتدار حوالے کرنے کو تیار ہے لیکن اس وقت جب ہندوستان کے لوگوں میں آپس میں مفاہمت ہو جائے اور تمام کھیل یہی تھا کہ مسلم لیگ کو اتنا سر چڑھائے اور اس مقام پر پہنچائے۔ اس کی ہر ناجائز کو جائز اور اس کی ہر نامناسب بات کو

مناسب کہے تا کہ کل کو اگر مسلم لیگ چاہے بھی تو اپنے مقام سے نیچے نہ آ سکے۔ اس لئے انگریز کی کوشش یہی تھی کہ چاہے جائز ہو یا ناجائز ایسے راستے ڈھونڈے کہ مسلم لیگ کو اپنا سکے۔ 1945ء کی شملہ کانفرنس سے انگریز کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ واضح کر سکے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ حکومت اس کی حیثیت تسلیم کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے اور میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پاکستان کا منصوبہ تھا بھی، تو انگریز نے اسے مسلمانوں کی بھلائی کے لئے پیش نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے نام پر ایک مسلمان مملکت کی انگریز کو ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ اشتراکی روس کے نظریاتی مقابلے کے لئے ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک اسلام کا ایک قلعہ مکمل کرنا چاہتا تھا۔ پاکستان کے نام پر تقسیم ہند نہیں بلکہ تقسیم مسلمان ہو رہی تھی تو انگریز کو اس کی کیا پروا تھی۔ وہ تو اپنی سامراجی، نوآبادیتی شہنشاہیت کے لئے مصروف تھا۔ اور اگر وہ یہ کام مسلمانوں سے بلکہ مسلم لیگ سے کروا سکتا تھا تو اس کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور تسلیم کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

ویول کا نیا منصوبہ

انگریز کو پاکستان کی ضرورت

جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور حالات ذرا سنبھلے تو نئے حالات کی روشنی میں انگریز نے ایک بار پھر اپنی پالیسی پر غور کرنا شروع کیا۔ جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا اور روس کو پیچھے دھکیلتا گیا۔ یہاں تک کہ پورے ملک کو لتاڑا اور ماسکو تک پہنچنے میں تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تو انگریز روس کے خطرے سے بے فکر ہو گیا اور دوسری طرف جب جاپان کی طرف سے انگریز ایک ایک کر کے اپنی نوآبادیوں سے ہاتھ دھوتا رہا اور پھر جب برما پر بھی جاپان کا قبضہ ہو گیا اور کلکتے پر بمباری شروع ہوئی تو انگریز نے اپنا رخ جاپان کی طرف موڑا۔ انہی دنوں انگریز نے ہندوستان میں یہ کوشش کی کہ اب جب کہ روس کی قوت ختم ہے تو اگر باقی ہندوستان انگریز کے ہاتھوں سے نکلتا ہے تو چاہئے کہ افغانستان کے ساتھ اپنی راہ ورسم ازسرنو ٹھیک کرے اور یہ پشتون علاقے جو 1893ء میں ڈیورنڈ خط کھینچنے پر افغانستان سے الگ کر لئے ہیں یہ دوبارہ ان کے حوالے کر دے۔ مطلب یہ تھا کہ یہ علاقے اگر جاپان یا جرمنی کے قبضے میں آتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ افغانستان پر احسان کیا جائے۔ افغانستان کے ساتھ خط کتابت شروع ہوئی اور اس طرف کننگھم صاحب کے ایجنٹ حاجی صاحب ترنگزئی کے بیٹے باچا گل کے ذریعے افغانستان کے حق میں پروپیگنڈہ شروع ہوا۔ انگریز ابھی حاکم ہے اور وہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ یہاں جمعہ کے دن افغانستان کے بادشاہ کا خطبہ پڑھا جائے۔

لیکن جونہی روس نے جرمنی پر بھرپور وار کیا اور ہٹلر کی فوجیں بھی اس طرح تباہ و برباد ہوئیں، جیسے فرانس کے نپولین کی فوجیں اس سے پہلی صدی میں تباہ ہوئی تھیں اور روس نے جرمنی کو ایسے بھگایا کہ برلن کے شہر تک پہنچا دیا تو یہاں انگریز پھر سے جان گیا کہ روس کا وہ خطرہ تو ہندوستان کیلئے بدستور قائم ہے۔ لیکن اگرچہ روس کی پوری مملکت لتاڑی جا چکی تھی۔ شہر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ تقریباً دو کروڑ روسی اپنے ملک کے لئے جان کی قربانی دے چکے تھے لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی روس میں اتنی قوت

ہے کہ وہ جرمنی کو اپنے گھر تک بھگا سکتا ہے۔ سو یہاں آ کر انگریز کو اسلام کے اس قلعے کا خیال پھر سے آیا۔ جسے (The Military Crescent) یا فوجی ہلال کہتے تھے۔

پہلے پہل تو انگریز کو یہ معلوم تھا کہ باقی ہندوستان میں تو ویسے بھی کانگریس کا غلبہ ہے اور کانگریس تو کسی صورت بھی انگریز کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہیں تو بجائے اس کے کہ پورے ہندوستان کی حکومت کانگریس کے حوالے کرے۔ بہتر یہی ہوگا کہ یہ پشتونوں کے علاقے واپس افغانستان کو دے دیئے جائیں۔ اس میں اسے دو طرح سے اپنا فائدہ نظر آتا تھا۔ ایک تو یہ کہ اس طرح سے ہندوستان شمال مغربی سرحد پر پہاڑی علاقے سے محروم ہو جائے گا اور ایک طبعی و قدرتی اور جغرافیائی سرحد ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ انگریز تاریخ سے اور اپنے ذاتی تجربے سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہندوستان میں اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو سکتا۔ جب تک شمال مغربی سندھ کے وہ درے حکومت ہند کے اپنے قبضے میں نہ ہوں، تو جب پشتونوں کے یہ تمام علاقے افغانستان کے قبضے میں چلے جائینگے تو اس طرح سے ہندوستان کا ایک کونا کمزور رہ جائے گا اور اس طرف سے ہر وقت پریشان اور متوحش ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ تھا کہ جب انگریز یہ علاقے افغانستان کے حوالے کردے گا تو افغانستان ہمیشہ انگریز کا ممنون و مشکور رہے گا اور دوستی اور ساتھ دینے کے لئے مزید گنجائش نکل آئے گی۔

لیکن روس کی کامیابی نے اس فیصلے کو بدل ڈالا اور انگریز پھر سے اپنی نیکی اور وعدے سے منحرف ہو گیا۔ افغانستان اپنی جگہ رہ گیا اور انگریز ایک بار پھر اس بات پر مجبور ہو گیا کہ نئے حالات کی روشنی میں ایسے طور طریقے اپنائے کہ اشتراکی روس کے خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

ویول کی اپنی لکھی ہوئی ڈائری سے اس مسئلے کو مکمل طور پر واضح کر کے رکھ دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جس نے ویول کی اپنی ڈائریاں خود پڑھی نہ ہوں تو اس کے لئے یہ مشکل ہے کہ اس وقت کی ان پالیسیوں کا اندازہ لگا سکے اور تو چھوڑیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا بیدار مغز، مردم شناس اور ہوشیار شخص بھی ویول کے ظاہری طور طریقوں سے دھوکا کھا گیا۔ لیکن میرے خیال میں لنلتھگو نے جو کھیل شروع کیا تھا، ویول نے نہایت ہوشیاری اور کمال مہارت سے اس منصوبہ کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے پیش رو سے آگے نکل گیا ہے۔ اس کی منافقت کا عالم یہ تھا کہ کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے ہوشیار اور بالغ النظر نے بھی اس کو مخلص اور ایماندار جانا۔

جیسے وہ اپنی کتاب India Wins Freedom میں لکھتے ہیں:

''ویول نے جب ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا تو اس سے پہلے وہ

ہندوستان کی فوج کا کمانڈر ان چیف Command in Chief تھا۔ وہ کانگریس کو انگریز کا ازلی دشمن سمجھتا تھا۔ کیونکہ کانگریس نے یورپ کی جنگ کے دوران انگریز کے لئے مشکلات پیدا کی تھیں۔ اس کے خلاف تحریک چلائی تھی اور کوشش یہ تھی کہ انگریز کی جنگ کی تیاری میں خلل ڈالے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس کی یہ کوشش تھی کہ انگریز اس ملک سے اپنا بستر گول کرے۔ اس وجہ سے کانگریس اس کی ازلی اور بنیادی دشمن تھی اور کانگریس کی تنظیم کے علاوہ ان کے ساتھ قوم پرست مسلمانوں کی جماعت تھی۔ جس میں باعمل علماء کی بڑی تعداد تھی۔ جنہوں نے اپنے ملک کی آزادی کے لئے انگریز کے گریبان میں ہاتھ ڈالا تھا''۔

وائسرائے کا روزنامچہ

The Viceroy Journal

ویول کی اپنی ڈائریوں میں اس نے 10 اگست 1946 کو ایک خط اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا ہے جو اس کی چھپی ہوئی کتاب کے 330 سے 332 صفحے تک درج ہے۔ اس میں اس نے تفصیل کے ساتھ اپنے منصوبے The Break Down Plan (بریک ڈاؤن پلان) کا ذکر کیا ہے۔ بالکل کھل کر واضح طور پر ہدایات دیتا ہے۔ اپنے سیکرٹری کو لکھتا ہے کہ چونکہ کانگریس اور مسلم لیگ میں کسی قسم کی مفاہمت کا امکان نہیں۔ جونہی یہ تعطل پیدا ہو گا حکومت برطانیہ مجھے بلا بھیجے گی۔ پھر میں اپنی تجویز وہاں پیش کروں گا۔ اپنے سیکرٹری کو ہدایات دیں کہ میں جو تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں تمہیں چاہئے کہ اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے پانچ اعلیٰ افسروں کی کمیٹی مقرر کرو کہ وہ میرے لئے ایک خفیہ رپورٹ مرتب کریں کہ یہ منصوبہ کیسے پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔

ویول کا اپنا تجزیہ اور تجویز یہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کا جھگڑا ایسے علاقوں پر تھا جن کا تعلق ہندوستان کی سرحدات سے تھا۔ پاکستان کا منصوبہ دو حصوں میں تھا۔ ایک شمال مغرب میں اور دوسرا شمال مشرق میں۔ جو مسلمانوں کے اکثریت کے علاقے تھے۔ ویول نے یہ تجویز کیا اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جن صوبوں میں کانگریس کی اکثریت ہے وہ ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ مکمل آزادی دے دی جائے اور انگریز بمع اپنی فوج، سرکاری افسران اور بال بچوں کے ان صوبوں میں منتقل ہو جائے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ویول چونکہ ایک پیشہ ور فوجی تھا۔ اسے یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ جب ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصے اس سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان علاقوں کو انگریز اپنے قبضے میں رکھے گا تو اس کا ہندوستان کے دفاع پر کیا اثر پڑے گا۔ علاقے بھی بیان کئے کہ مشرق میں بنگال اور آسام اور مغرب میں صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ یہاں تک کہ دلی تک کا علاقہ انگریز کے قبضے میں رہ جائے گا۔ باقی کانگریس جانے اور اس کا باقیماندہ ہندوستان۔

آخر میں مسلم لیگ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شاید اس پر اعتراض نہ کرے، لیکن ایک قدم آگے جاتا

ہے۔کہتا ہے:

Infact the Muslim League would presumably welcome the plan

(P-332).

ترجمہ:۔''درحقیقت ایسا لگتا ہے کہ مسلم لیگ پلان کو خوش آمدید کہے گی''۔

آثار ایسے ہیں کہ ''مسلم لیگ اس کا خیر مقدم کرے گی'' کہتے ہیں کہ ویول نے سر فیروز خان نون کو بلایا اور اس منصوبے کے متعلق مسلم لیگ کے رہنماؤں کی رائے اس سے معلوم کی۔ کہتا ہے۔ وہ واپس جواب لے آیا کہ مسلم لیگ کو اس پر اعتراض نہیں۔

لیکن جب انسان پورے منصوبے کو دیکھتا ہے اور الگ الگ ہر ایک پہلو پر سوچتا ہے تو اس وقت کی حکومت ہند، وائسرائے اور چوٹی کے انگریز افسران کی ذہنیت پر حیران رہ جاتا ہے۔ کانگریس کو انگریز دشمنی کی سزا دی جاتی ہے۔ اسے اپنی تمام طبعی اور جغرافیائی سرحدوں سے محروم کیا جاتا ہے۔ ایک طرف روس اور دوسری طرف چین۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کی تقسیم ایسی دشمنی کی فضاء میں کی جائے اور دونوں سرحدات پاکستان کے حصے میں آجائیں تو ہندوستان کے باشندوں کا دفاع کیونکر ہوگا؟

I pointed it out that Pakistan issue effected not only India, but the whole Empire (Wavell, the Viceroy`s Journal-p218).

ترجمہ:۔''میں نے یہ واضح کیا کہ پاکستان کا ایشو صرف ہندوستان پر ہی اثر انداز نہ ہوگا بلکہ اس کا اثر تمام برطانوی نوآبادیات پر بھی پڑے گا۔

منصوبے سے یہ بات بھی کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اگر انگریز نے مسلم لیگ کی حمایت یا امداد کی تو وہ مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے نہ تھی بلکہ اس میں انگریز کا اپنا مفاد تھا اور اپنی سلطنت اور شہنشاہیت کے لئے یہ سارا کھیل کھیل رہا تھا۔ انگریز مسلمانوں کا نہیں بلکہ اپنے مفادات کا تحفظ کر رہا تھا۔

انگریز کی سیاست، چالبازی اور فوجی علاقائی ضروریات کا اندازہ تو ہو سکتا ہے لیکن حیرت تو مسلم لیگ کے رہنماؤں کے کردار پر ہے کہ یہ لوگ کس کے لئے لگے ہوئے تھے۔ مانتا ہوں کہ مسلم لیگ کبھی بھی ملک کی آزادی کے لئے نہیں اٹھی اور نہ ہی انگریز کی غلامی سے نکلنے کے لئے حرکت یا جدوجہد کی، لیکن اگر کانگریس اور قوم پرست مسلمانوں اور علماء دین کی قربانیوں کے نتیجے میں انگریز تو اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرے تو کیا یہ آزادی صرف باقی ہندوستانیوں کے لئے ہوگی اور مسلم لیگی مسلمان بدستور انگریز کی غلامی میں رہ جائے گا۔ وہ دوسروں کی جیتی ہوئی آزادی اور انگریز کی شکست کو کیسے انگریز کی فتح میں بدلا جائے گا۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ مسلم لیگ کے ان رہنماؤں کی

برکت اور مہربانی سے صرف غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں کی آزادی کی جنگ بن جائے گی اور مسلمان اسی طرح غلام کا غلام رہ جائے گا۔

تیسری بات جو ویول کے منصوبے سے واضح ہوئی کہ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ کیوں پشتون صوبہ سرحد اور خدائی خدمتگار۔ انگریز کی آنکھ کا کانٹا بنے رہے۔ ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں من حیث القوم خدائی خدمتگار وہ جماعت ہے جو انگریز کی سیاست اور سازشوں سے واقف تھی اور اسی لئے خدائی خدمتگاروں نے انگریز کی غلامی سے نکلنے کے لئے کانگریس کا ساتھ دیا تھا۔ انگریز کو اس سلسلے میں دو مشکلات تھیں۔ ایک تو یہ صوبہ مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ تھا بلکہ تقریباً 93% تھے اور یہ صوبہ مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا بلکہ انگریز کے خلاف تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ صوبہ ایسے مقام پر واقع تھا جہاں روس کے خلاف انگریز اپنے مفادات کے لئے اسلام کا قلعہ بنانا چاہتا تھا تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کیوں انگریز اپنی تمام تر قوت اور زور خدائی خدمتگار تحریک کو ختم کرنے پر استعمال کر رہا تھا اور کیوں وہ ایک طرف خوانین، سر خان بہادر اور خان صاحبان دنیاوی رہنماؤں کی صورت میں اور دوسری طرف تنخواہ دار ملا، پیر، فقیر، اخون زادگان اور دینی درس گاہوں کے رہنماؤں کو اکٹھا کر رہا تھا کہ ایک طرف مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے اور دوسری طرف اسلام کے نام پر دینی محاذ سے خدائی خدمتگار جماعت کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رکھے۔ غرض اور مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ انگریز کی مخالف قوتوں کو ختم کر دیا جائے اور یہ صوبہ بھی مسلم لیگ کے رہنماؤں کے حوالے کر دیا جائے تا کہ انگریز انہیں ملک میں اپنی اندرونی سیاست کے لئے اور اپنے خارجہ پالیسی میں بھی اپنے سامراجی مفادات کے لئے استعمال کر سکے۔

کیبنٹ مشن اور دوسری شملہ کانفرنس

برطانیہ میں جنگ کے خاتمے پر انتخابات ہوئے۔ کنزرویٹو پارٹی انتخابات ہار گئی اور لیبر نے انتخابات جیت لئے۔ چرچل کی جگہ اٹیلی برطانیہ کا وزیر اعظم بنا۔ یہاں ہندوستان میں بھی ویول نے عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ امید یہ تھی کہ اس اعلان اور شملہ کانفرنس کے سلسلے میں انگریز نے مسلم لیگ کو جو حیثیت دلائی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھائے۔ خود غرض لوگوں کو یہ بھی علم تھا کہ انگریز پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور سوائے مسلم لیگ کے کسی اور مسلمان کی حیثیت تسلیم نہیں کرتا۔ اور جب انتخابات جداگانہ طریقے پر ہوں (کہ مسلمان مسلمان کو اور غیر مسلم غیر مسلم کو ووٹ دے گا) تو پھر تو مسلم لیگ کے لئے راستہ بالکل صاف ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک سوداگر، کارخانے دار اور سرمایہ دار مسلم لیگ کی طرف لپک پڑا۔ مسلمان والیان ریاست نے اپنے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا اور سرکاری افسران تو کھل کر مسلم لیگ کے لئے کام کرنے لگے۔ کیونکہ ویول نے خود یہ بات واضح کر دی جب اپنے داخلہ سیکرٹری آف سٹیٹ (Sir Franci`s Mudie) کو کہا کہ:

> And told him (Mudie) to impress on every one that to back Congress at the expence of Loyalists was not my policy. p.177
>
> ترجمہ:۔ ''اور اسے (موڈی) کہا کہ سب پر واضح کر دے کہ وفاداروں کو چھوڑ کر کانگریس کی حمایت میری پالیسی نہیں''۔

ویول صرف دو پارٹیاں تسلیم کر رہا تھا۔ ایک کانگریس اور دوسرے تابعداران Loyalists مسلم لیگ کو تابعداروں کی فہرست میں شامل کر چکا تھا۔

جب انتخابات ختم ہوئے تو برطانیہ کی طرف سے کیبنٹ مشن آیا۔ ایک خود سیکرٹری آف سٹیٹ (وزیر ہند) دوسرے Sir Stafford Cripps اور تیسرے A.G.Alexander انہوں نے آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ تجویز پیش ہوئی کہ جناح صاحب اور جواہر لال کی ملاقات کرائی جائے ویول اس کے متعلق لکھتا ہے:

Cripps and the other Ministers thought that there thought to be meeting Jinnah and Nehru, not with any hope of agreement, but purely for Publicity Value, to show that we had done our best to secure agreement . P.248

ترجمہ:۔ ''کرپس اور دیگر وزراء کا خیال تھا کہ جناح اور نہرو کے مابین میٹنگ ہونی چاہیئے کسی سمجھوتے کی امید سے نہیں بلکہ فقط مشہوری کیلیئے یہ دکھانے کے لئے کہ ہم نے سمجھوتے کے لئے اپنی پوری کوششیں کی ہیں (صفحہ 248)''

یہاں سے پھر ابتداء کرتے ہیں اور اسی سے ویول اور اس کے ساتھیوں کی منافقت اور ایمانداری کا اندازہ نہایت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ مفاہمت کیسے ہوتی؟ اور کس کے ساتھ ہوتی۔ پہلی شملہ کانفرنس کا نتیجہ کیا ظاہر کرتا ہے۔ دوسری شملہ کانفرنس کے لئے صرف مسلم لیگ اور کانگریس کے ممبروں کو بلایا۔ چار ممبر کانگریس نے اپنے وفد میں مولانا ابوالکلام آزاد، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل اور باچا خان کو لیا اور چار مسلم لیگ کے وفد میں جناح صاحب، نواب زادہ لیاقت علی خان، نواب محمد اسماعیل خان اور سردار عبدالرب نشتر شامل تھے۔ کانفرنس میں 2 ہندو اور 6 مسلمان تھے۔

ویول لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے تو کانفرنس کی ابتداء ایسے کی کہ جب مولانا آزاد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جناح صاحب نے ان سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ یہ بسم اللہ تھی اور یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے اخلاق۔ کافر انگریز کے ساتھ تو جھک کر سلام اور ہاتھ ملایا۔ ہندوؤں سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ یہاں تک کہ عورتوں سے ہاتھ ملانا عار نہیں تھا۔

جناح صاحب تو پہلی شملہ کانفرنس میں اس اونچائی تک پہنچ گئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ چونکہ وہ راضی نہیں ہو رہا تھا۔ تو وہ کانفرنس سرے سے ناکام ہوگئی تھی۔ اب اسے کون وہاں لے آتا۔ پاکستان سے کمتر بات وہ مان نہیں رہا تھا اور پاکستان کا مسئلہ کانگریس قبول نہیں کر رہی تھی۔ یہ کانفرنس بھی اسی بات پر ناکام ہو گئی کہ مسلم لیگ اس بات پر مصر تھی کہ اسے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے۔ کیبنٹ مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ آپس میں متفق نہ ہوئے تو پھر مشن اپنی طرف سے اعلان کرے گا۔ چنانچہ 19 مئی 1946ء کو مشن نے اپنی طرف سے یہ اعلان کر دیا۔

کہ ہندوستان ایک یونین (یعنی وفاق) ہوگا اور اس وفاق کے پاس صرف تین محکمے ہوں گے۔ دفاع، امور خارجہ اور مواصلات اور پھر ہندوستان کے تمام صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کر دیا۔ مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت سے۔

گروپ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان

گروپ بنگال اور آسام

گروپ باقی کے چھ صوبے بمبئی، مدراس، بہار، اڑیسہ، یو پی سی پی

تجویز یہ تھی کہ یہ نو منتخب صوبائی اسمبلیاں مرکزی آئین ساز اسمبلی کے لئے ممبران کا انتخاب کریں گی کہ وہ وفاق اور ان تین محکموں کے لئے آئین بنائے اور حکومت برطانیہ کے ساتھ ملک کی آزادی اور اختیارات کے حصول کیلئے نمائندہ ادارہ ہوگی۔

صوبوں کے لئے آئین صوبائی اسمبلیاں بنائیں گی اور اگر صوبے چاہیں تو ان گروپوں کی صورت میں اتحاد بھی کر سکتے ہیں اور ہر ایک صوبے کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ دس سال کے بعد اگر وہ مناسب سمجھے تو گروپ سے باہر بھی نکل سکتا ہے۔

اگر ان تجاویز کو غور سے دیکھا جائے تو اس نے ان دونوں فریقوں کے تقریباً تمام مطالبے منظور کر لئے تھے۔ کانگریس ہندوستان کا اتحاد چاہتی تھی تو یہی وفاقی حکومت کا تصور وہاں کمزور مرکز کی حیثیت میں موجود تھا۔ مسلم لیگ ہندوؤں کی عددی برتری سے خوف زدہ تھی تو گروپوں کی صورت میں اس کے بھی علاج کی صورت نکل آئی تھی۔ اختیارات بھی تقریباً تمام صوبوں کو دیئے گئے تھے (ماسوائے تین محکموں کے) جو وفاق کو دیئے گئے۔ حقیقت میں اس فارمولے سے پاکستان بن گیا تھا۔

کیبنٹ مشن نے یہ بھی اعلان کیا کہ وائسرائے ہند کی سربراہی میں ایک عبوری حکومت بنا دی جائے یہ بھی اعلان ہوا کہ آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کے ساتھ مرکز میں عبوری حکومت بنے گی۔ لیکن جو فریق مشن کے 16 مئی کے اعلان کو قبول نہیں کرے گا تو انہیں مرکزی حکومت میں نہیں لیا جائے گا۔

مسلم لیگ کی راہ میں بنیادی مشکل

مسلم لیگ کے رہنماؤں کو فوراً ایک بنیادی مشکل پیش آئی کہ ان کے چوٹی کے تمام لیڈر تو ان صوبوں میں سے تھے جو غیر مسلموں کے اکثریتی صوبے تھے۔ تو وہ گروپ اے کی اسمبلی میں رہ جاتے۔ اور تو بات پھر بھی بن جاتی لیکن جناح صاحب خود اور نواب زادہ لیاقت علی خان بھی ادھر ہی رہ جاتے ویول کہتا ہے کہ مسلم لیگ نے پہلی وضاحت تو یہ طلب کی کہ آیا ایک صوبے کی اسمبلی کو یہ اختیارات ہیں کہ وہ اپنے صوبے سے باہر کسی اور صوبے کے ممبر کو منتخب کرے۔ ویول نے کہا ہاں تو اسی طرح مسلم لیگ کے یہ لیڈر اور رہنما بنگال کے صوبے کی طرف سے آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے (اگرچہ وہ نمائندگی بمبئی اور یو پی کی کر رہے تھے)

مختلف گروپوں میں آئین ساز اسمبلی کے ممبروں کی تعداد

گروپ A

صوبہ	غیر مسلم	مسلم
مدراس	45	4
بمبئی	19	2
یو پی	47	8
بہار	31	5
سی پی	16	1
آڑیسہ	9	-
کل	167	20

گروپ B

صوبہ	غیر مسلم	مسلم	
پنجاب	8	16	4 سکھ

سرحد	-	3
سندھ	1	3
کل	9	22

گروپ C

بنگال	27	33
آسام	7	3
کل	34	36

مسلم لیگ کو یہ بات فوراً واضح ہوگئی کہ گروپ سی میں یہ 36 مسلم اور 34 غیر مسلم کا تناسب تو قدرے خطرناک ہے اگر کہیں غیر مسلموں نے ایک یا دو ممبروں کو ورغلا لیا تو قصہ ختم۔ ادھر پنجاب میں بھی ایک حد تک یہی مشکل تھی۔ 16 مسلم اور 12 غیر مسلم لیکن اس کے ساتھ پنجاب کی ایک اور بھی مشکل تھی کہ وہاں تو انتخابات یونینسٹ پارٹی نے جیتے تھے اور اس میں ہندو مسلم سکھ سب شامل تھے لیکن اصل مشکل اس مرتبہ مسلم لیگ کو درپیش تھی کہ مشن نے یہ اعلان سختی سے کیا تھا کہ اگر کسی فریق کو یہ تجاویز نامنظور ہوں تو انہیں حکومت میں نہیں لیا جائیگا۔ مسلم لیگ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر حکومت سے باہر رہ گئے تو رہ ہی جائیں گے۔ ساتھی رکنے کے نہیں بھاگ کر چھوڑ دیں گے۔

مسلم لیگ کی پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں مشن کی تجاویز پر غور ہوا اور 6 جون 1946ء کو یہ منصوبہ منظور کرلیا اور اسی طرح متحدہ ہندوستان کے وفاق کی حیثیت تسلیم کرلی اور پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے۔

مسلم لیگ کو یہ کامل یقین تھا کہ کانگریس ان تجاویز کو نامنظور کرے گی۔ گروپوں کی تقسیم اور ان میں جبری شمولیت پر ضرور اعتراض کریں گے لیکن 25 جون 1946ء کو کانگریس نے بھی اعلان کیا اور ان تجاویز کو منظور کرلیا۔ ویول تو کانگریس کی اس منظوری پر نہایت مایوس اور دل برداشتہ ہوا۔ اسے تو پختہ یقین تھا کہ کانگریس ان تجاویز کو نامنظور کرے گی۔ اس کے ذہن میں تو اسی Break Down Plan کا منصوبہ پھر رہا تھا اور اسی ذہن سے سوچا تھا۔ یہاں کانگریس نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

25 جون اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

The worst day yet------ Congrees has accepted the statement of May 16------- Now Cripps having assured me catagorically that the Congrees would never accept the statement of May 16th P.305

ترجمہ:۔ ''اب تک سب میں برا دن...... کانگریس نے مئی 16 کے بیان سے اتفاق کا اعلان کر دیا ہے۔ کرپس نے مجھے قطعی یقین دلایا تھا کہ کانگریس کبھی بھی مئی 16 کے بیان سے اتفاق نہیں کریں گی۔'' (صفحہ 305)

ویول خود تسلیم کرتا ہے کہ:

Congrees manoeuvers have now put us in a very difficult position . Both with Mr.Jinnah and the formation of an interim Govt. Wavell P.303

ترجمہ:۔ ''کانگریس کی چالوں نے ہمیں نہایت مشکل میں پھنسا دیا ہے مسٹر جناح کے ساتھ بھی اور عبوری حکومت کے قیام میں بھی (صفحہ 303 ویول)''

ویول نے یہ کوشش شروع کی کہ جس طرح بھی ہو کانگریس کی اس منظوری کو نامنظور کر دے کہ یہ بددیانتی سے ہوا ہے:

Unless we decide that the congrees is a dishonest, as it infact and refuse to regard it an acceptance . P.304

ترجمہ:۔''پھر ہم نے کانگریس کے اتفاق والے خط پر بحث کی جو کہ درحقیقت بے ایمانی پر مبنی اتفاق ہے مگر اس ہوشیاری سے تحریر کیا گیا ہے کہ اسے اتفاق تسلیم کرنا پڑتا تھا۔''

ویول خود مجبور تھا اور جو اس کی خواہش تھی یا اس کے ذہن میں جو منصوبہ تھا۔ اس میں مشکلات ان برطانوی وزیروں نے پیدا کیں۔ ان پر بس نہیں چلتا تھا کیونکہ وہ حاکم تھے۔ وزیر ہند خود موجود تھا۔ ویول کے یہ مشورے اور اس کی رائے انہیں غیر معقول نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کر رہے تھے اور ان فیصلوں پر ویول دل برداشتہ تھا لیکن بے بس تھا...... لیکن اس امید پر بیٹھا تھا کہ یہ مشن آخر کار برطانیہ واپس چلا جائے گا اور میں ایک بار پھر اپنے فیصلے اپنے منصوبوں کے مطابق کروں گا۔ مسلم لیگ جب پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہوئی۔ کیونکہ مشن اپنی بات پر سختی سے قائم رہا تو ویول کھل کر کہتا ہے کہ پاکستان کے منصوبے کا اثر سلطنت برطانیہ پر پڑے گا۔ تو اس کا کیا علاج ہو گا۔ اب تک تو ویول مسلم لیگ کو یہ تسلی دیتا رہا کہ اگر مسلم لیگ راضی نہ ہوئی تو کوئی فیصلہ نہیں ہو گا اور جب فیصلہ نہیں ہو گا تو حکومت کانگریس کے حوالے نہیں کی جائے گی لیکن مشن نے تو سختی سے یہ بات کی ہے کہ جو فریق یہ فیصلہ نہیں مانے گا۔ وہ حکومت میں شامل نہیں ہو گی۔ ویول اس فیصلے سے دل برداشتہ تھا اور ایک آدھ مرتبہ تو یہاں تک کہا کہ اگر مسلم لیگ کے بغیر کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ ہوا تو میں استعفیٰ دے دوں گا:

The vicroy was not prepared to carry on if they gave way to Cangrees demands (P.151) Hodson The Great Divide.

ترجمہ:۔''اگر وہ کانگریس کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہیں تو وائسرائے مزید برقرار رہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔'' (صفحہ 151 ہڈسن ''عظیم تقسیم'')

اپنی ڈائریوں میں ویول نے یہ بات بار بار لکھی ہے کہ کانگریس نے یہ منصوبہ منافقت سے مانا ہے لیکن جب وہ کوئی گنجائش پیدا نہ کر سکے تو پھر ویول نے یہ تجویز پیش کی کہ میں اب فوری طور پر حکومت بنا ڈالوں گا اور اس سیاسی حکومت کی ساخت یا بناوٹ پھر آرام سے سوچ لیں گے۔ لیکن اس کی یہ تجویز بھی نہ مانی گئی۔

عبوری دور

لارڈ ویول نے بہت ہی شکستہ دل سے آخر کار 22 جولائی کو جواہر لال نہرو اور جناح صاحب کو خطوط لکھے۔

مرکزی حکومت میں 14 وزراء ہوں گے۔ 6 کانگریس کے جن میں ایک ہریجن ہوگا۔ 5 مسلم لیگ اور تین وائسرائے ہند نامزد کرے گا جن میں سے ایک سکھ ہوگا۔

کانگریس کے اس پر چند اعتراضات تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ کابینہ مکمل طور پر خودمختار ہو اور وائسرائے کو یہ حق نہ ہو کہ وہ اس کے فیصلوں کو رد کر سکے۔ یعنی وائسرائے کی حیثیت ایک آئینی سربراہ کی ہو۔ نہرو کو دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ اقلیتوں کی نامزدگی بھی مناسب نہیں۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ اصلی جھگڑا اس بات پہ پیدا ہوا کہ جب یہ تین گروپ بنے تو ان میں ہر ایک صوبے کو انفرادی طور پر فیصلہ کرنا چاہئے یعنی گروپ سی (C) میں آسام کو یہ حق ہو کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرے یا گروپ (B) میں سرحد اور سندھ کو انفرادی طور پر اپنے فیصلے کرنے کا حق ہو۔ کیونکہ اگر آسام اور بنگال مل کر فیصلہ کریں۔ تو آسام کے ووٹ کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اسی طرح گروپ (B) میں پنجاب کے 28 ممبر تھے۔ 4 سندھ کے اور 3 سرحد کے۔ تو جب یہ مل کر ووٹ دیں تو چھوٹے صوبوں کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ مسلم لیگ اس پر مصر تھی کہ فیصلہ گروپ کرے گا۔

جناح صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں بلایا تا کہ دوبارہ پورے معاملے پہ غور کیا جائے۔ مسلم لیگ نے 27 جولائی 1947ء کو یہ تجویز پاس کر لی کہ چونکہ کانگریس مرکزی آئین ساز اسمبلی میں قطعی اکثریت رکھتی ہے تو وہ اکثریت کے بل بوتے پر سب فیصلے کرے گی اور اسے مشن کے وزراء پر بہت اعتراضات تھے اور گلوں شکوؤں کے بعد یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ اپنا وہ ایجاب وقبول کا کیا ہوا فیصلہ واپس لیتی ہے اور اب 16 مئی کا وہ پلان اسے منظور نہیں اس کونسل نے اپنی مجلس عاملہ کو یہ اختیار دے دیا کہ اپنے سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ''راست اقدام'' یعنی Direct Action کا منصوبہ تیار کرے معلوم یہ ہوتا تھا کہ جب ''راست اقدام'' یا حکومت کے ساتھ بلاواسطہ مقابلے کا فیصلہ ہوا تو جناح صاحب نے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی اس کے تو چاروں طرف سر، نواب، نوابزادے، خان بہادر،

خانصاحبان اور جاگیردار پھیلے ہوئے تھے یہ فیصلہ بھی ہوا کہ انگریزوں کے عطا کردہ خطابات اور انعامات بھی واپس کیئے جائیں۔

عبوری حکومت کی ساخت پر بھی جناح صاحب نے اعتراض کیا کہ ایک تو مسلم لیگ کو کانگریس کے مساوی نمائندگی نہیں دی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ کانگریس پر یہ بندش نہیں لگائی گئی کہ وہ اپنی طرف سے ایک بھی مسلم وزیر نامزد نہیں کر سکے گی۔ تیسرے یہ کہ فرقہ وارانہ ووٹ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے یعنی جس فرقے کے متعلق فیصلہ ہوگا تو اس فرقے کی اکثریت خود فیصلہ کرے گی۔ یہ اعتراض کون مان سکتا تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی مساوی نمائندگی کس شناخت سے مسلمان پورے ہندوستان میں 10 کروڑ تھے۔ اور غیر مسلم 30 کروڑ۔ انتخابات کے بعد مسلم لیگ کے ساتھ صرف دو صوبے تھے۔ سندھ اور پنجاب میں قوم پرست اور یونینسٹ تھے اور باقی تمام صوبے کانگریس کے ساتھ تھے۔ دوسرا یہ مطالبہ کہ کانگریس اپنے حصے سے مسلمان وزیر نہ لے۔ اس کی کیا دلیل تھی۔ یعنی مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لئے کانگریس یہ مان لے کہ وہ صرف غیر مسلموں کی نمائندگی کرتی ہے اور اگر حقیقتاً جناح صاحب مسلمان کا غمخوار تھا تو کانگریس کی طرف سے کوئی مسلمان وزیر بن جانے پر اسے کیا تکلیف تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ سخت مشکل میں تھی۔ شملہ کی پہلی کانفرنس کے بعد مسلم لیگ کو ویول کے رویے اور تسلیم سے انہیں یہ تاثر ہوا کہ پاکستان بننے کا فیصلہ ہوگیا ہے دوسرے یہ کہ سوائے مسلم لیگ کے انگریز کسی اور کو مسلمانوں کی نمائندہ حیثیت تسلیم نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان انتخابات میں سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، جاگیرداروں مسلم والیان ریاست اور مسلمان سرکاری افسروں، انگریز اور اس کے ساتھیوں نے مل کر یہ کوشش کی تھی کہ مسلم لیگ کامیاب ہو۔ اب جب ان لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو پھر سے متحدہ ہندوستان اور ایک وفاق رہ گیا ہے اور مسلم لیگ اپنی زندگی بھر کی سیاست یعنی پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہوگئی ہے تو انہیں یہ تشویش لاحق ہوئی۔ ان خودغرضوں نے تو پاکستان میں اپنے لئے ایک مقام ڈھونڈھ نکالنا تھا۔ کارخانہ داروں اور تاجروں نے تو اپنے تجوریوں کے منہ کھول دیئے تھے اور خیال تھا کہ پاکستان جائیں گے وہاں کارخانے لگائیں گے۔ بلا مقابلہ تجارت ہوگی۔ سرکاری افسران کی بے تمیز ترقیاں ہوں گی۔ تو یہاں جب یہ سنا کہ مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دیا ہے تو ان کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن مسلم لیگ کے لئے ویسے بھی مشکلات تھیں۔ 40ء سے لے کر یہ گزشتہ کئی سال مسلم لیگ نے سوائے پاکستان کے اور کوئی بات ہی نہیں کی تھی اور یہ بات صرف سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اسے ایک مذہبی رنگ دیا تھا کہ یہ سب کچھ اسلام کی خاطر ہو رہا ہے۔ لیکن جب پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دیا تو ایک گونہ اپنے مذہبی فریضے سے بھی انکار کر دیا۔ عقیدے سے پھر گئے اور دوقومی نظریہ، نظریہ پاکستان، وہ بے شمار

تجاویز وترامیم وہ صدارتی خطبے اور تقاریر سب کچھ ہضم کرلیا اور اپنی سالوں کی سیاست اور نظریے کی سودابازی پر قربان کر دیا۔ مسلم لیگ پر لوگ یہ بھی اعتراض کر سکتے تھے کہ تم نے یہ گزشتہ الیکشن پاکستان کے نام پر جیتا اور یہ جنت کا ٹکڑا پاکستان اپنی مذہبی ذمہ داری کے طور پر مسلمانوں کو پیش کیا تھا۔ اب جبکہ تم نے یہ مطالبہ چھوڑ دیا ہے تو قوم کو کیا جواب دو گے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ اپنی کوئی بنیادی، سیاسی یا قومی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس میں شامل سب لوگ انگریز کے خطاب یافتہ اور مراعات یافتہ تھے۔ اس کی سب قوت انگریز کی امداد پر موقوف تھی۔ وہ تو انگریز کی بیساکھیوں پر اچھل کود رہے تھے۔ لیکن جونہی مشن کے سربراہان نے یہ بیساکھیاں کھینچ لیں تو یہ چت گر پڑے کیونکہ اپنی کوئی قوت نہیں تھی۔

دوسری طرف انگریز کو بھی یہ مشکل درپیش تھی کہ اس نے یہ گزشتہ کئی سال یوں گزارے تھے کہ ایک اور صرف ایک بات کرتے تھے کہ چونکہ ہندوستان کے مختلف فرقے آپس میں راضی نہیں ہو رہے تو ہم مجبور ہیں کہ اقتدار اپنے پاس رکھیں۔ لیکن اب تو یہ بہانہ بھی ختم ہو گیا اور کیبنٹ مشن پلان کا منصوبہ دونوں فریقوں نے مان لیا۔ تو اب کس بہانے سے انگریز اختیار ہندوستانیوں کے حوالے نہیں کر رہا۔ یہ انگریز پر بھی ایک سخت سیاسی وار تھا دوسرے یہ انگریز نے تو اپنے لئے وائسرائے ہند لارڈ ویول کے ذریعے Break down Plan بنالیا تھا۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس آپس میں بن گئے تو وہ سب کچھ ختم ہو گیا۔

مشن کی روانگی کے فوراً بعد لارڈ ویول نے کام چلانے کے لئے سرکاری افسروں کی ایک مرکزی حکومت بنا ڈالی۔ نیت یہ تھی کہ اب پھر اپنا پرانا کھیل شروع کرے اور دونوں جماعتوں کو بات چیت میں مشغول رکھے۔ لیکن اب حکومت برطانیہ اس بات پہ مصر تھی کہ چونکہ مسلم لیگ یہ منصوبہ نامنظور کر چکی ہے اس لئے وزارت کی دعوت صرف کانگریس کو دی جائے۔ ویول نے لکھا:

> I would say that H.M.G have the fullest intention of handing over powers to Indians , I wish a united India. But they do not recognise Congress as representing all India & have no intention of handing over power to Congrees alone (P. 323 Wavell)

ترجمہ: ''میں کہوں گا کہ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کا ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کا مکمل ارادہ ہے میں ایک متحدہ ہندوستان چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن وہ کانگریس کو تمام ہندوستان کا نمائندہ نہیں مانتے اور تنہا کانگریس کو اقتدار''

کہ تو کانگریس کو دعوت دے رہا ہوں لیکن انہوں نے پر مکمل اختیارات کا مطالبہ کر دیا ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ میں کانگریس کو پورے ہندوستان کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتا۔ اس وجہ سے میں اختیارات کیسے کانگریس کے حوالے کروں۔ (1) انگریز بھی عجیب مخلوق ہے۔ جب اپنا مطلب نہیں ہوتا تو آنکھیں بالکل بند کر لیتا ہے اس کے پاس دو پیمانے ہیں۔ ایک کانگریس کے لئے، دوسرا مسلم کے لئے۔ یہ جو اعتراض کانگریس پر اٹھایا کبھی یہ اعتراض اس نے مسلم لیگ پر کیا اور تجربے سے یہ ظاہر ہو گیا جونہی انگریز نے ذرا سختی دکھائی تو مسلم لیگ نے وہ پاکستان بھی چھوڑ دیا۔

لیکن دوسری طرف ہندوستان میں آئینی تعطل پر حرکت شروع ہوئی ہڑتالوں کے نوٹس دے گئے انگریز کو معلوم ہوا کہ اب ایک فریق کے ساتھ صلح ضروری ہے تو اس وجہ سے ویول نے جواہر لال نہرو کو بلایا تا کہ اس کے ساتھ عبوری حکومت کی بات کرے۔ یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ کے لئے وزارت میں چند کرسیاں خالی رکھنی چاہئے تا کہ انہیں آنے کی امید ہو۔ اب ویول مجبور ہے کہ بادل ناخواستہ کانگریس کو حکومت بنانے کی دعوت دے:

I dislike intensely the idea of having an interim Govt., dominated by one party, but I feel I must try to get Congrees in as soon is possible.(P.326)

Secretary of State cabled approving my proposed approach to Nahru I don't like it . p. 329 Wavell.

ترجمہ:۔ ''میں ایسی عبوری حکومت جس میں ایک پارٹی کا غلبہ ہو قطعاً پسند نہیں کرتا مگر مجھے احساس ہے کہ مجھے جتنی جلدی ممکن ہو کانگریس کو اندر لانا ہوگا''۔

''سیکرٹری سٹیٹ نے میری نہرو سے مجوزہ انداز اپنانے کی اجازت دیتے ہوئے تار میں لکھا ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں (صفحہ 29 ویول)''

لیکن مسلم لیگ پر بھی یہ واضح کر دیا کہ اگر اب بھی تم وزارت میں نہ آئے تو پھر میں حکومت برطانیہ کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ بنگال کی مسلم لیگ کی وزارت بھی عجیب تماشہ تھی کہ اس اسمبلی میں 25 ممبران یورپین یعنی انگریز تھے اور یہی مسلم لیگ کی حکومت ان کی حمایت سے چل رہی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر مسلم لیگ وزارت نہیں بنا سکتی تھی۔

راست اقدام کا فیصلہ کیوں؟

مسلم لیگ ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے پالیسی وضع کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔ لیکن ''راست اقدام'' کا فیصلہ کرنے سے پہلے اسے چاہئے تھا وہ ان تمام باتوں پہ خوب سوچتی کہ ان کی تحریک اور کانگریس کی تحریک میں ایک بنیادی اور اہم فرق تھا۔ کانگریس اپنے ملک کی آزادی اور وطن کی خودمختاری کے لئے حاکم انگریز کے خلاف تحریک چلا رہی تھی۔ لیکن یہاں مسلم لیگ کا راست اقدام انگریز کے خلاف نہیں تھا۔ اس کی تمام تر جدوجہد کا رخ تو کانگریس کی طرف تھا اور کانگریس کی طرف بھی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہندوؤں کی جماعت کی حیثیت سے اس کے خلاف اپنی قوت اور اپنا زور بلور کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ اور تمام تقاریر، بیانات اور پروپیگنڈہ اس طرح پر تھا۔ جیسے تمام اختیارات اور اقتدار ہندو کے پاس تھا اور وہ مسلمان کو نہیں دے رہا تھا۔ راست اقدام میں انگریز کو تو مسلم لیگ نے سرے سے فراموش کر دیا تھا۔ لازمی بات تھی کہ اس قسم کا راست اقدام ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان کشیدگی کا باعث ہوگا اور چونکہ مسلم لیگ کانگریس کو ایک ایسی قومی جماعت تسلیم نہیں کرتی تھی جو ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمائندگی کرے۔ بلکہ جناح صاحب کانگریس کو ''ہندو کانگریس'' کہتے تھے۔ ظاہر تھا کہ اس راست اقدام کا رخ ہندو کی طرف ہوگا اور اس طرح سے انگریز کی سالہا سال کی کوشش اور پالیسی کے منطقی نتیجے میں ہندو اور مسلمان سیاسی مورچوں پر نہیں بلکہ ''راست اقدام'' کی صورت میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے اور یہ تمام عمل خان جنگی کی صورت میں تمام ہوگا۔ *

16 اگست 1946ء کا دن راست اقدام کے لئے مقرر ہوا اور جگہ جگہ تو مسلم لیگ کیا کرتی۔ لیکن بنگال میں مسلم لیگ کی حکومت تھی اور حسین شہید سہروردی اس صوبے کا وزیر اعلیٰ تھا۔ وہاں اس نے حکومتی سطح پر ''راست اقدام'' کا اعلان کر دیا اور اس دن پورے صوبے میں تعطیل کا اعلان بھی کر دیا تا کہ مظاہروں کا

*ایس کے مجمدار اپنی کتاب ''جناح اور گاندھی'' میں لکھتے ہیں کہ سہروردی کی قیادت میں جلوس نے ان لوگوں کی دکانیں بھی لوٹی جنہوں نے ہڑتال میں حصہ نہیں لیا تھا ان کا سامان باہر پھینک دیا گیا گاڑیاں اور ٹرامیں نذر آتش کر دی گئیں اور پورے شہر میں آتش زنی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی...... یہ ہندوستان کی تاریخ کا بدترین فرقہ وارانہ فساد تھا اس ہولناک عام اور نقصان کی وجہ مسلم لیگ کا سیاسی مظاہرہ تھا۔

انتظام سرکاری طور پر ہو سکے۔ عجیب صورت حال تھی اور یہ منطق سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر صوبے کی حکومت کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ''راست اقدام'' میں بذات خود حصہ لے یہ تو خود اپنے خلاف اور امن کو خراب کرنے کی کوشش تھی۔ اگر اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ ہندو اور مسلم کی سطح پر بنگال میں فساد ہو جائے۔ تو یہ آگ کیا باقی ہندوستان میں نہیں پھیلے گی پھر ان صوبوں کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں کیونکہ مسلم لیگ کی سیاست کی خاصیت یہ تھی کہ وہ ان صوبوں میں مضبوط تھی جو غیر مسلموں کے اکثریتی صوبے تھے اور جب ان غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں فرقہ وارانہ تعصب اور نفرت کی فضا پھیل جائے گی تو اس کا فائدہ کسے پہنچے گا اور نقصان کس کا ہوگا۔

وزیر اعلیٰ سہروردی صاحب نے خود ''راست اقدام'' کی رہنمائی کی اور نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا۔ فساد شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے شروع کیا۔ ہندوؤں نے ہوا دی اور پھر بڑی تباہی سکھوں نے مچا دی۔ مسلمان کلکتہ میں بھی اقلیت تھے۔ سکھوں کا کلکتہ کے ٹرانسپورٹ پر قبضہ تھا۔ تقریباً تمام ٹیکسیاں سکھوں کی تھیں:

Whole streets were strewn with corpses-men women & children of all communities impossible to count, let alone identify . If the Muslim gave the provocation & started holo caust, they were certainly its worst victums for they were in a minority in the city.

ترجمہ:۔ ''لاشیں پوری پوری سڑکوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے مرد، عورتیں اور بچے۔ ان کی شناخت تو دور کی بات ہے انہیں گننا بھی ناممکن تھا۔ اگر مسلمانوں نے اشتعال دلایا اور آگ بھڑکائی تو وہ خود ہی اس کی لپیٹ میں زیادہ شکار ہوئے کیونکہ شہر میں وہ اقلیت میں تھے۔''

ہاڈسن لکھتا ہے کہ گلی کوچے لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ مرد، عورت بچے کس فرقے کے ہیں ان کی شناخت تو کیا۔ گنتی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ کلکتہ چونکہ ایک تجارتی مرکز تھا۔ تمام صوبوں کے ہندوستان بھر سے لاکھوں مزدور اور کاروباری لوگ یہاں موجود تھے۔ خصوصاً ملحقہ صوبے بہار کے جو مقابلتاً غریب اور پسماندہ ہے۔ صوبہ کے لوگ یہاں روزگار کے سلسلے میں موجود تھے۔ جن میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی۔ جب کلکتہ کے فسادات کے سلسلے میں یہ لوگ بھاگم بھاگ کر اپنے اپنے علاقوں میں گئے اور مسلم لیگ کے ''راست اقدام'' کے نتیجے میں مار دھاڑ جلانے اور عورتوں کے اغوا کے قصے کچھ حقیقت اور کچھ مبالغے کے ساتھ وہاں کر سنائے تو اس نے ایک ایسے فرقہ وارانہ نفرت اقارت اور دشمنی کی آگ لگا دی جسے ختم کرنا اتنا آسان نہ رہا۔ اس دوران میں وہ حرکات ہوئیں کہ انسانیت اور شرافت نے شرمساری سے سر جھکا لیا۔

یہ بات تو واضح تھی کہ اس قسم کے فسادات سے سوائے انگریز کے اور کسی کو فائدہ نہ تھا۔ انگریز کی تقریباً سو سالہ فرقہ وارانہ پالیسی رنگ لائی اور اس حد تک پہنچی کہ اب مسلمان اور غیر مسلموں نے ایک دوسرے کی گردن پر چھریاں چلائیں۔

عبوری حکومت

یہی 16 اگست 1946ء ہی تھا۔ایک طرف سہروردی صاحب نے کلکتہ میں ہندو مسلم فساد کی آگ لگادی اور یہی دن تھا کہ جواہر لال نہرو نے کوشش کی کہ عبوری حکومت بنانے میں جناب جناح صاحب اس کے ساتھ تعاون کرے۔نہرو کی تجویز یہ تھی کہ مرکز میں 14 وزارتیں ہوں گی۔6 کانگریس کے 5 مسلم لیگ کے اور 3 اقلیتی فرقوں کے،ایک سکھ ایک عیسائی اور ایک پارسی۔لیکن جناح صاحب اپنے اسی مقام پر کھڑا تھا کہ مسلم لیگ کے بغیر کوئی دوسرا مسلمان مرکزی وزارت میں نہیں ہوگا اور اگر نہرو اس کی تسلی جناح صاحب کو نہیں دلاتا تو پھر مفاہمت کا امکان نہیں اور اسی ایک اور صرف ایک بات پہ تمام فیصلے ٹوٹ گئے۔یہ ایک عجیب منطق تھی۔جس پر جناح صاحب مصر تھے۔آخر پنجاب بھی مسلم اکثریتی صوبہ تھا اور ادھر صوبہ سرحد کی یہ حالت تھی کہ سب سے زیادہ مسلم اکثریتی صوبہ یعنی 93 فیصد مسلمان تھے اور اس کی نمائندگی مسلم لیگ نہیں بلکہ خدائی خدمتگار کر رہے تھے تو اسی صوبے کی نمائندگی کا دعویٰ جناح صاحب مرکز میں کس بنا پر کر سکتے تھے لیکن بنیادی بات تو یہ تھی کہ مسلم لیگ مرکز میں اپنا حصہ بلکہ اپنے حصے سے زیادہ چاہتی تھی۔اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ کانگریس پر یہ بندش لگائے کہ کسی مسلمان کو اپنے حصے سے نمائندگی نہیں دے گی اور اسی طرح سے اگر کانگریس یہ دعویٰ کرتی کہ چونکہ مسلم لیگ دو ہی صوبوں میں اکثریت سے ہے۔بنگال اور سندھ میں پنجاب اور سرحد کی نمائندگی کا مسلم لیگ کو کوئی حق نہیں اور ان صوبوں کی نمائندگی غیر مسلم لیگیوں کو دی جائے تو جناح صاحب کا وکیلانہ قانونی ذہن یہ دلیل مان لیتا۔جب غور سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے جناح صاحب کے سامنے مسلمانوں کی مرکز میں اکثریت کا سوال نہ تھا بلکہ تمام زور مسلم لیگ کی جمعداری اور مسلمانوں کی واحد ٹھیکیداری پر تھا۔

حقیقت میں اس سلسلہ میں بہت پریشان شخص ویول تھا کہ اس کا Break Down Plan کا قصہ خواب ہو رہا تھا۔اس نے پہلے نہرو کو کہا کہ تم مسلمانوں کے لئے پانچ وزارتوں کو خالی چھوڑ دو۔شاید بعد میں مسلم لیگ شامل ہونے پر راضی ہو جائے لیکن جب نہرو یہ بات اس بنا پر نہیں مانے کہ سرکار نے اعلان کیا ہے کہ جو فریق یہ منصوبہ نہیں مانتا وہ حکومت میں حصہ نہیں لے گا۔پھر ویول نے کہا کہ میں اس ضمن میں خود

جناح صاحب سے بات کرلوں گا۔لیکن جب جناح صاحب نے یہ اعلان کر دیا تو باتوں کی گنجائش باقی نہیں رہی۔تب جا کر ویول کو قرار آیا۔

جب ویول کا یہ کھیل نا کام ہو گیا تو پھر اس نے گاندھی جی اور نہرو کو بلایا اور آنے والی وزارت کے بنانے کے اجلاس کے متعلق نیا مسئلہ پیدا کیا۔کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانے ایسا راستہ ڈھونڈے کہ کانگریس کی حکومت بنانے میں رکاوٹ پیدا ہو لیکن آخر کار حکومت برطانیہ نے بہت سختی سے منع کر دیا اور 24 اگست 1946ء کو ہندوستان کی پہلی قومی عبوری حکومت کا اعلان جواہر لال نہرو کی سربراہی میں ہوا۔

جواہر لال نہرو نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کی دو وزارتیں خالی چھوڑ دیں (تا کہ مسلم لیگ کے دو صوبوں بنگال اور سندھ کی نمائندگی کرے) لیکن عجیب بات تو یہ تھی کہ اسی دن یعنی 24 اگست کو جب ویول ریڈیو پر قوم سے خطاب کر رہا تھا۔اس نے ایک بار پھر مسلم لیگ کو دعوت دی کہ اگر چہ یہ عبوری حکومت آج قائم ہو گئی لیکن اگر مسلم لیگ آن چاہے تو ان کے لئے وہی پرانا فیصلہ موجود ہے اور وہی مقام بھی۔

جواہر لال نہرو کی حکومت کے قیام سے تو جیسے ویول کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ اب کھل کر اور واضح طور پر مسلم لیگ کے لئے برطانوی حکومت سے اُلجھا۔سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ پیتھک لارنس نے کئی بار اس کی تجاویز کی مخالفت کی اور اکثر جھاڑ بھی دیتا۔لیکن ویول اپنی بات پر مصر تھا۔

دوسری بات جس پر ویول بہت مصر تھا۔وہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلا کر نہیں کرنے دے رہا تھا۔اور جتنا بھی کانگریس یہ مطالبہ کرتی کہ عبوری حکومت کے قیام کے بعد ہندوستانی سرکار اس بات پر مجبور ہے کہ منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلائے لیکن ویول کسی صورت راضی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر ایک بار ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلا لیا گیا تو اس سے کیبنٹ مشن پلان کا آخری حصہ مکمل ہو جائے گا اور پھر انگریز اس بات پر مجبور ہو گا کہ اقتدار اور اختیار اسی آئین ساز اسمبلی کے حوالے کر دے اور ایک بار ہندوستان کے مختلف صوبوں کی منتخب کردہ آئین ساز اسمبلی بیٹھ گئی تو پھر انگریز کو ہندوستان کے وفاق اور وحدت کو تسلیم کرنا ہو گا۔ویول یہ ماننے کو کب تیار تھا۔اس نے تو اپنی جانب سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کانگریس آئین ساز اسمبلی کے اجلاس بلانے پر مصر رہی تو پھر ویول کو کانگریس کے تعاون کی بھی ضرورت نہیں:

> The viceroy who was being pressed by the Congress to call the Constituent Assembly felt he would rather lose their cooperation than go ahead with Constitution making on a one

party basis (P.169) Hodson.The great Divide)

ترجمہ:۔''وائسرائے جس پر کانگریس آئین ساز اسمبلی بلانے کے لئے دباؤ ڈال رہی تھی ایک پارٹی کی بنیاد پر آئین سازی پر تیار ہونے کی بجائے ان کا (کانگریس) تعاون گنوانے پر تیار تھا۔'' (صفحہ 169 ہڈسن)

انہیں رخصت کر دیا جائے گا۔ اسے مسلم لیگ یا مسلمان سے سروکار نہ تھا۔ وہ تو برطانیہ اور تاج برطانیہ کا مفاد تقسیم ہند میں دیکھ رہا تھا اور اپنے اسی پلان پر اڑا ہوا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان میں ایک سیاسی بحران پیدا کرے جو ایک آئینی تعطل کی شکل اختیار کرے تاکہ پھر حکومت برطانیہ مجبوراً ویول سے کہے کہ اپنے Break Down Plan پر عمل درآمد کرے۔ ویول اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ جس سب کمیٹی کو اس منصوبہ پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے یہ منصوبہ خود برطانوی حکومت کو بھیج دیا کہ اگر انگریز اس بات پر مجبور ہو جاتے کہ وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکتا تو پھر وہ واپس اپنے ملک سے آکر مسلمانوں کے صوبوں میں چلے جائیں گے:

(Wavells) Proposal greatly perturbed them & they concluded that they could not justify to parliament so drastic a policy & that on this ground alone his plan was impossible. They said that if with drawal from India become unavoidable, then withdrawal should take place from India as a whole. (P.345) (Wavell. The Viceroy`s Journal, P.345)

ترجمہ:۔''(ویول) کی تجاویز نے انہیں خاصی تشویش میں مبتلا کر دیا انہوں نے بالآخر طے کیا کہ اتنی انتہائی پالیسی کا وہ پارلیمنٹ میں جواز نہیں پیش کر سکیں گے اور فقط اس بنیاد پر ہی اس کی پلان ناممکن تھی۔ انہوں نے کہا کہ اگر انڈیا سے نکلنا ضروری ہو گیا تو پھر سارے انڈیا سے ہی نکلنا ہوگا۔'' (صفحہ 345 ویول)

لیکن ویول کو کب چین تھا۔ اس نے دونوں طرف کوششیں جاری رکھیں کہ ایک تو جیسے بھی ہو مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرے۔ تاکہ کانگریس کا راستہ روک سکے اور دوسرے یہ کہ حتی الوسع کوشش کرے کہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی بلائی جائے۔ ویول کی یہ دونوں کوششیں ایسی تھیں جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کیبنٹ مشن پلان نے جو کچھ دیا تھا۔ وہ ہندوستان کے لوگوں کو نہ دے۔ لندن حکومت سب کچھ کہتی رہی۔ لیکن ویول سنی ان سنی کرتا رہا۔

اگر ایک طرف لارڈ ویول تنگ و پریشان تھا کہ کہیں مسلم لیگ اس کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ تو دوسری طرف مسلم لیگ کے لئے بھی مشکل تھی۔ اس کے تمام رہنما مراعات یافتہ اور القابات اور خطابات سے نوازے ہوئے جاگیردار اور سرمایہ دار تھے۔ اور یہ ایک ایسی جماعت تھی کہ جس کے ممبران کے پیش نظر ذاتی اغراض تھے اسی لئے انگریز کا دایاں بازو بنے رہے اور اس کی ہر طرح خیریت انجام دیتے رہے اور وہ بھی انہیں جاگیروں اور خطابات سے نوازتا رہا۔ اس قسم کے لوگوں کا نہ دین ہوتا ہے اور نہ ایمان۔ یہ اقتدار کے تابعدار ہوتے ہیں۔ اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر یہ لوگ انگریز اور مسلم لیگ سے مایوس ہو گئے اور ادھر اختیار و اقتدار بھی کانگریس کے ہاتھ میں ہوا تو ان لوگوں کا تو ایک ہی فیصلہ ہے کہ جس سے کام بنے وہی سرکار یہی مسلم لیگ کے ممبر کانگریس کے وزارتی بنچوں پر جا بیٹھیں گے۔

جب ویول نے مسلم لیگ سے دوبارہ بات چیت کرنے کے لئے جناح صاحب کو بلایا تو ویول لکھتا ہے کہ جناح صاحب کا پہلا زور ٹوٹ چکا تھا اور میری توقع سے بڑھ کر بات کرنے پر آمادہ تھا:

Jinnah was less aggressive and aggrieved than I had expected and easier to talk to (P.351) Wavell.The Viceroy`s Journal)

ترجمہ:۔" جناح میرے اندازے سے کم لڑاکا اور ناراض تھا اور اس سے گفتگو کرنا زیادہ آسان تھا۔" (صفحہ 351 ویول)

یہ بات اب کہ عجیب اس لئے تھی کہ جب کانگریس وزارتیں قبول کر رہی تھی تو وائسرائے کے ساتھ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ وزارت کے معاملے میں بے جا مداخلت نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ جب ویول نے برطانوی حکومت کو سختی سے کہا کہ اکیلے کانگریس کو حکومت نہیں سونپنا چاہئے تو سیکرٹری آف سٹیٹ نے اسے لکھا کہ چونکہ مسلم لیگ نے 16 مئی کی تجاویز کو قبول کرنے کا اپنا فیصلہ واپس لے لیا ہے۔ اس وجہ سے اب وہ وزارت میں نہیں آسکتے اور وائسرائے کو بھی ہدایت دی کہ اگر جناح صاحب سے بات کرنی ضروری ہے تو چاہئے کہ یہ بات عبوری حکومت کے سربراہ نہرو کرے۔ لیکن ویول کب سنتا اور مانتا تھا۔ بعد میں نہرو نے یہ مسئلہ برطانوی کابینہ کے سامنے اٹھایا کہ ویول نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شمولیت کی دعوت اس کے مشورے سے تو کیا اطلاع کے بغیر دی:

(Nehru) complained that the approach to the Muslim League to join the interim Govt, had been made over his head.

(p. 390) Wavell.

ترجمہ:۔" (نہرو) نے شکایت کی کہ عبوری حکومت میں شمولیت کے لئے مسلم لیگ سے

بات چیت اس سے بالا بالا کی گئی۔''(صفحہ 390۔ویول)

خیر، ویول کی ملاقاتوں اور گفت وشنید کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو جائے گی اور اپنا جو فیصلہ مشن منصوبے کو نامنظور کرنے کا کیا تھا، وہ واپس لے لے گی، اور مشن کا وہ 16 مئی کا ہندوستان کی وحدت اور وفاق کا فیصلہ پھر سے منظور کر لے گی۔

یعنی مرکزی عبوری حکومت میں وزارتوں کو قبول کرنے کی خاطر مسلم لیگ نے اپنا تھوکا پھر چاٹا۔

پاکستان کا مطالبہ پھر سے رہ گیا اور ایک متحدہ ہندوستان کی وفاقی حکومت میں بیٹھ گئے اور ایک دوسرا سالہا سال سے چلتا ہوا جھگڑا ہو گیا کہ وہ مصر تھے کہ مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان نہ ہوگا۔ بہت بے تکلفی سے ختم کر دیا اور یہ دعویٰ بھی چھوڑ دیا۔

بیرسٹر آصف علی بدستور مرکزی کابینہ میں کانگریس کی طرف سے وزیر رہے۔ البتہ مسلم لیگ نے ایک اور بے اصولی دکھائی کہ اپنے پانچ وزیروں میں ایک ہندو وزیر کو نمائندگی دی جس کا نام جوگندر ناتھ منڈل تھا۔ جو ہریجن تھا یعنی اچھوت۔ جو ایک مسلمان وزیر کی جگہ مسلم لیگ کی نمائندگی کرے گا۔

چنانچہ 15 اکتوبر 1946ء کو مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو گئی۔ نہرو وزارت کے تین ممبروں سرت چندر بوس، شفاعت احمد خان اور سید علی ظہیر نے استعفے دے دیئے اور نوابزادہ لیاقت علی خان، مسٹر آئی آئی چندریگر، راجہ غضنفر علی اور سردار عبدالرب نشتر وزیر مقرر ہوئے۔

وائسرائے ویول ایسے کھل کر مسلم لیگ کی حکومت میں شامل کرنے کے درپے تھے کہ ان سے وہ شرط بھی پورا نہ کروائی کہ وہ اپنا جولائی کا کیا ہوا فیصلہ واپس لے لیں گے اور 16 مئی کے متحدہ ہندوستان کا فیصلہ قبول کر لیں گے۔ وائسرائے نے ان کو حکومت میں شمولیت اسی شرط پر دی تھی کہ پہلے اپنا وہ فیصلہ واپس لیں۔

ویول نے جواہر لال نہرو کو کہا:

> Jinnah had under taken, in reply to call a meeting of the Muslim League Council & to reverse its decision against the statement of May 16th----
>
> The working committee meeting was not summoned until more than three months late, & then declined to call the League council to reconsider the dicision of July, 46(P.174) Hodson- The great Divide)

ترجمہ:۔''جواباً جناح نے ذمہ لیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ بلائے گا اور وہ 16 مئی کے

بیان پر اپنے فیصلے کو تبدیل کریں گے۔

ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کہیں تین ماہ کے بھی بعد بلائی گئی اور پھر جولائی کے فیصلے پر دوبارہ غور کرنے کے لئے کونسل بلانے سے انکار کر دی۔" (صفحہ نمبر 74 ہڈسن)

ویول نے جواہر لال نہرو کو یہ تسلی دی تھی کہ مسلم لیگ اپنی ورکنگ کمیٹی بلا کر ان سے یہ فیصلہ کروائے گی۔ ایک تو وائسرائے نے اس بات سے بھی آنکھیں بند کر لیں اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ مسلم لیگ ابھی تک "راست اقدام" کی تحریک میں الجھی ہوئی تھی اور دوسری طرف ملک کی مرکزی حکومت میں شامل ہوگئی۔ وائسرائے نے یہ بھی مناسب نہ جانا کہ مسلم لیگ سے کہے۔ اب جبکہ تم ہندوستان کی حکومت میں شامل ہو گئے ہو تو اپنے یہ "راست اقدام" کی تجویز واپس لے لو۔ کیونکہ یہ تو اپنی ہی حکومت کے خلاف "راست اقدام" ہے۔

کانگریس کے آئین ساز اسمبلی کے بلانے کے مسئلے پر جناح صاحب نے فوراً بیان دیا کہ اس منتخب آئین ساز اسمبلی کو ابھی نہ بلایا جائے تا کہ یہ عبوری حکومت ذرا دم لے لے۔ ویول صاحب بھی کچھ وقت چاہتے تھے اور خوش تھے کہ اب براہ راست کانگریس کا سامنا نہیں ہوگا بلکہ اپنی بندوق جناح صاحب کے کندھے پر رکھ کر وار کرے گا۔ ظاہر یہ ہوتا تھا کہ انگریز اور مسلم لیگ کا مفاد مشترک تھا اور اسی لئے ایک ہی مورچے سے وار کر رہے تھے۔

انتہائی دل دکھانے والی بات یہ تھی کہ ادھر تو کانگریس اور مسلم لیگ وزارتوں کی تقسیم میں لگے رہے اور ادھر ہندوستان "راست اقدام" سے لگائی ہوئی آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا۔ چھوٹے موٹے فسادات تو ہوتے رہے لیکن اکتوبر میں بنگال کے مشرقی حصے میں نواکھلی میں جو ہندو مسلم فساد ہوا۔ اس میں ہزاروں بے گناہ لوگ مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ کلکتے اور نواکھلی کے قصے پھیل گئے۔ اگر نواکھلی میں ہندو گھرے تھے تو ساتھ ہی صوبہ بہار میں مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہوا۔ یہ فساد نومبر کے مہینے میں ہوا اور ایسی تباہی مچی کہ سننے سے انسان کا جگر خون ہو جاتا تھا۔* تمام ہندوستان فرقہ وارانہ تعصب،

---

*یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کانگریس کے رہنما تو فسادزدہ علاقوں کا دورہ کر رہے تھے۔ باچا خان خود اس وقت بہار اور بنگال کے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے تھے اور ان کی بھرپور مدد کی تھی جس کی تفصیل ان کی سوانح زما ژوندا و جدوجہد میں دیکھی جا سکتی ہے لیکن ان تمام فسادات کے دوران بابائے قوم محمد علی جناح کسی بھی فسادزدہ علاقے یا ہسپتال یا مہاجر کیمپ میں مسلمانان ہند کی عافیت پوچھنے یا ان کو تسلی تشفی دینے نہیں گئے ان فسادات کے بعد گاندھی جی نے جینے کی خواہش ہی ترک کر دی تھی مگر جناح صاحب پندرہ لاکھ افراد کے قتل عام کے باوجود شاہانہ انداز میں جلوس بنا کر حلف اٹھوانے گئے تھے۔

نفرت، حقارت اور دشمنی کی آگ میں جھلس گیا۔ انگریز نے تو خوش ہونا ہی تھا۔ لیکن ویول کا اپنا اندازہ یہ تھا کہ جتنی ان فرقوں کے درمیان دشمنی سخت ہوتی جائے گی اتنی ہی ہندوستان کو انگریز کی ضرورت پڑے گی اور تب جا کر ویول کا منصوبہ کارگر ہوگا کہ انگریز اپنا سامان سمیٹ کر مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں یعنی پاکستان کو منتقل ہو جائے۔ دوسری طرف مسلم لیگ بھی اس بات کو ثابت کرنا ضروری سمجھتی تھی کہ ہندو اور مسلمان کا اب ایک ہی گھر میں رہنا مشکل ہو رہا ہے اور علاج صرف یہی ہے کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے۔

کانگریس اپنی جانب سے یہ کوشش کر رہی تھی کہ 16 مئی کے منصوبے کے سلسلے میں اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کچھ اختلافات ہیں تو چاہیئے کہ یہ گروپوں اور صوبوں کے حقوق کا فیصلہ فیڈرل کورٹ کے حوالے کیا جائے لیکن جناح صاحب نے یہ تجویز بھی نامنظور کر دی۔ تو مطلب واضح تھا کہ جناح صاحب سوائے اپنی بات کے کسی اور کی نہیں مانتے تھے اور وائسرائے ہند اس میں ڈٹ کر ساتھ دے رہا تھا۔ جیسے ویول خود لکھتا ہے:

> They (The Congress) were apparently prepared to agree. that the question of whether the sections make the constitution for the provinces or provinces make their own, should be referred to the Ferderal Court, but this Jinnah would not accept.
>
> ترجمہ:۔ ''وہ (کانگریس) بظاہر اس پر تیار تھی کہ یہ سوال کہ صوبوں کے لئے آئین بنائیں یا صوبے اپنا آئین خود بنائیں۔ یہ فیڈرل کورٹ کو بھیج دینا چاہیئے۔ مگر جناح کو یہ قبول نہ تھا۔'' (صفحہ 371 ویول)

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے تو مرکزی حکومت اور کانگریس کو تشویش لاحق ہوئی۔ نہرو نے ویول کو سختی سے کہا کہ ادھر پورے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ لگی ہوئی ہے اور یہ آگ اسی طرح پھیلتی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسلم لیگ عبوری حکومت میں بیٹھ کر مساوی نمائندگی کی دعویدار ہے اور اپنی حکومت کے خلاف ''راست اقدام'' کی سیاست چلا رہی ہے۔ نہرو نے ویول کو آخری بار کہا کہ یا تو مسلم لیگ کو مجبور کرے کہ وہ 16 مئی کے پلان کی منظوری دے دے اور آئین ساز اسمبلی میں آ جائے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر مسلم لیگ کو مجبور کرے کہ حکومت سے نکل جائے اور اگر تم یہ نہیں کرتے تو پھر کانگریس مجبور ہو گی کہ وہ استعفیٰ دے دے اور پورا ہندوستان ویول اور جناح صاحب کے حوالے کر دے اور ساتھ میں یہ بھی مطالبہ کیا کہ وائسرائے ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلائے۔

ویول کے لئے اب دوسرا راستہ نہیں تھا۔ 20 نومبر 1946ء کو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا

اجلاس 9 دسمبر 1946ء کو بلا لیا۔ جناح صاحب نے فوراً اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ ایک بار پھر کیبنٹ مشن کا منصوبہ نہیں مانتی۔ تو ویول کے لئے مشکل ہو گئی کیونکہ اس اعلان کے بعد مسلم لیگ کسی صورت بھی حکومت میں نہیں رہ سکتی تھی اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ ویول اس بات سے بھی ناراض نہیں ہوا کہ جناح صاحب نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ عبوری حکومت میں جب شامل ہوں گے تو اپنا کیا ہوا فیصلہ واپس لے لیں گے۔

مگر ویول اپنی بات پر مصر تھا کہ اس نے ملک کے حالات کی ایک مکمل رپورٹ برطانیہ بھیجی یہ کہا کہ اگر کانگریس کی بات مان لی گئی تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور تو اور ہندوستان کی فوج بھی دو حصوں میں بٹ جائے گی اور چاروں طرف افراتفری پھیل جائے گی:

If he (Jinnah agreed, they (H.W. Govt.) surrendered to the Congress point of view the result would be something approaching civil war, threaten the breakup of India Army an chaos through out India. (P.176) The great Divide)

ترجمہ:۔ ''اگر اس نے (ویول) اتفاق کیا اور انہوں نے (ہز مجیسٹی کی حکومت) نے کانگریس کے نقطہ نظر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو نتیجہ خانہ جنگی کی سی صورت ہوگی۔ انڈین آرمی کی ٹوٹ کا خطرہ ہوگا اور سارے انڈیا میں افراتفری پھیل جائے گی۔''

وائسرائے نے یہ تجویز پیش کی کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے دو دو نمائندے جا کر حکومت برطانیہ سے براہ راست ان معاملات پر فیصلے کرائیں۔

جناح صاحب اور نوابزادہ لیاقت علی خان دونوں نے یہ دعوت قبول کی۔ لیکن کانگریس نے انکار کیا اور کہا کہ یہ ایسے ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ انگریز مسئلے کا حل نہیں چاہتا بلکہ ایک فریق کی خوشی کے لئے ملک کے مستقبل سے کھیل رہا ہے جب برطانیہ کے وزیر اعظم کو اس بات کا علم ہوا کہ نہرو نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو وزیر اعظم نے ذاتی طور پر درخواست کی جس پر نہرو صاحب جانے کے لئے رضا مند ہوئے لیکن کانگریس کا دوسرا ممبر سردار پٹیل پھر بھی نہیں گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ویول کہتا ہے کہ جناح صاحب کو جب علم ہوا کہ جواہر لال نہرو نے انکار کیا تھا لیکن وزیر اعظم برطانیہ کی ذاتی درخواست پر جا رہے ہیں تو جناح صاحب بھی آخری وقت میں اپنی قبول شدہ دعوت سے انکار کر کے کہنے لگے کہ مجھے بھی وزیر اعظم خود بلائے:

Perhapes he (Jinnah) thought that as Nehru has had a personal

appeal from the P.M. it behaved his dignity to have one too.(P.385) Wavell.

ترجمہ:۔" شاید اس (جناح) نے سوچا ہو کہ نہرو کو کیونکہ وزیراعظم نے ذاتی اپیل کی ہے تو اس کی عظیم حیثیت بھی اسی اپیل کا تقاضا رکھتی ہے۔" (صفحہ نمبر 385۔ ویول)

ظاہر ہے ویول نے یہ تمام کھیل اس لئے کھیلا تھا کہ مسلم لیگ عبوری حکومت سے نہ نکلے۔ اگرچہ جناح صاحب کے بیان کے بعد مسلم لیگ کے لئے وزارت میں اس کا کوئی جواز نہ تھا لیکن ویول تو یہ سب کچھ اپنے مفاد کی خاطر کر رہا تھا۔ وہ تو اپنی پرانی بات مٹھی میں دبائے بیٹھا تھا۔ جب یہ وائسرائے مقرر ہوا اور سابق وزیراعظم چرچل سے ملنے گیا اور جب اس سے رخصت ہونے کی اجازت لے رہا تھا تو چرچل نے آخری نصیحت یہ کی تھی کہ Keep a bit of India ویول کے کانوں میں یہ آواز اب تک گونج رہی تھی اور شاید اسی کی روشنی میں اپنا Break Down کا منصوبہ تیار کیا تھا۔

پارٹی لیڈر بمعہ ویول کے 3 دسمبر کو لندن پہنچے۔ ویول نے فوراً اپنا ایک مفصل نوٹ کابینہ کو پیش کیا۔ تمام مسئلوں پر روشنی ڈالنے کے بعد وائسرائے نے یہ نتیجہ نکالا کہ کانگریس کے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بات آخر کار محاذ آرائی پر ختم ہو گی اور اس کے مقابلے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ماسوائے اس کے کہ ویول کے Breadk Down Plan کے منصوبے پر عملدرآمد ہو۔ کانگریس کے اکثریتی صوبوں کو آزادی دے دی جائے اور انگریز بمع فوج نوکر شاہی اور بال بچوں کے مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں چلے جائیں:

They (Congress) are ready yet for an open breach with H.M.G. such a breach is however a possibilty & we can only, face it if we have a definite policy and a break down plan.(p.388) (Wavell. The Viceroy`s Journal-P.371).

ترجمہ:۔" وہ (کانگریس) ہز میجسٹی کی حکومت سے کھلا اختلاف کرنے کے لئے ابھی تیار نہیں مگر ایسے اختلاف کا امکان موجود ہے اور ہم اس کا مقابلہ صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یقینی پالیسی اور بریک ڈاؤن پلان ہو۔"

(صفحہ 386 ویول)

ویول کے رویے سے یہ بات واضح تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے ان لیڈروں کو یہاں تک اس لئے لایا تھا کہ پہلے برطانوی حکومت سے اپنا یہ منصوبہ منوالے اور پھر یہ منصوبہ ان لیڈروں کو سنایا جائے تاکہ

یہاں لندن میں آمنے سامنے بحث ہو جائے۔ ویول کو یہ بات آسان نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ وہ تو انگریزوں کے لئے ایک حصہ ہندوستان کا بچا کر رکھنا چاہتا تھا اور وہ حصہ جو ایک طرف روس کی سرحدات کو روک سکے اور دوسری طرف چین کی طرف کی سرحدات کو قابو کر سکے۔ اس طرح آزاد ہندوستان پر بھی کنٹرول رکھا جا سکے گا۔ مسلم لیگ اس بات پر راضی تھی تو پھر تو سرے سے مسئلہ ہی حل ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین تو ان حالات میں صلح اور مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اجلاس ناکام ہوا۔ لیڈر واپس ہو گئے۔ ویول نے اپنے منصوبے کی وضاحت کے سلسلے میں رکنے کی کوشش کی۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اسے واپس بھیج دیا۔ ویول نے اپنے سیکرٹری جارج ایبل کو پیچھے چھوڑا تا کہ وہ حکومت کے ساتھ اس کے منصوبے کے مطابق تفصیلی بات کرے اور ویول کو باخبر رکھے۔ آخر سیکرٹری نے اطلاع دی کہ حکومت برطانیہ نے یہ منصوبہ قطعی طور پر نامنظور کر دیا ہے تب جا کر ویول کو قرار آیا:

George Abell telegraphed to say that the cabinet at home has gone back cpmpletely and refuses to have any thing to go with the "Break Down Plan", so he is returning at once. Jan, 8th 47 (P.408) Wavell. The Viceroy`s Journal).

ترجمہ:۔ ''جارج ایبل نے تار کے ذریعے اطلاع بھیجی کہ ہوم کابینہ نے رائے بالکل بدل لی ہے اور ''بریک ڈاؤن پلان'' سے بالکل لاتعلقی کا اظہار کر دیا ہے لہٰذا وہ فوری طور پر واپس آ رہا ہے۔''

(8 جنوری 47ء صفحہ 408 ویول)

ان مذاکرات کے نتیجے میں حکومت برطانیہ نے گروپوں کی کارگزاری کے سلسلہ میں مسلم لیگ کا نقطہ نظر منظور کر لیا۔ صوبوں کی انفرادی حیثیت ختم کر دی۔ وضاحت کی گئی کہ گروپ اپنے فیصلے اجتماعی طور پر کریں گے۔ قصہ مختصر کہ گروپ بی کا اختیار پنجاب کو دے دیا اور سندھ اور سرحد اس کے طفیلی بن گئے۔ اسی طرح مشرق میں اختیار بنگال کے حوالے ہوا اور آسام ایک غیر موثر حصہ دار رہا۔

پروگرام کے مطابق 9 دسمبر کو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ مسلم لیگ شامل نہیں ہوئی۔ اس اسمبلی نے اپنی ایک قرارداد مقاصد پاس کی جس میں رہنما اصول بیان کئے اور صوبوں اور ریاستوں کے متعلق اپنی پالیسی واضح کر دی۔ تین مرکزی محکموں کے علاوہ تمام اختیارات صوبوں کو دے دیئے گئے۔ پھر مختلف شعبوں کے لئے کمیٹیاں بنائیں اور اس میں مسلم لیگ کے ممبروں کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی۔

5 جنوری 1947ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس نے حکومت برطانیہ کا یہ اعلان قبول کرلیا جس میں اختیارات صوبوں کی بجائے گروپوں کو منتقل کر دیئے تھے۔ اب مسلم لیگ کو ایک اور مشکل پیش آئی کہ وہ صوبوں کے خلاف گروپوں کا بہانہ بھی نہ رہا۔ مسلم لیگ نے اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس 29 جنوری 1947ء کو کراچی میں بلایا۔ بہت طویل شکایات وشبہات بیان ہوئے اور اس کے بعد فیصلہ سنایا گیا کہ چونکہ کانگریس نے کیبنٹ مشن پلان دل سے تسلیم نہیں کیا، اس لئے مسلم لیگ بھی اس کو ماننے پر تیار نہیں اور چونکہ مشن کا یہ منصوبہ ناکام ہوگیا ہے اس لئے اس کے تحت ہونے والی تمام کارروائی ختم کی جائے اور ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا جائے۔

عجیب تماشہ تو یہ تھا کہ مسلم لیگ نے 16 مئی کے کیبنٹ مشن منصوبے کو ماننے اور قومی آئین ساز اسمبلی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا بلکہ مطالبہ کیا کہ یہ اسمبلی بھی توڑ دی جائے اور یہ مطالبہ بھی کیا کہ اس منصوبے کے تحت کی گئی تمام کارگزاری کو ختم کیا جائے لیکن اسی منصوبے کے تحت عبوری حکومت میں بے شرمی سے شرکت بھی کیئے ہوئے تھی اور وائسرائے ویول ان تضادات پر آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔

لارڈ ویول کی برطرفی

اور

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری

مسلم لیگ کے اس اعلان کے بعد کانگریس نے سختی سے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو وائسرائے مسلم لیگ کے ان وزراء کے استعفے طلب کرے ورنہ کانگریس اس بات پر مجبور ہے کہ وہ پورے مسئلے کا از سر نو جائزہ لے۔ برطانوی حکومت کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے ویول کو مشورے کے لئے لندن بلایا۔ لیکن ویول کو کب فرصت تھی۔ وہ اپنی ہانڈی چڑھا چکا تھا۔ اس نے سنی ان سنی کر دی۔ آخر کار 4 فروری 1947ء کو ایک خاص ایلچی کے ذریعے ویول کو وزیر اعظم برطانیہ کا خط ملا۔ اسے برطرف کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ نے اپنا تاریخی اعلان کر دیا کہ حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جون 1947ء تک اقتدار ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے گا اور اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے آزاد کر لے گی۔

ہندوستان کے مستقبل کے متعلق دوسرا نکتہ یہ تھا کہ اگر ہندوستان کی یہ موجودہ منتخب آئین ساز اسمبلی ایک غیر منقسم ہندوستان کے لئے قبول ہو تو بہتر ہے کہ انگریز اختیارات اسی اسمبلی کے سپرد کر دے گا۔ لیکن اگر ہندوستانی ایک آئین ساز اسمبلی اور ایک آئین پر متفق نہ ہوں تو پھر حکومت غور کرے گی کہ اختیارات کن کو اور کیسے حوالے کرے۔ کہ آیا یہ اختیارات برطانوی ہندوستان میں ایک حکومت کے حوالے ہوں یا موجودہ صوبائی حکومتوں کے حوالے اور یا دوسرا کوئی اور معقول طریقہ نکالے جو ہندوستان کے باشندوں کو قبول ہو اور ان کے مفاد میں ہو:

- His Majesty's Govt. will have to consider to whom the power of the central Govt. in British India should be handed over on the due date whether as a whole to some form of Central Govt.

or in some areas to the existin provincial Govt's. or in such other way as may seem most reasonable and in the best interset of the Indian people.

ترجمہ:۔ ''ہز میجسٹی کی حکومت کو غور کرنا ہوگا کہ برطانوی ہند میں تاریخ مقررہ کو مرکزی حکومت کس کے ہاتھ میں دینا ہوگی۔ مرکزی حکومت کی کسی شکل کو مکمل طور پر دیں یا پھر کچھ علاقوں میں موجود صوبائی حکومتوں کی یا کوئی اور معقول انتظام جو ہند کے عوام کے بہترین مفاد میں ہو''۔ *

متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کی شرط کا تو شاید مسلم لیگ کو پہلے سے علم تھا اور اسی لئے تو اس نے متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ حقیقت میں ہندوستان تقسیم کرنا چاہتی ہے تو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کرے۔ بس پاکستان بن گیا۔ یہ فیصلہ تو بہت آسانی سے بغیر کسی مشکل کے ہو گیا۔ اب رہا دوسرا قدم کہ ہندوستان تو تقسیم ہو جائے گا لیکن اقتدار کسے سونپا جائے گا۔ اس کے لئے بھی انگریز راستہ اور طریقہ سکھا چکا تھا کہ اختیارات صوبوں کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ یہ مسلم لیگ کو ایک واضح اشارہ تھا کہ تم جس جس صوبے میں پاکستان بنانا چاہتے ہو تو وہاں حکومت اور اختیار پر قبضہ کر لو۔ انگریز نے اپنا فیصلہ مسلم لیگ کو سنا دیا کہ اگر پاکستان بنانے پر مصر ہو تو پنجاب میں یونینسٹ حکومت توڑ دو۔ اختیار اور حکومت اپنا لو اور صوبہ سرحد میں خدمتگار حکومت توڑ دو۔ حکومت برطانیہ نے یہ اعلان 20 فروری 1947ء کو کیا۔

اس کے بعد مسلم لیگ اور اس کے ہمدردوں کی تمام تر توجہ ان دو صوبوں پر مرکوز ہو گئی کہ جیسے بھی ہو ان دونوں صوبوں میں حکومت کو اپنا لے۔ مسلم لیگ تو پنجاب اور سرحد دونوں میں انتخابات ہار چکی تھی۔ اس وجہ سے قانونی اور جمہوری حق تو نہیں بنتا تھا۔ جس سے حکومت اپنا سکے۔ جب انتخابات سے نہ ہو سکا تو اب مسلم لیگ نے غیر قانونی اور غیر جمہوری طریقوں کی تلاش شروع کر دی۔ پنجاب کا قصہ اتنا مشکل نہ تھا کیونکہ اگر وہاں ہندو اور مسلم کے نام پر فساد ہو اور سکھ اور ہندو ممبروں کو بھگا دیا جائے تو اس مسئلہ کا مسلم لیگ کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن مشکل تو صوبہ سرحد کی آن پڑی تھی کیونکہ اگر وہاں کے تمام غیر مسلم بھگا بھی

* جہاد کا یہی فارمولا بعد میں کشمیر میں قبائلی پٹھانوں کے ذریعے اسی طریقے سے کامیابی سے استعمال کر دیا گیا، قبائلی پٹھانوں کے علاقے کو سرزمین بے آئین رکھنا اور اسے بازوئے شمشیر زن کہنا دراصل بابائے قوم کے اسی منصوبے کی غمازی کرتی ہے جس کی رو سے وہ سوویت روس کے لئے اسی جمال الدین افغان کے پان اسلامزم کے موید تھے۔

دیئے جائیں تو مسلم ممبروں میں بھی اکثریت خدائی خدمتگاروں کو حاصل تھی۔ ویول جس منصوبے کی تیاری مرکز میں کر رہا تھا اور انگریز افسران کو اس بات پر قائم کر رہا تھا کہ Break Down Plan کے سوا کامیابی کا دوسرا راستہ نہیں اور صوبہ سرحد کا موجودہ گورنر سر الف کیرو اسی دوران دلی میں مرکزی حکومت کا خارجہ سیکرٹری تھا اور حکومت ہند کے خارجہ سیکرٹری کا ایک اور صرف ایک کام ہوا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کے اس طرف افغانستان کی سرحدات پر نظر رکھے کیونکہ انگریز کے کہنے کے مطابق تو ہندوستان کو صرف اور صرف ایک جانب سے خطرہ ہوسکتا تھا اور وہ تھا ''روس''۔

روس کے متعلق انگریز کی پالیسی بالکل واضح تھی کہ جیسے بھی ہو روس کو آمو دریا کے اس پار اس کے جغرافیائی اور نظریاتی سرحدات کے اندر رکھا جائے اور چونکہ حال ہی میں روس جرمنی کے خلاف جنگ میں زک اٹھا چکا تھا۔ انگریز کو اس کی طرف سے حملے کا خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ پوری توجہ نظریاتی سرحد پر تھی اور چونکہ روس کے نظریاتی انقلاب کے مقابلے کے لئے انگریز اسلام کا نام استعمال کرتا تھا۔ وہاں مشکل پیش آئی کیونکہ افغانستان کے ذریعہ روس کی سرحد پر تو ہندوستان کا یہی صوبہ تھا۔ یہاں جنگی اہمیت کے درے واقع تھے اور جب تک اس صوبے پر انگریز کا مکمل قبضہ نہ ہو۔ تو یہ پالیسی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی طرح ویول بھی اپنے منصوبے کو مکمل نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک مسلمانوں کا سب سے اہم صوبہ جو اتنے حساس منطقے میں واقع تھا مکمل طور پر انگریز کے زیر اثر نہ ہو۔ انتخابات میں بہت زور لگایا گیا لیکن پھر بھی اس صوبے پر انگریز قبضہ نہ کر سکا۔ ایک دوسری بنیادی مشکل مسلم لیگ اور انگریز کو اس صوبے میں یہ تھی کہ یہاں خدائی خدمتگار تحریک کی بدولت لوگوں میں اتنی سیاسی بیداری آ گئی تھی کہ انگریز کے خطاب یافتہ سروں اور نوابوں کو وہ سیاسی میدان سے بھگا چکے تھے اور حقیقت میں نادار، غریب، بے بس اور بے کس لوگوں کا اثر ورسوخ تحریک کی وجہ سے پھیل چکا تھا۔

لیکن یہ صوبہ مسلم لیگ کے حوالے کرنا بھی ضروری تھا۔ جیسے پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اس صوبے میں مسلم لیگ نے کافی زور لگایا۔ الیکشن سے کام نہ بنا۔ فرقہ وارانہ فسادات کرائے لیکن جناح صاحب کا خیال تھا کہ کام بننے کا نہیں۔ تو اس نے ایک اور ہی خطرناک منصوبہ بنا ڈالا جس کی تفصیل سکندر مرزا نے اپنی سوانح حیات میں لکھی ہے۔ سکندر حیات کا تبادلہ صوبہ سرحد میں ہو چکا تھا۔ ان دنوں وہ دلی میں مرکزی حکومت کے محکمہ دفاع کا جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ لکھتا ہے کہ فروری 1947ء کو جناح صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا کہ میں ان سے ملوں۔ لکھتا ہے کہ قائداعظم نے شروع یہاں سے کیا کہ مجھ سے پوچھا کہ تم مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر تسلیم کرتے ہو، اور آیا اگر میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے بجا لاؤ گے۔ سکندر مرزا لکھتا ہے کہ اس حالت میں میں کیا جواب دیتا۔ سوائے ہاں کے پھر جناح صاحب نے مجھے کہا کہ:

He then went on to say that he was afriad he was not going to get Pakistan unless some serious trouble was created, and the best place to do this was N.W.F province with the tribes, in his view it was important to demonstrate Muslim anger before the British handed the country over to Congress if Pakistan was not conceded by negotiations we must fight----- he wanted me to resgin from service, go into the trible terrritory & start a Jehad.

ترجمہ:۔"اس نے مزید کہا کہ اسے ڈر ہے کہ وہ پاکستان سے محروم رہے گا، اگر کچھ سنجیدہ مسئلہ پیدا نہ کیا گیا اور ایسا کرنے کے لئے موزوں ترین جگہ شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ صوبہ جہاں قبائل آباد ہیں اس کی نظر میں یہ اہم تھا کہ مسلم غصے کا اظہار ہو۔ قبل اس کے برطانیہ ملک کو کانگریس کے حوالے کردے اگر پاکستان مذاکرات کے ذریعے ملتا تو ہمیں لڑنا ہوگا......وہ چاہتا تھا کہ نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور قبائلی علاقہ میں جاکر جہاد شروع کروں"۔

یعنی یوں لگتا ہے کہ انگریز مجھے پاکستان نہیں دے رہا۔ جب تک ہم کوئی سخت مشکل پیدا نہ کریں اور اس کے لئے سب سے بہترین جگہ شمال مغربی سرحد اور وہاں کے قبائل ہیں۔ جناح صاحب کے خیال میں یہ نہایت ضروری تھا کہ انگریز کو یہ بتادے کہ مسلمان اس بات پر سخت غصے میں ہیں کہ انگریز اختیارات کانگریس کے حوالے کررہا ہے۔ جناح صاحب نے آگے چل کر وضاحت کی کہ پاکستان اگر گفت وشنید سے حاصل نہ ہوسکا تو پھر لڑ کر حاصل کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سکندر مرزا آگے لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے مجھے اس لئے بلایا تھا کہ میں سرکار کی نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور قبائلی علاقہ میں جاکر وہاں جہاد شروع کروں۔

یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ فروری 1947ء کا مہینہ ہے۔ ویول برطرف ہو چکا ہے اور برطانوی حکومت اعلان کر چکی ہے کہ جون 1947ء تک وہ اختیارات ہندوستانیوں کے حوالے کردے گی۔ ویول کے جانے سے جناح صاحب کی تشویش بجا تھی کہ اب کیا ہوگا۔ فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے لیکن جناح صاحب اس سے بھی زیادہ خطرناک قدم اٹھانا چاہتے تھے اور وہ قدم بھی صوبہ سرحد کے علاقے میں جناح صاحب نہایت بے باکی سے سکندر مرزا سے کہتا ہے کہ میری یہ اطلاع ہے کہ تم یہ کام کرسکتے ہو اگر تم نے کوشش کی:

He (Jinah) said according to his information. I could achieve this if i really tried.

ترجمہ:۔''اس (جناح) نے کہا کہ اس کی معلومات کے مطابق میں اگر واقعی کوشش کروں تو ایسا کر سکتا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسے جناح صاحب اپنا رابطہ سرکاری افسروں سے رکھے ہوئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ قبائلی علاقوں میں گڑ بڑ کیسے پیدا کی جاسکتی ہے اور انگریز کے افسر کیسے جہاد کا انتظام کر سکتے ہیں۔سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا۔یہ بھی معلوم تھا کہ اس طرح صوبہ سرحد کے گاؤں پر حملے ہوں گے اور اس میں لوگ بھی مریں گے اور خصوصیت سے ہندو۔لیکن یہ سب کچھ سوچنے کے بعد بھی میں یہ کام کرنے پر تیار ہو گیا:

This could only take the form of raids on border villages in the settled areas--- yet I decided to fall in with Quad i Azam's plan---- I have no desire to be branded as a man who was found wanting when the time for action came.

ترجمہ:۔''یہ فقط آباد علاقوں کی سرحد پر واقع گاؤں پر حملوں کی شکل اختیار کر سکتا تھا......پھر بھی میں نے قائداعظم کے منصوبے کو قبول کیا......میری کوئی خواہش نہیں کہ عمل کا وقت آنے پر مجھے کمزور پایا جائے''۔

میں نے کہا کہ مسلمانوں کے اس لیڈر کی اگر یہ رائے ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک ایسی راہ نکالنی چاہئے تو میں کون ہوتا ہوں اس پر اعتراض کرنے والا ورنہ کل کو اس نام سے یاد کیا جاؤں کہ مطلب اور ضرورت کے وقت میں نے مسلمانوں سے بے وفائی کی۔

سکندر مرزا آگے چل کر کہتا ہے کہ اگر مجھے کافی رقم ہاتھ آئے تو میں وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں کام چلا سکتا ہوں:

With the liberal expenditure of money I would be able to cause some trouble in waziristan, Tirah and Mohmand country. I gave my estimate of the sum of money as one crore.

ترجمہ:۔''کھلے پیسے کی موجودگی میں وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں کچھ گڑ بڑ کروا سکتا تھا۔میں نے رقم کا اندازہ ایک کروڑ لگایا''۔

سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے رقم کا اندازہ تقریباً ایک کروڑ روپے بتایا اور پھر کہا کہ اگر میں اسی طرح دلی سے غائب ہو جاؤں تو اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈنا پڑے گا۔ سکندر مرزا آگے لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جناح صاحب نے ان دونوں مسئلوں پر پہلے سے غور کر رکھا تھا۔ کہا کہ تم دلی کی نوکری چھوڑ کر ہز ہائی نس خان قلات کی نوکری اپنا لو اور رقم ہز ہائی نس نواب بھوپال دے گا:

Mr. Jinnah had already anticipated these requirements, he had the cover and the money ready. the cover was an appointment with. H.H. The Khan of Kalat & the treasure was provided by, H.H. the Nawab of Bhopal.

ترجمہ:۔ ''جناح نے ان ضروریات کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ اس کے پاس عذر اور رقم تیار تھی۔ ہز ہائی نس خان آف قلات کے ساتھ ملاقات تھی اور خزانہ ہز ہائی نس نواب آف بھوپال نے فراہم کیا''۔

سکندر مرزا کہتا ہے کہ متبادل نوکری اور خزانہ تیار مل رہا تھا۔ آگے سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نواب بھوپال سے ملنے گیا۔ اس نے مجھے فوری طور پر خرچ کرنے کے لئے -/20000 روپے دے دیئے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ جناح صاحب نے مجھے یہ بھی تسلی دی کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو وہ میرے خاندان کا ضرور خیال رکھے گا۔

سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے فوراً کام شروع کر دیا۔ چند ایک اپنے معتمد ساتھی ڈیرہ اسماعیل خان اور پشاور سے بلائے۔ قبائلی علاقے سے بھی اپنے دوستوں کو بلایا۔ کافی بحث مباحثے کے بعد ہم نے ایک منصوبہ بنایا کہ جن لوگوں کو میں بہت قریب سے جانتا تھا ان کے ساتھ مل کر وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں رابطے قائم کر لوں، لیکن مرزا صاحب آگے لکھتے ہیں کہ مئی کے مہینے میں پھر قائداعظم نے مجھے بلایا اور کہا کہ چونکہ پاکستان ہمیں دیا جا رہا ہے اس لئے تم اپنا وہ منصوبہ چھوڑ دو:

But early in mas, the Q.A. sent for me again and told me that, as Pakistan would be conceded, the plan would be abandoned.

ترجمہ:۔ ''مگر اوائل مئی میں قائداعظم نے مجھے پھر بلا بھیجا اور مجھے بتایا کہ پاکستان پر اتفاق ہو جائیگا۔ لہٰذا منصوبہ ترک کر دیا جائے''۔ *

---

*یوں لگتا ہے جیسے در پردہ جناح صاحب اپنے کرم فرماؤں سے مسلسل رابطے میں تھے اور وہ ان کو اپنے اندیشوں اور منصوبوں کے متعلق بدلتی صورتحال بتاتے ہوئے لائحہ عمل دے رہے تھے۔

اس سلسلے میں سکندر مرزا اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ جناح صاحب ایسا لیڈر تھا کہ وہ ہر ایک کام خود اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ کسی اور کی رائے یا مشورہ نہیں مانتا تھا اور ثبوت میں مرزا صاحب کہتا ہے کہ جب بعد میں قائداعظم گورنر جنرل ہوا تو ایک دن میں نے کہا کہ ہمیں چاہیئے کہ ان مسلم لیگیوں کا کچھ نہ کچھ خیال رکھیں کیونکہ یہ پاکستان تو انہوں نے بنایا ہے۔ کہا کہ قائداعظم نے فوراً جواب دیا کہ تمہیں یہ کس نے بتایا کہ پاکستان مسلم لیگ نے بنایا ہے۔ پاکستان تو میں نے بنایا ہے اور میرے سٹینوگرافر نے:

That we must try to be considerate to the Muslim League as after all they had brought in Pakistan . Jinnah immediately replied "who told you that M. League brought in Pakistan . I brought in Pakistan with my stenographer.

ترجمہ:۔ ” پھر ہمیں مسلم لیگ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ آخر کار انہوں نے پاکستان قائم کیا۔ جناح نے فوراً جواب دیا ” تمہیں کس نے کہا ہے کہ مسلم لیگ نے پاکستان قائم کیا ہے۔ پاکستان میں نے اپنے سٹینوگرافر کی مدد سے قائم کیا ہے“۔

سکندر مرزا کے اپنے بیان سے اگر ایک طرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کیسے انگریز کے بڑے بڑے افسر مسلم لیگ کے لئے کام کرنے کو بالکل تیار تھے تو دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدائی خدمتگار حکومت کو گرانے کے لئے جناح صاحب آئینی اور جمہوری طریقوں سے ناکامی کے بعد کس حد تک جانے کو تیار تھا کہ اس حکومت کو توڑنے کے لئے وہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور قبائل کے ذریعہ جہاد کا اعلان کرنے کو تیار تھا اور تیسری اور اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ کیسے انگریز سرکار کے افسر قبائلی ملکوں اور لیڈروں سے اپنے رابطے برقرار رکھے ہوئے تھے اور اگر وہ چاہیں تو ایسے لوگوں کی کمی نہیں کہ ان سرکاری افسروں کے کہنے پر وہ اپنے ملک پر بھی حملے کر دیں۔ اس طرح دوسری طرف بھی ذرا غور کرنا چاہیئے کہ والیان ریاست کس طرح کروڑوں روپے فراخ دلی سے دے رہے تھے اور کروڑوں روپے بھی اس وقت کے کروڑوں۔

خضر حیات کی یونینسٹ حکومت کو گرانا اتنا مشکل کام نہ تھا۔ ایک طرف مسلم لیگ نے اس کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے سے بھاری مقدار میں اسلحہ لے جایا گیا۔ سول نافرمانی کے نتیجے میں مسلم لیگ کا جیل چلے جانا بھی ایک میلے کے برابر تھا۔ مثلاً پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں افتخار الدین کے لئے صرف یہ نہیں کہ اپنی مرضی کا کھانا جیل جاتا تھا، دعوتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دعوتوں کے لئے جیل سے باہر آیا کرتا تھا اور

راتیں گھر پر گزارتا تھا۔ تو قصہ مختصر کہ ایک طرف فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ہندواور سکھ ممبران اسمبلی راستے سے ہٹ گئے۔ دوسری طرف سوال نافرمانی کی تحریک کی بناء پر خضر حیات اس بات پر مجبور ہوا کہ 3 مارچ 1947ء کو اپنی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن مسلم لیگ اس قابل نہ تھی کہ اپنی وزارت بنا سکے، تو اس وجہ سے صوبہ کے اختیارات دفعہ 93 کے تحت انگریز گورنر نے ہتھیا لئے۔ لیکن جب ہندوؤں اور سکھوں کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ تو انگریز کسی نہ کسی بہانے سے مسلم لیگ کے لئے راہ ہموار کر رہا تھا تو انہوں نے بھی مظاہرے شروع کر دیئے۔ فرقہ وارانہ فساد کی ایسی بنیاد رکھی گئی اور ایسے ناروا ظلم ہوئے کہ مار دھاڑ اور لوٹ مار کے علاوہ ہزاروں عورتوں کو اغوا کیا گیا۔

اس طرح سے مسلم لیگ کے لئے ایک اور صرف ایک صوبہ سرحد رہ گیا کہ اس کی وزارت توڑنے کا انتظام کرے۔ یہاں بھی فسادات کی آگ بھڑکائی گئی۔ یہاں تک کہ ہزارے کے قبائلی علاقے سے ضلع پر حملے بھی ہوئے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر صوبے کی حکومت صوبے میں امن وامان برقرار نہیں رکھ سکتی تو بدنامی ہوگی اور کہا جائے گا کہ استعفیٰ دے دے اور اگر امن وامان قائم کرنے کے لئے قدم اٹھائے گی تو مسلم لیگ کے لیڈر اور اخبارات آسمان سر پر اٹھالیں گے کہ صوبے کی وزارت مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کر رہی ہے۔

خضر حیات کی یونینسٹ حکومت اور یہاں سرحد میں یہ فرق تھا کہ وہاں یونینسٹ پارٹی ایک وزارتی پارٹی تھی۔ سیاسی جڑیں نہیں تھیں۔ لیکن یہاں تو خدائی خدمتگاروں کی حکومت تھی جو ایک نڈر اور منظم جماعت تھی۔ مسلم لیگ نے اپنے تمام حربے استعمال کئے۔ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کو صوبہ سرحد بلایا۔ ہندوؤں کے فسادات کے حقیقی افسانوی قصے بیان کئے گئے۔ خاص کر بہار کے فسادات کے نام پر پشتونوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ بے پناہ دولت پہنچی۔ پنجاب اور علی گڑھ کے طالب علم پہنچ گئے۔ پنجاب کا ایک فوجی افسر یہاں صوبے میں دندناتا پھر رہا تھا۔ اس آدمی نے فوج سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ یہ پہلی بار صوبہ سرحد کی سیاست میں تخریب کاری کا مسئلہ پیش آیا تھا۔ ابھی تک خدائی خدمتگاروں نے کمال بہادری سے، جرات اور عدم تشدد سے حکومت کے خلاف تحریک چلائی تھی، لیکن مسلم لیگ کی اس تحریک میں بموں کے دھماکے اور غیر مسلموں کا قتل بھی شامل ہوا۔ اس تحریک کے متعلق بعض لوگوں نے اپنے اقبالی بیانات دیئے۔ جو ارلینڈ جینسن نے اپنی کتاب ''انڈیا، پاکستان اور پختونستان'' India Pakistan and Pukhtoonistan by Erland Janson میں لکھی ہیں۔ ہنگو پولیس سکول کا چیف انسٹرکٹر بم دیتا تھا اور انہیں استعمال کرنے کا طریقہ بتاتا تھا۔ عالم خان خود جینسن کو بتاتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے رقم پیر آف مانکی شریف مہیا کرتا تھا۔ صوبے کے تمام سرکاری افسران اس تحریک میں مسلم لیگ کا ساتھ

دے رہے تھے۔ طالب علموں کے فیڈریشن کے صدر نے خود اسی جین سن کو بتایا کہ پولیس کے ایک کپتان فیض اللہ خان کا ہم سے کھل کر رابطہ تھا اور جب بھی سرکاری اجلاسوں میں تحریک کے متعلق کچھ فیصلے ہوتے تھے تو وقت پر ہمیں اس کی اطلاع دیتے تھے۔ یہاں تک کہ احتجاجی جلوسوں میں کبھی ہمیں مارتے نہ تھے۔ لاٹھی کبھی زمین پر اور کبھی اپنی بس پر مارتے تھے۔

سول نافرمانی کے سلسلے میں جو مسلم لیگی جیل گئے۔ دفعہ 144 کی خلاف ورزی میں تین ماہ کی قید کی سزا ہوتی تھی۔ جیل میں اپنی بادشاہی تھی۔ وہاں اتنی آزادی تھی کہ اور تو اور دن کو قیدی باہر نکلتے، بازاوں میں گھومتے، سودا سلف خریدتے اور جس کو ضرورت ہوتی تھی، رات بھی گھر پر گزار لیتے تھے۔ میرا ایک دوست ایک رات کے لئے میری گاڑی لے گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کا ایک دوست مردان کا ایک خان میری اسی گاڑی میں جیل سے نکلا۔ رات وہاں گزاری اور دوسرے دن جب اسے جیل واپس پہنچایا تو میری گاڑی واپس آ گئی۔

انہی دنوں سرحد اسمبلی کا اجلاس تھا۔ میجر خورشید انور نے یہ انتظام کیا کہ ایک ایک جلوس اسمبلی ہال لے جائے اور اجلاس نہ ہونے دے۔ اس جلوس میں طالب علم بھی تھے اور پیر آف مانکی کے مرید بھی۔ خورشید انور نے طالب علموں کو کہا کہ تم لوگ پیچھے رہو اور ان مریدوں کو آگے کرو۔ سرکاری افسروں نے نشان لگایا تھا کہ اس سے آگے کوئی نہیں جائے گا۔ طالب علموں نے پیر کے مریدوں کو دھکیلا اور جب گولی چلی اور چند لوگ گرے تو خورشید انور نے کہا۔ کافی ہے۔ اب چلیں:

"The mission is completed he wanted to shed Muslim blood, now it has been done. (P. 169) Erland Janson India Pakistan and Pukhtoonistan).

ترجمہ:۔ ''مشن پورا ہو گیا۔ وہ مسلم خون بہانا چاہتا تھا۔ اب یہ ہو چکا ہے۔''

(صفحہ 169 ارلینڈ جین سن)

ہمارا مقصد یہ تھا کہ مسلمان کا خون گرے اور یہی مشن مکمل ہو گیا۔

یہی خورشید انور اور ایسے اور تخریب کار صوبہ بھر میں پھرتے رہے۔ سرکاری افسران ان پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں اور دکانوں کو لوٹا گیا، انہیں قتل کیا جاتا رہا لیکن حکومتی افسروں میں دوعملی تھی۔ انگریز گورنر سر الف کیرو اور اس کے ماتحت افسران اس کوشش میں تھے کہ جیسے بھی ہو اور جس طریقے سے بھی ہو یہ وزارت توڑ دی جائے۔ کیرو صاحب کے متعلق اور تو کیا وائسرائے ویول خود لکھتا ہے کہ کیرو کسی صورت بھی اس بات پر تیار نہیں ہو سکتا کہ انگریز ہندوستان آزاد کر دے:

Caroe himself has never yet reconciled himself to the idea of our leaving India.(P.329) Wavell.

ترجمہ:۔''کیرو خود آج تک ہمارے ہند کو چھوڑنے کے تصور سے اتفاق نہیں کر سکا۔''

(صفحہ 329 ویول)

کیرو صاحب تو ابھی تک ویول کے اس Break Down Plan (بریک ڈاؤن پلان) کے منصوبے کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس منصوبے کی اہم کڑی تو یہ صوبہ تھا۔ جو ہندوستان کی سرحد پر قبائلیوں کی سرحد تھا۔ پھر افغانستان اور اس طرف روس۔ انگریز کو تو یہاں اپنے تاج وتخت کے مفاد سے سروکار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے یہ مفادات مسلم لیگ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیرو صاحب اور اس کے ساتھی افسروں کو جب معلوم ہوا کہ نہ فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے اور نہ ہی مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک سے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو توڑا جا سکا تو اس نے دوسرا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔

تقسیم کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کے سامنے مختلف تجاویز

جیسے ہی ماؤنٹ بیٹن دلی پہنچا۔ اس نے سیاسی لیڈروں سے بات چیت شروع کر دی۔ پہلی ملاقات گاندھی جی سے کی۔ گاندھی جی نے کہا کہ کانگریس کے متعلق جناح صاحب کو ایک بدگمانی ہے۔ اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے میری ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ اس موجودہ عبوری حکومت کو توڑ دیں اور نئی حکومت بنانے کا اختیار جناح صاحب کو دے دیں۔ وہ جسے مناسب سمجھے اپنی وزارت میں لے لیں۔ ہم دنیا کو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا ہے اور اپنے تعاون اور اتحاد کی خاطر مشترک زندگی گزارنے پر تیار ہیں۔ اور گاندھی نے کہا۔ جناح صاحب کی حکومت بنانے کے بعد برطانیہ کی ذمہ داری ہوگی کہ اکثریتی فرقہ کا تحفظ کرے یا اقلیتی فرقے کے حقوق کے تحفظ کی جگہ اکثریتی فرقے کے حقوق کا تحفظ کرے۔

اس کے بعد جب ماؤنٹ بیٹن جناح صاحب سے ملے اور گاندھی جی کی یہ تجویز بیان کی تو جناح صاحب نے کہا کہ یہ بیماری اب اتنی پھیل چکی ہے کہ اس کا اب بلا آپریشن کے اور کوئی علاج ہی نہیں۔ جناح صاحب کے رویے کی سختی کی ایک ظاہری وجہ اور بھی تھی۔ ویول کے جانے کے بعد جناح صاحب کو یہ تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ انگریز مجھے پاکستان نہیں دے رہا لیکن اس دوران ایک اور واقعہ قابل ذکر ہوا۔ یہ بات تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ جب ہندوستان میں کانگریس اور انگریز کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے اور بات تحریک چلانے تک جا پہنچی، تو اس دوران امریکی حکومت کی طرف سے بار بار برطانوی حکومت کو کہا گیا کہ وہ انگریس کے ساتھ صلح و مفاہمت کی کوئی راہ نکالے۔ یعنی امریکہ ہندوستان کے اس مسئلے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

اسی دلچسپی کے سلسلے میں یکم مئی 1947ء کو امریکہ کے دو ذمہ دار افسر جناح صاحب کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے۔ جن میں ایک کا نام رالنڈ اے ہیر (Roland A. Hare) تھا جو امریکہ میں جنوبی ایشیا کے ڈویژن کے معاملات کا افسر تھا۔ دوسرا ہندوستان میں امریکہ کے سفارت خانے کا دوئم سیکرٹری تھامس۔ ای ویل تھا۔ اس ملاقات کی تفصیل امریکی جارج ڈی آفیسرز نے دوسرے دن یعنی 2 مئی کو امریکہ

کے سیکرٹری آف سٹیٹ مارشل کو بھیجی۔ لکھتا ہے۔ جناح صاحب کہتا ہے کہ میں کسی قیمت پر بھی متحدہ اور وفاقی ہندوستان کا منصوبہ قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مسلم لیگ کا یہ فیصلہ ہے کہ پاکستان قائم ہو اور پھر ان دونوں امریکیوں کو پاکستان کی خوبیاں بیان کی ہیں کہ آزاد اور خود مختار پاکستان کا قیام امریکہ کے مفاد میں ہے۔ کیونکہ پاکستان ایک مسلمان مملکت ہوگی اور مسلمان ممالک روس کی جارحیت کے خلاف متحد ہوں گے۔ اس لئے وہ امریکہ سے امداد اور تعاون کی امید رکھتے ہیں:

He (Jinnah) sought to impress on his visitors that the emergence of an independent, sovereign Pakistan would be in consonance with American interests. Pakistan would be a Muslim country, Muslim countries stand togather against Russian Aggression. in that endeavour they would look to the United States for assistance , he added.(Page.1) American Role in Pakistan.(vinkataraman)

ترجمہ:۔ ''اس (جناح) نے مہمانوں پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی کہ ایک آزاد، خود مختار پاکستان کا معرض وجود میں آنا امریکی مفادات کے مطابق ہوگا۔ پاکستان ایک مسلم ملک ہو گا۔ مسلم ممالک روسی جارحیت کے خلاف متحدہ مزاحمت کریں گے۔ ایسی صورت حال میں وہ ریاست ہائے متحدہ سے امداد کی امید کریں گے۔''

(صفحہ 1۔ امریکن رول پاکستان وینکٹ رامن)

یہ بھی وہی انگریز کا منصوبہ کہ روس کے گلے میں اسلام کا طوق ڈال دینا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ جو جناح صاحب نے ان امریکنوں سے بیان کیا۔ وہ بھی انگریز کے اس منصوبے کا ایک حصہ تھا کہ اگر کل کو انگریز یہاں سے چلا جائے اور یہاں ہندوستان کا اتحاد قائم رہے اور اختیارات کانگریس کے ہاتھ میں آ جائیں تو کانگریس چونکہ انگریزوں اور مغربی طاقتوں کی دشمن ہے تو مشرق وسطیٰ اور خلیج میں وہ کبھی بھی ان حکومتوں کے مفادات کا تحفظ کرنے پر راضی نہ ہوگی۔ اس وجہ سے جناح صاحب نے روس کے خطرے کے علاوہ اس دوسرے خطرے کی بھی نشاندہی کی جسے وہ ''ہندو سامراج'' کہتا تھا تو وہ امریکی لیڈروں پر یہ واضح کر دینا چاہتا تھا کہ مشرق وسطیٰ پر ''ہندو سامراج'' کے قبضہ کا راستہ روکنے کے لئے بھی پاکستان کا قیام ضروری ہے:

Jinnah coupled the danger of Russian agression with an other

menace that Muslim Nations might confront. That was "Hindu Imperialism". The establishment of Pakistan was essential to prevent the expansion of Hindu Imperialism to the Middle East" he emphasized (P.1) American Role in Pakistan.

ترجمہ:۔ ''جناح نے روسی جارحیت کے خطرے سے اس خطرے کو بھی واضح کیا جو کہ مسلم اقوام کو درپیش تھا۔ ہندو سامراجیت کا خطرہ، پاکستان کا قیام، ہندو سامراج کو مشرق وسطیٰ تک پھیلنے سے روکنے کے لئے ناگزیر تھا۔ اس نے زور دیا'' (صفحہ امریکن رول ان امریکن)

مطلب یہ تھا کہ امریکہ کو اس سے دلچسپی لینی چاہئے اور روس کے خلاف ایک اسلامی قلعہ کو مضبوط کرے۔ چاہے کہ وہ پاکستان قائم کرنے میں مدد کرے اور اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ اور خلیج کے علاقے میں مسلمان ممالک کا اتحاد ضروری ہے۔ ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک مسلمان ممالک کی مدد کی جائے۔ اگر ہندوستان متحد رہ جاتا ہے اور پاکستان قائم نہیں ہو پاتا، تو یہ قلعہ نامکمل ہوگا۔ اس وجہ سے جناح صاحب امریکی حکومت کے ان ایلچیوں کے ذریعے یہ بات پہنچانا چاہتے تھے کہ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام۔

یوں لگتا ہے کہ امریکنوں سے اس ملاقات میں بات مکمل ہوگئی تھی۔ کیونکہ پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ سکندر مرزا نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مجھے ہندوستان پر حملہ کرنے کا جو کام سونپا گیا تھا جناح صاحب نے اس سے منع کر دیا۔ کیونکہ مجھے اب پاکستان دے رہے ہیں تو تم ہندوستان پر قبائلی جہاد کا منصوبہ چھوڑ دو۔ اور مرزا صاحب نے خود بھی مئی کے مہینے کا حوالہ دیا۔ نظر آرہا تھا کہ امریکنوں سے معاملہ طے ہو گیا تھا اور ویول کے جانے کی کمی پوری ہو چکی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ لنلتھگو سے لے کر ویول تک ان دونوں وائسراؤں نے فرقہ وارانہ مسئلے کو ایسا رخ دے دیا تھا جیسے اب پورے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ جناح صاحب کے ہاتھ میں ہو۔ اس کے سامنے تین راستے کھلے تھے۔

1- متحدہ ہندوستان۔

2- کیبنٹ مشن منصوبہ جس میں تین گروپ تھے۔

3- پاکستان۔

اور یہ بات اتنی آسان بھی نہ تھی۔ چاہئے تھا جناح صاحب اور مسلم لیگ یہ بات ذہن نشین کرتے کہ کوئی ایسا راستہ ڈھونڈ نکالتے۔ جس سے غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ

بھی کیا جاتا۔ کیونکہ اصل میں تکلیف تو ان لوگوں کو تھی۔ دوسرے یہ کہ ان سب لیڈروں کو تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے اپنے تحفظ کی خاطر منتخب کیا تھا۔ لیکن بات آ کر اسی مقام پر رک گئی کہ اب فیصلہ جناح صاحب اور مسلم لیگ کا ہے۔ کہ وہ

ایک وسیع اور عظیم پاکستان لیکن کم اختیارات چاہتے ہیں یا چھوٹا پاکستان اور مکمل اختیارات چاہتے ہیں

اس لئے کہ جب آخری بار مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن پلان نامنظور کیا اور پاکستان کا مطالبہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ اگر ہندوستان تقسیم ہوتا ہے تو مسلمانوں کے دو اکثریتی صوبے پنجاب اور بنگال بھی تقسیم ہوں گے اور جب جناح صاحب نے پوچھا کہ یہ کس منطق کی بناء پر۔ تو ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا کہ وہی تمہاری منطق اور دلیل پر اور تم نے جو یہ سات سال جتنے کامل ثبوتوں اور مدلل مباحثوں سے یہ ہندوستان اور مسلمان کی تقسیم کی بنیاد رکھی ہے۔ تو یہی تقسیم کے اصول انہی صوبوں پر حاوی ہوں گے کیونکہ صوبے تو انتظامی حدود رکھتے ہیں۔ انتظامی یونٹ (Administrative Units) اور ان صوبوں کے وہی علاقے جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے انہیں جدا کیا جائے گا۔ جناح صاحب نے فوراً دھمکی دی کہ پھر تو میں صوبہ آسام کا ضلع سلہٹ بھی مانگوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔ یہ جائز ہے اور کانگریس کو اس پر اعتراض نہیں۔ جناح صاحب نے یہ منطق تو مان لی لیکن ماؤنٹ بیٹن سے درخواست کی کہ مجھے "کرم خوردہ" پاکستان مت دو۔ پھر ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ کانگریس مجھے پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر ڈرانا چاہتی ہے کہ میں پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دوں۔ لیکن میں آسانی سے ڈرنے والا نہیں:

> Mr .Jinnah admitted the apparent logic of this but begged Lord Mountbatten not to give him a " moth eaten" Pakistan. The demand for partitioning of Bangal and the Punjab was all the bluff on the part of the Congress to frighten him off his claim for Pakistan. But he was not so easily frightened. (P.227) Hodson.The Great Divide.

ترجمہ:۔ "مسٹر جناح نے اس منطق کو تسلیم کیا مگر ماؤنٹ بیٹن سے عاجزانہ درخواست کی کہ اسے کرم خوردہ پاکستان نہ حوالے کیا جائے۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا ہوا کانگریس نے اس مقصد کے لئے کھڑا کیا تھا کہ وہ اپنے پاکستان کے دعوے سے دستبردار ہو جائے۔ مگر وہ اتنی آسانی سے خوفزدہ ہونے والا نہیں تھا"۔ (صفحہ 227 گریٹ ڈیوائڈ۔ ہڈسن)

ماؤنٹ بیٹن کی کوشش سے فیصلہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی جانب سے کوشش یہ کرے کہ جناح صاحب کو کیبنٹ مشن کے گروپوں کے منصوبے پر راضی کر لے۔ اس لئے وہ بار بار ان مختلف مشکلات کی نشاندہی جناح صاحب کے سامنے کر رہا تھا۔ جو ہندوستان کی تقسیم کی صورت میں پیش آ سکتی تھیں اور اس تباہی و بربادی سے خبردار کرنے کی کوشش کی۔ ماؤنٹ بیٹن آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ جناح صاحب نے اپنے اس منصوبے کے کسی پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے اور کہتا ہے کہ جناح صاحب کو تب جا کر معلوم ہوگا جب یہ ذرا نیچے آئے گا اور اس کے پاؤں زمین پر لگیں گے تو آنکھیں کھل جائیں گی:

"Neverthless" Wrote Lord Mountbetten when recordeing the talk, he gives me the impression of a man who has not thought out one single piece of the mechanics of his own scheme & he really will get the shock of his life when he come down to earth.(P.229) Hodson.

ترجمہ:۔ ''بہرکیف ماؤنٹ بیٹن نے گفتگو ریکارڈ کرتے ہوئے کہا'' وہ مجھے ایسا شخص لگتا ہے جس نے اپنی سکیم کی مکانیات پر ذرہ برابر بھی غور نہیں کیا اور اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا لگے گا۔ جب وہ حقیقت کی دنیا میں قدم رکھے گا''۔ (صفحہ 229۔ ہڈسن)

ماؤنٹ بیٹن کو جب اس بات کا اندازہ ہوا کہ جناح صاحب اپنی بات پر مصر ہے اور نہ کچھ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی سنتا ہے۔ تو اس نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو بلایا اور اسے یہ ساری بات تفصیل سے بتائی کہ اگر مسلم لیگ اور جناح صاحب اسی طرح اس پاکستان کا مطالبہ کرتے رہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ تم لوگوں کو وہ پاکستان ملے گا جسے جناح صاحب خود لولا لنگڑا اور کرم خوردہ کہہ چکے ہیں اور اس نے اس کے لئے انکار کر دیا تھا۔ نوابزادہ صاحب کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ وہ جناح صاحب اور باقی ساتھیوں سے اس مسئلے پر مشورہ کر لیں گے اور پھر وائسرائے کو مطلع کر دیں گے۔ نوابزادہ لیاقت علی خان جب دوسرے دن آیا تو معلوم ہوتا تھا کہ اس نے مسلم لیگ کے لیڈروں اور جناح صاحب کے دل کی بات لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کہی اور واضح الفاظ میں بتایا کہ ''جناب والا! اگر آپ مسلم لیگ کو صرف سندھ کے ریگستان بھی دے دیں تو ہمیں وہ بھی قبول ہے۔'':

If your Excellency was prepared to let the Muslim League have only the Sind desert.I would still prepare to accept it. (P.224) Hodson

ترجمہ:۔''اگر آپ عزت مآب مسلم لیگ کو فقط سندھ کا صحرا دینے پر راضی ہوں تو میں پھر بھی قبول کرلوں گا''۔(صفحہ 224۔ہڈسن)

یہاں یہ سودا بازیاں چل رہی تھیں۔ادھر بنگال میں دوسرا ہنگامہ ہوا۔جب بنگالیوں کو پتہ چلا کہ مسلم لیگ تقسیم پر اڑ جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں بنگال بھی تقسیم ہوگا۔تو اس صوبے کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے خود وائسرائے کو کہا کہ اگر تم ہمیں کچھ وقت دے دو تو میں بنگال کے ہندوؤں سے بات کر لیتا ہوں۔میں انہیں اس بات پر رضامند کرسکتا ہوں کہ بنگال متحد رہے اور یہ ذمہ داری بھی لے لی کہ جناح صاحب کو بھی اس پر راضی کرسکتا ہوں کہ متحدہ بنگال پاکستان میں شامل نہ ہو:

Mr.Suhrwardy himself told the Viceroy--- " he could say with confidence that given enough time he could persuade Bengal to remain united & that he could get Mr.Jinnah to agree that in the event it need not join Pakistan--

ترجمہ:۔''مسٹر سہروردی نے وائسرائے کو بتلایا......انہیں اعتماد ہے کہ اگر مناسب وقت دیا جائے وہ بنگال کو متحد رہنے پر متفق کرسکتے ہیں اور جناح کو راضی کرسکتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس کا پاکستان سے الحاق ضروری نہیں''۔

ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ میں نے سہروردی سے اپنی ملاقات اور ان باتوں کا ذکر اگلے دن جناح صاحب سے بھی کیا تا کہ میں یہ معلوم کرسکوں کہ متحدہ بنگال کی اس تجویز کے متعلق وہ کیا کہتا ہے کہ یہ پاکستان میں شامل نہ ہو۔ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے فوراً جواب دے دیا کہ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی۔کہا کلکتہ کے بغیر بنگال کا فائدہ کیا ہوگا۔اس سے تو بہتر ہے ان کا اپنا اتحاد اور آزادی:

with out hasitation Mr.Jinnah replied, "I should be delighted, what is the use of Bengal with out Calcutta they had much better remain united & independent".(P246) Hodson

ترجمہ:۔'' بغیر ہچکچاہٹ کے جناح نے جواب دیا۔مجھے بہت خوشی ہوگی۔بغیر کلکتہ کے بنگال کس کام کا۔بہت ہے کہ وہ متحد اور آزاد رہیں''(صفحہ 246 ہڈسن)

انسان جب یہ تاریخی واقعات پڑھتا ہے اور ان سرکاری دستاویزات کا مطالعہ کرتا ہے تو واقعی انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے یہ رہنما جو کچھ کر رہے تھے، آیا ان کا مقصد حقیقتاً غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے مفاد کے لئے کام کر رہا تھا یا یہ سودا بازیاں کسی اور جذبے کے تحت کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے مشکل کڑی سرحد کا صوبہ تھا کیونکہ وہاں کی آبادی کا 93 فیصد مسلمان تھا اور انہوں نے ابھی 1946ء میں مسلم لیگ کی سیاست اور پاکستان کا مطالبہ رد کیا تھا اور انگریز کی دلچسپی اسی صوبے اور انہی قبائل کے ان دروں میں تھی جو افغانستان کے راستے روس کی سرحد تک پہنچتے تھے۔ اس کا کیا حل ہوگا۔

صوبہ کے گورنر اولف کیرو نے مرکزی حکومت کو تجویز پیش کی کہ اس سال یہاں جو انتخابات ہوئے ہیں وہ کالعدم قرار دیئے جائیں اور از سر نو انتخابات ہوں تا کہ یہ نئے ممبر صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس وقت صوبے کے چیف سیکرٹری (De La Farque) ڈی۔ لا۔ فارک کو بلایا۔ وہ چھٹی پر انگلینڈ جا رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے دو باتیں پوچھیں۔ ایک یہ کہ اگر انتخابات پھر سے ہو جائیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ صوبے کے گورنر سے صوبے کے وزراء بہت شاکی ہے۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر خان صاحب نے وائسرائے کو کیرو صاحب کے سامنے کہا کہ تم مسلم لیگ کے صدر سے ملنے سے خواہشمند ہو تو اسی صوبے کے مسلم لیگ کا صدر تو تمہارا یہ گورنر کیرو ہے۔ پہلے سوال کے جواب میں چیف سیکرٹری نے کہا کہ صوبے میں اگر دوبارہ انتخابات ہو جائیں اور گورنر کے اختیارات کے تحت ہو جائیں تو کانگریس جیتے گی۔ گورنر کے متعلق کہا کہ وہ کانگریس کی وزارت کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہا کہ گورنر کے اس رویہ سے انگریزوں کے وقار کو نقصان پہنچتا ہے:

Lt.Col.De La Farque, Chief Secretry to the N.W.F, Govt---- held the belief that a free and clean election in the province was more likely to return the Congress to power than the Muslim League, even if section 93 Govt.had been interposed ". That the Governor, though having great knowledge of the frontier,was biased against his Congress Govt. & that his continuance in office was a menace to British prestige.(P.283) Hodson. The great Divide)

ترجمہ:۔ ''لیفٹیننٹ کرنل ڈی۔ لا۔ فارک، چیف سیکرٹری صوبہ سرحد کا خیال تھا کہ صوبے میں آزاد اور صاف انتخابات میں زیادہ امکان ہے کہ مسلم لیگ کی بجائے کانگریس دوبارہ اقتدار میں آجائے۔ چاہے سیکشن 93 کی حکومت مسلط ہو؛ اور کہ گورنر جسے سرحد کی وسیع معلومات حاصل تھیں اپنی کانگریس حکومت کے خلاف تھا اور عہدے پر اس کی برقراری برطانیہ کی

شہرت کے لئے بہت نقصان دہ تھی۔'' (صفحہ 284 ہڈسن)

چیف سیکرٹری کی ان خفیہ اطلاعات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ سرحد میں از سر نو دوبارہ انتخابات کا ارادہ ترک کر دیا۔ صوبہ سرحد کے مسلمان افسروں کے ذہن اور سوچ کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری کمبل جانسن Cambell Jhonson نے اپنی کتاب Mission with Mount Batten میں بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ پشاور گیا تو رات کو گورنر کے گھر میں دعوت تھی۔ کہتا ہے کہ میرے قریب اس وقت پشاور کا ڈپٹی کمشنر، ایس شاہ صاحب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تمام وقت میرے ساتھ لگا رہا اور اس بات پر مصر تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان نہیں چھوڑنا چاہئے۔ جانسن لکھتا ہے کہ مجھے یہ بات بہت عجیب لگ رہی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور میں، ہم دونوں انگریز تھے اور حاکم تھے۔ ہم تو یہ کہتے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو، اور یہاں یہ ہندوستانی اس بات پر مصر تھا کہ انگریز کو ہندوستان نہیں چھوڑنا چاہئے۔

گورنر کی دوبارہ انتخاب کی تجویز کو تو ماؤنٹ بیٹن مان نہ سکا کیونکہ اس کے نتیجہ میں اختیارات پھر سے خدائی خدمتگاروں کو مل رہے تھے تو اب اور طریقے اور راستے ڈھونڈنے پڑیں گے۔ جس کے ذریعے سے اختیارات مسلم لیگ کو منتقل کئے جا سکیں۔

گورنر کیرو اور کانگریس کے اختیارات سے ایک اور مسئلہ بھی ابھر آیا کہ جب ہندوستان کی عبوری حکومت کے سربراہ جواہر لال نہرو نے یہ رائے ظاہر کی کہ وہ صوبہ سرحد کے دورے پر آ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ان مختلف ایجنسیوں میں جائے اور اپنے قبائلی بھائیوں کے ساتھ ہندوستان کے مستقبل اور اس میں ان کے مقام کے متعلق جرگہ کرے یہ تو ان کے لئے ایک خطرناک قدم تھا۔ کیرو صاحب اس پہ کب تیار ہو سکتے تھے۔ وہ تو مرکزی حکومت کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ قبائل سب کے سب کانگریس کے خلاف اور پاکستان کے حق میں ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے تو دلائل کی ضرورت ہوگی کہ ان قبائلی علاقوں کے جو رہنما سرکار کے پاس جاتے ہیں، یہ قومی رہنما نہیں ہوتے اور نہ قوم ان کو پسند کرتی ہے۔ یہ تو پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاتھوں بنے ہوئے حاجب خور ملک ہوتے ہیں۔ وہ کتنے سرکار کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ تو ہم سکندر مرزا کی اپنی کتاب میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ یہ ذمہ داری لینے کو تیار تھا کہ اگر جناح صاحب چاہے تو وہ قبائل کے ذریعے وزیرستان، تیراہ اور مہمند کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کر سکتے ہیں۔ انگریز کے نوکروں نے اپنے ذریعے سے اور اپنے تنخواہ دار ملاؤں، پیروں اور فقیروں کے ذریعے قبائلی علاقے میں کافی کام کیا تھا اور ابھی کر رہے تھے۔ مثلاً مسود ملک گلاب خان 20 اپریل 1946ء کو ایک خط میں جناح صاحب کو لکھتا ہے کہ میں جنوبی وزیرستان ایجنسی کے تمام مسود قبیلے کی طرف سے تمہیں یہ تسلی دیتا ہوں کہ ہم مسلح امداد کے ذریعے

تمہارے ساتھ پاکستان حاصل کرنے میں مدد کرنے کو تیار ہیں اور ہم تم پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اور جب مسلم لیگ کی ہائی کمان حکم کرے ہم حاضر ہیں اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ میں تیار ہوں کہ تمہاری ذاتی حفاظت کے لئے مسلح باڈی گارڈ بھی بھیج سکتا ہوں۔ آخر میں پاکستان زندہ باد لکھتا ہے:

Dear Qaid e Azam

I on behalf of all the Masuds of S.Waziristan Agency beg to assure you of our armed help for the achievement of Pakistan whenever so ordered by the Muslim League High command. We have full faith in your leadership in the critical time wish you long life & health. I am also ready to send Masud armed escort as your bodyguard if so ordered. Pakistan Zindabad

(P.175)

Erland Janson

(India Pakistan or Pakhtoonistan)

ترجمہ:۔ ڈیئر قائداعظم:

''میں جنوبی وزیرستان کے تمام مسود کی جانب سے حصول پاکستان کے لئے مسلح مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ جب کبھی بھی مسلم لیگ کی ہائی کمان نے ایسا حکم دیا۔ اس مشکل دور میں ہمیں اس قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔ ہم آپ کی زندگی اور صحت کے لئے دعا گو ہیں۔ آپ کی باڈی گارڈ کے طور پر مسلح مسید دستہ بھیجنے کو تیار ہوں اگر حکم ہو تو۔ پاکستان زندہ باد''۔ (صفحہ 175۔ انڈیا۔ پاکستان، پختونستان از ارلینڈ جانسن)۔

یہ ملک صاحب پاکستان کے لئے مسلح جنگ پر آمادہ تھے۔ جنگ کس سے کرنی تھی۔ یہاں انگریز کی حکومت تھی تو یہ کون مانے گا کہ جنوبی وزیرستان کا ایک ملک بمبئی میں جناح کو خط لکھے کہ میں تمہاری سیاست سے انگریز سے لڑنے کو تیار ہوں۔ یہ ماسوائے سرکاری افسروں کو سمجھانے اور پولیٹیکل ایجنٹ کے کہے بغیر ہو نہیں سکتا۔ جن کو ایجنٹوں کے ان ملکوں اور پولیٹیکل ایجنٹوں کے تعلقات کا معمولی سا بھی علم ہے اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن عجیب تماشہ تو یہ تھا کہ جناح صاحب نے اس خط کا جواب دیا۔ ملک گلاب خان کو لکھتا ہے۔ تمہارے خط میں ہمدردی اور میری لیڈر شپ پر اعتماد کا بہت بہت شکریہ۔ میں نے اپنا انتظام کر رکھا ہے اور میں فی الحال تمہیں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

جناح صاحب کا جواب

Dear Sir,

I am in receipt of your letter of the 20th April, and thank you very much for your sympathies & your confidence in my Leadership, with regard to my staff, I have my own arrangements. while thanking you for your kind offer, there is no need just now to trouble you. (P.176) Erland Janson

ترجمہ: ''محترم جناب:

''مجھے آپ کا 20 اپریل والا خط موصول ہوا۔ آپ کی نیک خواہشات اور میری لیڈرشپ پر اعتماد کا شکریہ۔ جہاں تک میرے اسٹاف کا تعلق ہے میرے اپنے انتظامات موجود ہیں۔ آپ کے خط کے شکریے کے ساتھ فی الوقت آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں'' (صفحہ 176 ارلینڈ جانسن)

ملک گلاب خان کو کس نے بتایا کہ جناح صاحب کو قائداعظم لکھنا ہے وغیرہ۔ بے شمار ایسے سوالات اٹھتے ہیں لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ جنوبی وزیرستان کا ایک ملک، ہندوستان کے ایک سیاستدان سے برملا ساز باز کرتا ہے اور نہ صرف اپنی بلکہ اپنی پوری ایجنسی کی طرف سے یہ تسلی دیتا ہے کہ وہ پاکستان کے قیام کے لئے لڑنے کو تیار ہیں اور اس کا علم نہ پولیٹیکل ایجنٹ کو ہوتا ہے اور نہ انگریز کے کسی دوسرے ادارے کو۔ جناح صاحب کا خط بھی جواب میں آیا۔ اس کے برعکس ہمارے خدائی خدمتگار سالار یعقوب خان صرف اسی وجہ سے جیل میں بند تھے اور پھانسی کی دھمکیاں دی جارہی تھیں کہ اس پر یہ الزام تھا کہ فقیر اپی کے ایک خلیفہ نے اسے خط لکھا ہے۔ جب کہ نہ خط موجود تھا اور نہ ہی کوئی گواہ۔ بات صرف وزیرستان کی نہیں۔ خیبر ایجنسی کے شنواری ملک باور خان نے کیبنٹ مشن کے ممبران کو تار دیا کہ خیبر ایجنسی کے قبائل جناح صاحب پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور مسلمان ماسوائے پاکستان کے اور کوئی چیز قبول کرنے کو تیار نہیں:

Khyber Agency tribes have full confidence in Jinnah Muslims

connot accept anything except Pakistan. (Khyber Mail.5.4.46)

ترجمہ:۔ ''خیبر ایجنسی کے قبائل کا جناح پر مکمل اعتماد ہے۔ مسلمان پاکستان کے علاوہ کچھ اور قبول نہیں کریں گے''۔(5-4-46۔خیبر میل)

ملک گلاب خان نے تو شاید خط کسی خفیہ طریقے سے بھیجا تھا لیکن شنواری ملک باور خان نے تو تار دیا اور تار پشاور کے انگریزی اخبار میں چھپ چکا تھا۔ انگریز کو اس بات پر تو نہ غصہ آیا نہ تشویش پیدا ہوئی۔

یہ مثالیں میں نے صرف اس لئے دیں کہ جواہر لال کے قبائل جانے پر کیرو صاحب کیوں پریشان تھے۔ ایک طرف کیرو صاحب کی کوشش تھی کہ سرکاری طور پر جواہر لال کو منع کیا جائے۔ دوسری طرف مسلم لیگ کی یہ کوشش تھی کہ جواہر لال قبائل نہ جائے۔ مانکی شریف کے پیر صاحب نے خود مختلف قبائل کا دورہ کیا۔ ملاؤں کو بھیجا گیا کہ ہندو جواہر لال کو آنے سے منع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس لئے آرہا ہے کہ تم لوگوں کی آزادی کو ختم کر دے اور تمہیں ہندوؤں کا غلام بنائے۔ گورنر کیرو نے جو ہفتہ وار رپورٹ مرکز کو بھیجی۔ اس میں تفصیل سے اس دورے کا ذکر کیا کہ پیر صاحب مانکی شریف، خیبر، مہمند اور ملاکنڈ کے دورے پر گیا ہوا تھا۔ یہاں پشاور میں مسلم لیگ نے جلسہ کیا۔ جس میں بیرسٹر قیوم نے کہا کہ ہندو کانگریس نے جنگ کا بگل بجا دیا ہے۔ ہم قبائل میں تنظیم اور قوت رکھتے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ گلگت سے لے کر کوئٹہ تک اپنے آپ کو منظم کرو۔ امتحان کا وقت قریب آرہا ہے۔ تیار رہو۔ تکلیف کے اس وقت میں اسلام کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم لوگ سب مل کر پنڈت نہرو کو صرف ایک بات کہو کہ اگر وہ بات کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ مسٹر جناح سے بات کرے۔ قبائلیوں کے ساتھ بات کرنے کی ضرورت نہیں:

The Hindu Congress is on the war path. In the tribal belt where have an immeasurable reservoir of strenght. You must organise and unite from Gilgit to Quetta. The hour of trials is coming be prepared . Islam in India needs your help in this hour of trial.Tell Pundit Nehru that if he wants to talk, he must go to Mr. Jinnah Ther is no sense in talking to the tribals. should not go to the tribales (Dawn 13.10.46)

ترجمہ:۔ ''ہندو کانگریس لڑائی پر تلی بیٹھی ہے۔ قبائلی پٹی میں قوت کا ایک زبردست ذخیرہ موجود ہے۔ تمہیں خود گلگت سے کوئٹہ تک متحد اور منظم کرنا چاہئے۔ امتحان کا وقت قریب آرہا ہے۔ تیار رہو۔ پنڈت نہرو کو بتا دو کہ اگر مذاکرات کرنا چاہتا ہے تو مسٹر جناح کے پاس جائے۔ قبائلیوں سے بات کرنا بے مقصد ہے''۔(13-10-46۔ڈان)

پاکستان کے لئے راہ ہموار کرنا

Ground work for Pakistan

لیکن جب جواہر لال نہرو گورنر کے مشورے کے بغیر صوبہ سرحد کے دورے پر آیا تو انگریز اور اس کے ماتحت افسروں نے جو کچھ کہا، وہ ہمیں تو کوئی کیا بتاتا۔ لیکن Erland Janson نے اپنی کتاب میں مختلف ملکوں، سرکاری افسروں کے بیانات نقل کئے ہیں کہ انہوں نے خود کیا کہا ہے۔ ارلینڈ جب جنوبی وزیرستان گیا، اسی مسعود ملک گلاب خان نے اسے کہا کہ اس ایجنسی کا اسٹنٹ پولیٹیکل افسر عبدالمنان بہت مددگار تھا۔ چوری چھپے ہمیں راستہ بتاتا رہا اور ہماری تسلی کرتا رہا۔ ہمیں دلاسے دیتا رہا۔ اس ملک صاحب نے یہ بھی اقرار کیا کہ میں نے 200 روپے دیئے تھے کہ نہرو کے جہاز پر اس وقت گولی چلے جب یہ جہاز رزمک پر اترے:

Malik Gulab Khan paid,Rs. 200/'- to sinpe at Nehru's plane when it would land at Razmak.

The Asstt. Political Officer, one Abdul Manan, was particularly help full and would encourage and guide them secretly. (P.185 Erland Janson)

ترجمہ:۔" ملک گلاب خان نے 200 روپے دیئے۔ نہرو کے جہاز پر گولی چلانے کے لئے جب وہ رزمک اترے۔ اسٹنٹ پولیٹیکل افسر عبدالمنان خاص طور پر مددگار تھا اور وہ خفیہ طور پر ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرے گا۔"

(صفحہ 185 ارلینڈ جانسن)

لیکن خیبر میں اس آدمی نے فرید اللہ شاہ کے ساتھ جو گفتگو کی اس سے یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ فرید اللہ شاہ ان دنوں خیبر کا اسٹنٹ پولیٹیکل افسر تھا۔ خیبر کا پولیٹیکل ایجنٹ کرنل خورشید تھا۔ اب فرید اللہ شاہ کا اپنا بیان سنئے۔

نہرو کے کے آنے سے دو تین دن پہلے مجھے صاحبزادہ خورشید نے بلایا۔ کہا نہرو خیبر آ رہا ہے۔ اگر ان قبائل نے خاموشی سے خوش آمدید کہا تو اس علاقے کے تمام مسلمان ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ اس نے کہا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ اس سلسلے میں کچھ کروں جو کچھ کرنا ہے کرو۔ لیکن مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ یہ کیوں؟ کیونکہ وہ بہت مذہبی آدمی تھا۔ کل کو اگر کوئی اس سے پوچھتا تو وہ بتا تا کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ فرید اللہ شاہ کا کہنا ہے کہ پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس سے میں سیدھا جمرود گیا اور ایک کوکی خیل ملک سواتے خان سے ملا۔ اس نے مجھ سے صرف ایک سوال کیا کہ پولیٹیکل ایجنٹ کیا کہے گا؟ میں نے کہا۔ اس کی پرواہ مت کرو۔ کہا، میں نے بہت سختی سے منع کیا کہ خیال رکھنا کہ کسی کو مار نہ ڈالنا۔ لیکن گولیاں خوب برسانا۔ اس کے بعد مانکی شریف کے ملا صاحب پیر امین الحسنات کے پاس گیا۔ اس وقت شنواری اور ملا گور قبیلے میں ان کے کافی مرید تھے۔ اس نے بھی لنڈی کوتل اور ملا گور علاقوں کا دورہ کیا:

At that time Col. Khurshid was political Agent pf Khyber Agency. Two or three days before Nehru arrival. Khurshid sent for me and told me. Nehru was coming to Khyber. He said that if the tribals should receive him in a decile way, all Musalmans of this part of the country will go under the suzeranity of the Hindus, as a Muslim I should do something, but at the same time he warned me not to tell him the action I would take, do you know why. He was a religious man & if he was asked anything he would say he did not know. I went straight to Jurmrud I contacted a certain Khukikhel Malik called Sawatai Khan. The only question he asked was, what would the reaction of the political agent. and I told him "Dont't worry" I very strongly told him, that nobody was to be killed they should resort to very heavy sniping and on return from Jurmrud I contacted Mullah Sahib of Mankisharif he had then a lot of desciples among the shah Waris and Mullagoris. So he also went on

tour to Landikotal and Mollagori area. (P.186) Erland Janson.

ترجمہ:۔'' اس وقت کرنل خورشید خیبر ایجنسی کا پولیٹیکل ایجنٹ تھا۔نہرو کی آمد سے دو تین دن قبل خورشید نے مجھے بلا بھیجا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ نہرو خیبر آ رہا ہے۔ اگر قبائلی خاموش رہے تو اس علاقے کے تمام مہمند ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ایک مسلمان ہوتے ہوئے مجھے کچھ کرنا چاہئے مگر ساتھ ہی اس نے مجھے خبردار کیا کہ میں اپنا پروگرام اسے مت بتاؤں۔وہ ایک دیندار آدمی تھا۔اگر اسے پوچھا گیا تو وہ کہہ سکے گا کہ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں سیدھا جمرود گیا اور ایک کوکی خیل ملک سواتے خان سے رابطہ کیا۔اس کا فقط ایک سوال تھا۔''پولیٹیکل ایجنٹ کا ردعمل کیا ہوگا''۔میں نے اسے کہا۔فکر کی کوئی بات نہیں۔میں نے اسے سختی سے کہا کہ کسی کو مارنا نہیں بس گولیوں کی زبردست بوچھاڑ کرنی ہے۔ جمرود سے واپسی پر میں نے مانکی شریف کے ملا صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ شنواریوں اور ملاگوریوں میں اس کے بہت سے مرید تھے۔لہٰذا وہ بھی لنڈی کوتل اور ملاگور کے دورے پر نکل گیا۔''

(صفحہ 186۔ارلینڈ جانسن)

میرے خیال میں قبائلی اور پولیٹیکل افسروں کے متعلق اور سرکاری افسروں اور مسلم لیگ کے رابطوں کے متعلق تمام مسئلے فرید اللہ شاہ نے بالکل واضح کر لئے۔ پولیٹیکل ایجنٹ ہدایات دیتا ہے۔ جو اس کا نائب قبائلی ملک کو سناتا ہے اور ملک بھی آفریدی ملک۔لیکن یہ ملک ایک اور صرف ایک سوال کرتا ہے کہ تم کہتے ہو۔لیکن کل کو پولیٹیکل ایجنٹ کیا کہے گا۔ یہ ملک صرف اس بات کی تسلیم چاہتا ہے۔اس بات کی تسلی چاہتا ہے اور پھر یہی پولیٹیکل افسر صاحب۔ایک مسلم لیگی لیڈر پیر صاحب مانکی شریف کے پاس جاتا ہے اور اسے یہ سب کچھ بتاتا ہے اور اسے یہ کہتا ہے کہ ہمیں بھی چاہئے کہ ایسے مریدوں کو یہ بات بتادو۔

لیکن میرے خیال میں انگریزوں نے قبائلیوں کا اپنا بنا بنایا کھیل مالاکنڈ میں خراب کر دیا وہاں نہرو اور اس کے ساتھیوں پر حملہ ہوا اور وہ زخمی ہوئے۔جس سے سب کچھ ظاہر ہو گیا۔حقیقت یہ ہے کہ ملاکنڈ اور باقی ایجنسیوں میں ایک تو جغرافیائی فرق ہے۔ باقی ایجنسیاں قبائلی علاقے سے ملحقہ ہیں اور دوسری طرف افغانستان سے سرحد ملی ہوتی ہے۔لیکن مالاکنڈ کے ایک طرف مردان کا ضلع تھا اور باقی اطراف میں سوات اور دیر کی ریاستیں تھیں۔ لازمی بات ہے کہ یہاں کے ملک ان باقی

ایجنسیوں کے ملکوں سے بڑھ کر پولیٹیکل تھا۔ اور اس کے خلاف رشوت کا ایک مقدمہ چل رہا تھا۔ جب وہ جنگ کے دنوں میں یہ کوہاٹ کا ڈپٹی کمشنر تھا اور وہاں ٹل میں زیر زمین مورچے بن رہے تھے تو اس میں یہ بے پناہ دولت ہڑپ کر گیا تھا بلکہ یہاں تک کہا جاتا تھا کہ نقدی کے علاوہ اس کے گاؤں ''شیخاں'' میں پورے بنگلے کا ملبہ، اینٹ سریا سیمنٹ وغیرہ بھی وہاں سے گیا تھا۔ تو یہ بیچارہ ذرا ضرورت سے زیادہ کارگزاری دکھا رہا تھا اور اس نے تمام کھیل کو بگاڑ دیا کیونکہ اور ایجنسیوں کے ملکوں کے متعلق تو پھر بھی لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان میں کچھ جان ہے لیکن مالاکنڈ کے متعلق تو یہ بات یقینی تھی کہ وہاں اگر پولیٹیکل ایجنٹ نہ چاہتا۔ تو اینٹ جواہر لال پر کوئی پھول بھی نہیں پھینک سکتا تھا۔ *

جواہر لال پر حملوں کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ صوبہ سرحد میں اب خدائی خدمتگاروں کی مقبولیت ختم ہو چکی ہے اور پشتون مسلم لیگ کی سیاست قبول کرتے ہیں۔ انگریز اپنے کان اور آنکھ بند کر چکے تھے اس طرف خیال ہی نہ تھا۔ کہ خدائی خدمتگار تحریک تو صوبہ سرحد کی تحریک تھی۔ اس کے رہنماؤں کو تو قبائلی علاقے میں جانے کی اجازت تک نہیں تھی۔ اسمبلی اور ممبر صوبہ سرحد کے تھے۔ انتخابات میں صرف صوبہ سرحد کے ضلعوں کا حصہ تھا۔ قبائلی کا تو سرے سے ووٹ ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں انگریز یہ دونوں باتیں کیسے غلط ملط کر رہا تھا۔ یہ چونکہ نہرو کے خلاف تھے۔ قبائل میں مظاہرے ہوئے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگاروں کا اثر ختم ہو چکا ہے۔ حقیقت میں انگریز کو چیف سیکرٹری ڈی۔ لا۔ فاک کی طرح بات معلوم تھی کہ قوم ابھی تک خدائی خدمتگاروں کا ساتھ ہے۔ تو اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے پولیٹیکل ایجنٹوں اور ماتحت عملے کے ذریعے اور اپنے حاجب خور ملکوں تنخواہ دار ملاؤں اور پیروں کے ذریعے قبائل میں اسلام کے نام پر کام کرے اور پھر قبائلیوں کے اس عمل کو صوبہ سرحد کی منتخب اسمبلی اور قوم کے پسند کردہ وزارت کے خلاف استعمال کرے اور کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈ نکالے کہ جیسے بھی ہو یہ صوبہ خدائی خدمتگاروں کے ہاتھوں سے چھین کر مسلم لیگ کے حوالے کرے تا کہ انگریز کے تقسیم ہند کے منصوبے کے لئے مکمل جواز پیدا ہوا۔

* شیخ محبوب علی اور علی قلی خان انگریز استعمار کے دو نہایت ہی اہم اور خاص کارندے تھے شیخ محبوب علی نے نہ صرف یہ کہ باچا خان پر قاتلانہ حملہ کروایا تھا بلکہ جب پنڈت نہرو قبائل کا دورہ کر رہے تھے تو ملاکنڈ میں استعماری کاسہ لیسوں کے ذریعہ اس دورے کو ناکام بنوایا اور ان پر پتھراؤ کیا گیا شیخ محبوب علی ڈیرہ اسماعیل خان کے ہندو مسلم فسادات کے بھی سرغنہ تھے صوبہ سرحد میں ہندو مسلم منافرت میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے یہی وجہ ہے کہ انگریز نے ان کو نواب کا اعزازی عہدہ دیا تھا۔ جناح صاحب کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ جناح صاحب جب صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو ایٹ ہوم کے بعد صرف ان ہی سے تنہائی میں طویل ملاقات کی وہ انہیں گورنر جنرل بنانا چاہتے تھے لیکن وہ دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

صوبہ سرحد میں ایک اور تماشہ ہوا کہ مسلم لیگ سے جلسہ کروایا گیا۔ صوبے کے کونے کونے سے لاریاں بھر بھر کر لوگ لائے گئے۔ جلسے میں وائسرائے، ماؤنٹ بیٹن کو بھی بلایا گیا۔ تا کہ کننگھم پارک پشاور میں اس ہجوم کو دیکھ سکے اسے کہا گیا کہ یہ مشتعل ہجوم ابھی چھاؤنی اور گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ بولنا چاہتا ہے۔ پولیس تو کیا فوج بھی اسے قابو نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر تم کہو تو تمہارے کہنے سے یہ لوگ واپس چلے جائیں گے۔ ورنہ بات ہمارے بس کی نہیں گورنر کیرو نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ تاثر دیا کہ یہ اتنا عظیم الشان جلسہ صرف مسلم لیگ کر سکتی ہے۔ کننگھم پارک میں مسلم لیگ کا یہ عظیم الشان جلسہ تو اس بات کا ثبوت ہے یہ سرحد کے پشتون خدائی خدمتگاروں کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور مسلم لیگ میں شامل ہو چکے ہیں۔

دولت مشترکہ اور ڈومینین سٹیٹس

مسلم لیگ دلی میں اپنی بات پہ بضد تھی اور جناح صاحب کوئی بات بھی ماننے کو تیار نہ تھا۔ انگریزوں کی مدتوں کی محنت رنگ لائی۔ وائسرائے ہند لنلتھگو اور اس کے ساتھ وزیر ہند ایمرے کی یہ پالیسی تھی کہ جتنا ہم مسلمان اور ہندو کے اس مسئلے پر زور دیں گے اور جتنے ان کے اختلافات بڑھیں گے تو اس مسئلے کو حل کرنے کا واحد طریقہ رہ جائے گا کہ انگریز دونوں جماعتوں کی طرف سے ثالث بن جائے اور اپنا منصوبہ پیش کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ مقام آ پہنچا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت پر انگریز کے اصرار نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کچھ بھی ہو۔ انگریز پورے طور پر مسلم لیگ کے ساتھ کھڑا ہے اور ہندوستان کی تقسیم کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ فرقہ وارانہ دشمنی اور نفرت کی فضا اور گھمبیر ہوتی گئی۔ فسادات پورے ہندوستان میں ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ جب مسلم لیگ وفاقی عبوری حکومت میں شامل ہوئی تو محکموں کی تقسیم میں مسلم لیگ کو خزانہ کا محکمہ مل گیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے فنانس کے محکمے میں دو قابل اور ہوشیار مسلمان تھے۔ ایک ملک غلام محمد اور دوسرے چودھری محمد علی ان کو اس بات کا علم تھا کہ ہندوستان کی صنعتی اور تجارتی دولت پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے تو وہ جب لیاقت علی خاں کے لئے پہلا بجٹ تیار کر رہے تھے تو ایسے ٹیکس لگائے کہ ان کا اثر انہی سرمایہ دار اور کارخانہ دار لوگوں پر پڑ رہا تھا۔ کانگریس جو ساری عمر اپنی سیاست غریب عوام کی حالت بہتر کرنے کی بنیاد پر چلا رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بات مشکل تھی کہ اس بجٹ پر اعتراض کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سرمایہ دار دولت مند سیٹھ اور کارخانے دار بھی اس بات پر مجبور ہوتے کہ یہ مطالبہ کریں کہ بہتر ہے اب اس مسئلے کا کوئی حل نکالا جائے۔ یہ روز روز کی دھینگا مشتی سے اچھا ہے کہ مسلم لیگ کا مطالبہ مان لی اجائے اور انہیں اپنا پاکستان دے دیا جائے وہ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر مسلم لیگ اس بات پر راضی ہے کہ بنگال تقسیم ہو جائے۔ کلکتہ ہندوستان کو دیا جائے اور بنگال کا لوہا اور کوئلہ ہندوستان کو دیا جائے۔ اور مسلمان صرف مشرقی پاکستان کے جوہڑ اور سیم زدہ بنجر زمین

لے لے۔ تو کانگریس اس بات پہ کیوں معترض ہے اور اس طرح مغرب میں مسلم لیگ آدھے پنجاب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور اس پر بھی خوش ہے۔ تو اس پر تو پھر تقسیم پر کیا اعتراض ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے اندر بھی آہستہ آہستہ رائے عامہ کو تقسیم ہند کی طرف دھکیلا جا تا رہا۔

آخری فیصلے کا مقام اب آن پہنچا۔ تقسیم کا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ لیکن اب انگریز کا مقصد یہ تھا کہ کس طرح اب وہ ان دونوں ممالک کو اپنے ساتھ ڈومینین (Dominion) کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ میں رکھ سکے۔ پاکستان کی طرف سے اس پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔* حقیقت میں جناح صاحب نے بہت پہلے ماؤنٹ بیٹن کو یقین دلا دیا تھا کہ پاکستان ڈومینین کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس پر اس کا مذاق بھی اڑایا تھا کہتا ہے جناح صاحب بہت حیران ہوا کہ میں نے صرف یہ نہیں کہ اس بات میں دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ اسے یہ کہا کہ جب اس کا موقع آئے گا تو تمہاری یہ تجویز حکومت برطانیہ کو پیش کر دی جائے گی۔ جناح صاحب کا تو یہ خیال تھا کہ گویا میں برطانیہ پر بہت بڑا احسان کر رہا ہوں۔ لیکن انگریز کا اصل مقصد ہندوستان سے تھا اور اس سلسلے میں ایک مشکل پیش تھی کہ جب ہندوستان کی مشترکہ منتخب اسمبلی کا اجلاس ہوا تو ہندوستان نے اپنے لئے (Republic) کی حیثیت پسند کی تھی۔ نہ کہ ڈومینین کی۔ لیکن دوسری طرف ہندوستان کی یہ رائے تھی کہ ہندوستان کی حکومت حقیقت میں برطانوی ہندوستان کی وارث ہے۔ اس وجہ سے وہ اس تسلسل کو جاری رکھنا چاہتی ہے اس میں مقصد یہ بھی تھا کہ چونکہ پاکستان ہندوستان سے الگ ہو رہا ہے۔ اس طرح یہ (Secession) کی تعریف میں آتا تھا۔ ہندوستان کو ایک مشکل یہ بھی درپیش تھی کہ ہندوستان میں چھ سو سے زیادہ ریاستیں تھیں۔ چونکہ ان ریاستوں کے معاہدے براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ تھے تو جب تک نئی حکومت تاج برطانیہ کی وارث تسلیم نہ ہو۔ ان ریاستوں کے مستقبل کے فیصلے مشکل ہوں گے۔ اب جبکہ ہندوستان نے دولت مشترکہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تو انگریز کے راستے کی آخری رکاوٹ دور ہو گئی۔ اس میں تبدیلی کرنی تھی۔ صرف یہ کہ اب دولت مشترکہ میں۔ ڈومینین کے علاوہ ری پبلک بھی شامل ہو سکتی ہے تا کہ ہندوستان کے لئے شمولیت کی گنجائش نکل آئے۔

---

* چنانچہ 1956ء تک پاکستان نو آبادیاتی ہی رہا اور پاکستان کے پہلے گورنر جنرل نے بھی شہنشاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لیا تھا۔ پاکستانی ترانہ میں قوم ملک وسلطنت میں سلطنت سے مراد برطانوی بادشاہت ہی ہے حالانکہ پاکستان سلطنت نہیں جمہوریت ہے اس طرح 1956ء کے آئین کے بعد ترانہ سے البتہ جان استقلال نکال کر جان استقبال کر دیا گیا لیکن لیکن ہنوز ملک کامن ویلتھ کا رکن اور برطانوی حاشیہ بردار ہے اس لیے قانونی طور پر وہاں ایمبسی کے بجائے ہائی کمیشن رکھتا ہے۔

انگریز مطمئن ہوا کہ اس کی فرقہ وارانہ سیاست آخر کار اپنے منطقی نتیجے پر پہنچی اور اب اس کی پالیسی Devide & Rule کی تھی۔ اب جبکہ وہ یہاں کسی صورت بھی حکومت نہیں کر سکتا تو قوم پرست اور سامراج دشمن طاقتور کو وہ اس سے بڑھ کر سزا نہیں دے سکتا کہ (تقسیم کرو اور حکومت کرو) کا نسخہ استعمال کرے اور جانے سے پہلے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو مذہبی بنیاد پر تقسیم کرے بلکہ ملک کے اندر فرقہ وارانہ اور مذہبی جنون کی ایسی جنونی فضا پیدا کرے، جس میں لاکھوں مخلوق خدا تباہ و برباد ہو۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ خون میں نہائیں اور معلوم نہیں اس حیوانیت کا اثر کتنی آنے والی نسلوں پر پڑے گا۔

3/جون کے منصوبے کا اعلان

(The Referendum)

ملک کے حالات ایسے تھے۔ انگریز کے ہاتھوں بوئے ہوئے پودے پر پھل لگ چکے تھے۔ فرقہ وارانہ تعصب کا یہ جنون اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم کے مابین نفرت اور حقارت کی حدود کو پھلانگ کر قتل و غارت تک پہنچ چکا تھا۔ اس کا علاج جناح صاحب کے کہنے کے مطابق آپریشن کے بغیر ناممکن تھا۔ ہندوستان جس میں ہندو اور مسلم صدیوں سے بھائی چارے پیار و محبت اخوت اور برادری شرافت اور انسانیت کی زندگی گزار رہے تھے اور جہاں مسلمانوں کی صدیوں تک پر امن حکمرانی رہی۔ آج اسی ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے اور حصے بخرے کرنے کے لئے انگریز نے چھری تیز کی ہے۔ اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم نہیں بلکہ مسلمانوں کی تقسیم ہو رہی تھی۔

2 جون کو ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے تین تین ممبر اور ایک سکھ ممبر بلائے۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ ویسے تو میں اور سردار پٹیل اس کانفرنس کے لئے آئے ہیں لیکن اب چونکہ اچاریہ کرپلانی نے پارٹی کی صدارت سنبھالی ہے تو چونکہ جماعت کی ذمہ داری صرف وہ ہی قبول کر سکتا ہے تو جب وائسرائے اپنا منصوبہ پیش کرے تو اس کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ اس بات کا علم جب جناح صاحب کو ہوا تو اسی جہاد کے مطابق اس نے بھی تیسرے ممبر کا مطالبہ کیا اور اپنے ساتھ نواب زادہ لیاقت علی خان کے نام کے ساتھ سردار عبدالرب نشتر کا نام بھی دے دیا۔ نشتر صاحب کا مسئلہ بھی عجیب تھا اس کا نام جب مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں بطور ایک وزیر کے پیش کیا۔ تو اس وقت کانگریس نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کس حیثیت سے صوبہ سرحد کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ ابھی 1946ء کے انتخابات میں اپنے گھریلو حلقے یعنی پشاور میں الیکشن ہار چکا ہے تو ایک آدمی جو صوبائی اسمبلی میں ممبر شپ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ مرکز میں کس منہ سے تمام صوبے کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آخر کانگریس سے اس بات پر فیصلہ ہوا کہ وائسرائے خدائی خدمتگاروں کے رہنما (خان عبدالغفار خان) باچا خان سے پوچھ لیں گے اگر وہ اعتراض کریں تو پھر حقیقت میں وہ صوبہ سرحد کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ باچا خان سے پوچھا

گیا۔ باچا خان نے کہا۔ سردار جو کچھ بھی ہے ایک پشتون ہے۔ میں اعتراض نہیں کرتا۔ جبکہ وائسرائے نے برطانوی حکومت کی طرف سے اپنے منصوبے کی تفصیلات اس جرگے کو پیش کیں۔

بنگال کی تقسیم، پنجاب کی تقسیم، آسام کے ایک ضلع میں رائے شماری اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ یا ہندوستان میں۔

بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے لئے باؤنڈری کمیشن (Boundry Commisoion) مقرر ہو گا۔ کہ ان صوبوں کی تقسیم کی حد کھینچے۔ اس کا فیصلہ قطعی ہوگا اور کوئی بھی فریق اس کے سامنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

اس کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا۔ یہ اگر چہ انگریزوں نے 48ء جون تک کا وقت مقرر کیا تھا لیکن کوشش یہ ہوگی کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ اختیارات اس سے پہلے سونپے جائیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے جب پلان کی یہ تجاویز پیش کیں تو ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میں ابھی فوراً جواب نہیں مانگتا تم لوگ اپنی اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلاؤ اور پھر مجھے اپنے فیصلے بتا دو۔ جناح صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ مسلم لیگ کی کونسل کو بلانا پڑے گا۔ چونکہ کانگریس یہ بات پہلے ماؤنٹ بیٹن کو بتا چکی تھی کہ جناح صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا فیصلہ سنانے میں لیت ولعل کرتا ہے اور اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ اسے کانگریس کے فیصلے کا علم ہو۔ پھر اس کی روشنی میں اپنے فیصلے کرتا ہے جو اس مرتبہ کانگریس ماؤنٹ بیٹن سے اس بات پر مصر تھی کہ وائسرائے کی طرح کام نہ کرے۔ وہ کانگریس کا تمام کا تمام حال جناح صاحب کو بتا دیتے تھے بلکہ ایک وقت مقرر کیا جائے کہ اسی مقررہ وقت پر دونوں فریق اپنے فیصلے ماؤنٹ بیٹن کے پاس لائیں گے۔ جناح صاحب نے وعدہ کیا کہ میں آج رات تک اپنی جماعت کا فیصلہ وائسرائے تک پہنچا دوں گا۔

ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ جناح صاحب آدھی رات کو آ گئے۔ مجھے کہا کہ میں تو مسلم لیگ کا ایک آئینی سربراہ ہوں اور فیصلے کا اختیار تو صرف مسلم لیگ کی کونسل کو ہے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ میں نے بہت مغز خوری کی کہ اس مرتبہ کانگریس کسی صورت نہیں مانتی اور مسلم لیگ کا قطعی جواب مانگتی ہے۔ لیکن جناح صاحب کوئی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ ماؤنٹ بیٹن آخر کار مجبور ہوا اور جناح صاحب کو کہا کہ میں تمہیں قطعاً یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ یہ ایک فیصلہ جو ہم نے اتنی مصیبت اور تکلیف سے کر لیا ہے۔ اسے تم تباہ و برباد کر ڈالو اور اگر تم اسے مسلم لیگ کی طرف سے قبول کرنے کی ذمہ داری نہیں لیتے تو میں اسے مسلم لیگ کے لئے قبول کرلوں گا:

Mr.Jinnah I do not intend to let you wreck all the work that has

gone into this settlement. Since you will not accept it for the Muslim League, I will speak for them myself. (p.103)

(Campbell Jahnson Mission with Mountbetten.P.103)

ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح میں آپ کو اس بندوبست کے لئے کی گئی ساری محنت کو ضائع نہیں کرنے دوں گا کیونکہ آپ اسے مسلم لیگ کے لئے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ میں خود ان کی طرف سے بات کروں گا''۔

(صفحہ 103۔ مشن ودھ ماؤنٹ بیٹن۔ کیمبل جانسن)

وائسرائے یہاں پر بھی نہ رکا۔ آگے چل کر جناح صاحب کو کہتا ہے کہ کل صبح جب یہ رہنما مل بیٹھیں گے تو میں اعلان کر دوں گا کہ جناح صاحب نے مجھے تسلی دی اور میں اس سے مطمئن ہوں اور تم اس کی تردید نہیں کرو گے۔ بلکہ اس اعلان کے بعد جب میں تمہاری طرف دیکھوں تو تم سر ہلا دو گے۔ مطلب یہ کہ وائسرائے جو کچھ کہتا ہے۔ سچ کہتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ اس وقت بھی جناح صاحب نے اپنا سر ہلایا حقیقت میں یہ تو صاف واضح ہے کہ تقسیم ہند کا وہ فیصلہ جو تین جون کے منصوبے کے نام سے موسوم ہے۔ مسلم لیگ یا جناح صاحب نے خود منظور ہی نہیں کیا بلکہ یہ منظوری مسلم لیگ کی طرف سے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود دی تھی۔ اس دعوے پر کہ مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے اور ان کی طرف سے بات کرنے کا اجازت نامہ اس کے پاس ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ اجازت یا اختیار مسلم لیگ نے اسے دیا تھا یا اس نے اپنی زبردستی سے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ان سرکاری دستاویزات میں موجود ہے جو ان کے اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی محفوظ پڑی ہوئی ہیں۔

ریفرنڈم

ریفرنڈم کے اعلان کے ساتھ صوبے کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی یہ کہا گیا کہ اگر استصواب کے ذریعے قوم کی رائے معلوم کرنا ہے تو وہ ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ ایک سال پہلے انتخابات میں صرف یہ نہیں کہ خدائی خدمتگاروں نے صوبے کے کل رہنے والوں کی سطح پر بلکہ مسلمان ووٹروں کی گنتی میں مسلم لیگ کو شکست دے دی تھی۔ تو ایک سال بعد پھر کونسی چیز معلوم کرنی ہے جس کے لئے ریفرنڈم کا اعلان ہو گیا ہے۔ صوبے کے فیصلے کی روشنی میں کانگریس کے مرکزی رہنماؤں نے بھی یہ بات مان لی کہ وہ ریفرنڈم کی مخالفت کریں گے۔ ان دنوں ماؤنٹ بیٹن شملہ گیا۔ وہاں جواہر لال نہرو کو بھی مدعو کیا۔ وہاں سے جب یہ واپس آ رہے تھے تو اعلان ہوا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہو گا۔ جواہر لال نے ان کے ساتھ یہ بات مان لی تھی جواہر لال نے کہا کہ میں نے یہ تمام بات صوبے کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے تفصیلی طور پر کر لی تھی اور اس نے ریفرنڈم مان لیا تھا۔ خدائی خدمتگاروں کا ریفرنڈم پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ جب کانگریس اور مسلم لیگ کی توثیق کر دی ہے اور جب ہم اپنے آپ کو کانگریس کے فیصلوں کا پابند تسلیم کرتے ہیں اور ورکنگ کمیٹی میں ہماری نمائندگی باچا خان / خان عبدالغفار خان خود کرتے ہیں۔ تو ہم تقسیم مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہو تو پھر اس ریفرنڈم کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے کس لئے کرتے ہو اور کس کے ساتھ کرتے ہو۔ نتیجہ اور کچھ نہ ہو گا۔ ماسوائے اس کے کہ محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو اور فرقہ وارانہ وسیاسی فضا مکدر ہو۔ جبکہ حالات اس قدر خطرناک اور دھماکہ خیز ہیں۔ لیکن مسلم لیگ اور انگریز کے اس ریفرنڈم سے اپنی مقاصد وابستہ تھے۔ مسلم لیگ کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ مسلم لیگ یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ پاکستان صرف اور صرف ان کے کہنے اور مطالبے پر حاصل ہوا ہے اور یہ بھی کوشش تھی کہ یہ تاثر دے سکیں کہ خدائی خدمتگاروں نے اسلامی مملکت کے قیام کی مخالفت کی۔ اس لئے تو نوبت استصواب تک پہنچ گئی۔ اس مقصد کے لئے صوبہ سرحد کے لئے الگ رویہ اختیار کر لیا گیا۔ پورے ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں میں اسمبلیوں سے رائے مانگی گئی۔ بنگال اور پنجاب کی اسمبلیوں نے تقسیم کے حق میں ووٹ دیئے اس لئے بنگال اور پنجاب تقسیم ہوئے۔ سندھ اسمبلی نے بھی پاکستان کے متعلق پوچھا تھا تو سرحد سے کیوں نہ پوچھا گیا۔ بات تو بالکل واضح تھی کہ یہاں اسمبلی میں

خدائی خدمتگاروں کی اکثریت تھی تو اس لئے نہ پوچھا اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ خدائی خدمتگاروں کا ہوتا اور مسلم لیگ یہ پوزیشن ماننے کو تیار نہ تھی اور نہ ہی انگریز اس بات پر آمادہ تھا۔

مسلم لیگ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ انہیں معلوم تھا کہ خدائی خدمتگار ریفرنڈم میں حصہ نہیں لے رہے پھر تو ریفرنڈم میں ضرور پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ جب ریفرنڈم کے نتیجہ کا اعلان ہو جائے گا۔ تو مسلم لیگ کوٹھے پر چڑھ کر پکارے گی کہ ہم نہ کہتے تھے کہ قوم کا اعتماد خدائی خدمتگاروں پر سے اٹھ چکا ہے کیونکہ صوبہ سرحد کی سیاست نے بالکل کروٹ بدل لی ہے اور اسی طرح اس ریفرنڈم کو صوبائی حکومت پر عدم اعتماد کا نام دے کر مطالبہ کریں گے کہ اب وزارت کو چاہئے کہ قوم کا فیصلہ مان لے اور استعفیٰ دے دے اور اگر یہ وزارت استعفیٰ نہ دے تو پھر گورنر جنرل کو چاہئے کہ اس وزارت کو برطرف کر دے اور اس طرح یہ صوبہ خدائی خدمتگاروں سے چھین کر مسلم لیگ کو تحفتاً دے دے۔

دوسری طرف جب خدائی خدمتگار اس نتیجے پر پہنچے کہ جیسے بھی ہو انگریز یہ ریفرنڈم کر کے رہے گا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر ریفرنڈم ہندوستان اور پاکستان کے مسئلے پر ہوتا ہے تو یہ بات تو فیصلہ ہو چکی ہے کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہوگا۔ پھر ریفرنڈم کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر انگریز خواہ مخواہ اپنا شوق پورا کرنا چاہتا ہے تو پھر حق خود ارادیت کے اصولوں کے تحت اس صوبے کے لوگوں کو بھی اختیار دے دے کہ اگر وہ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تو انہیں یہ اجازت ہو کہ یہاں ان کا ایک آزاد صوبہ قائم ہو۔ یعنی ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ آزاد پشتونستان کا یہ نکتہ بھی ریفرنڈم میں شامل کر دے۔

اس تیسرے مشن کا مطالبہ ماؤنٹ بیٹن نے نامنظور کر دیا تو اس وجہ سے خدائی خدمتگاروں نے پھر اعلان کر دیا کہ چونکہ ان دو مسئلوں پر فیصلہ ہو چکا ہے تو اس پر ریفرنڈم بے مطلب اور بے مقصد ہے اس لئے خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

یہاں یہ کہ انگریز کی دوعملی اور پاکستان کے رہنماؤں کی بے اصولی نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ جب تقسیم بنگال کا مسئلہ پیدا ہوا اور وہاں کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگال متحد رہے اور آزاد رہے۔ تو جناح صاحب اس تجویز پر تو خوش تھے فوراً منظور کر لیا لیکن یہاں صوبہ سرحد میں وہی مطالبہ خدائی خدمتگاروں نے کیا تو وہ اسلام کے دشمن اور پاکستان کے غدار بن گئے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ متحدہ بنگال میں مسلموں اور ہندوؤں کی آبادی کا تناسب 54% اور 46% تھا۔ وہاں تو مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اگر غیر مسلم کوشش کریں اور چند مسلمان اپنے ساتھ ملا لیں تو اس کی وزارت پر مسلمانوں کی جگہ غیر مسلموں کا قبضہ ہو سکتا ہے لیکن یہاں صوبہ سرحد میں تو اس قسم کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ اس صوبے میں بھی کبھی غیر مسلموں کی حکومت بن سکتی ہے کیونکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی 93%

تھی۔ دوسرے آزاد بنگال کی حکومت ہمیشہ مسلموں کی محتاج ہوتی۔ یہاں تو یہ مجبوری بھی نہ تھی لیکن گھوم پھر کر بات وہاں آ کر رہ جاتی ہے کہ انگریز اسلام کا ایک نظریاتی طوق روس کے اشترا کی نظام کے گلے میں ڈالنا چاہتا تھا اور خدائی خدمتگار تو کیا اس رستے میں انگریز کسی قسم کی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کا یہ فیصلہ تھا کہ جب تک قوم پرست اور سامراج دشمن قوتوں کو راستے سے ہٹا نہ دیا جائے وہ اپنا منصوبہ مکمل نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خدائی خدمتگار رہنماؤں کو یہ یقین تھا کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں پر جو جنونی کیفیت طاری ہے اور مار دھاڑ پر اتر آئے ہیں وہ پاکستان بننے تک ہے اور جب یہ پاکستان بن جائے گا تو پھر یہ اتنی دیوانگی اور خواہ مخواہ کا الجھاؤ ختم ہو جائیگا۔ ورنہ حقیقت میں خدائی خدمتگاروں نے اس وقت مقابلے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے لئے راستہ بھی موجود تھا۔ بلکہ میں نے خود اس رستے کی نشاندہی کی تھی۔ بات واضح تھی کہ اگر خدائی خدمتگار آزاد پشتونستان چاہتے اور انگریز کی طرف سے انہیں یہ حق نہیں دیا گیا تو اس سے نکلنے کا تو آسان طریقہ تھا۔ اس وقت ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی پر کانگریس کا مکمل قبضہ تھا۔ اگر خدائی خدمتگاروں نے اس اسمبلی سے یہ تجویز پاس کرالی ہوتی کہ اگر آنے والے ریفرنڈم میں صوبہ سرحد کے لوگوں نے ہندوستان کے ساتھ شمولیت کا اعلان کر لیا تو ہندوستان اس صوبے کو مکمل آزادی دے دیگا اور اس آزادی کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرے گا۔ اور پھر قوم کو یہ بتایا جاتا کہ اگر آزاد پشتونستان چاہتے ہو تو ہندوستان کے ساتھ شمولیت کے حق میں ووٹ دے دو لیکن میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم سب مسلم لیگ کی ظاہری شرافت، اسلامی جذبہ کے اظہار اور اپنی سادگی سے دھوکا کھا گئے۔

ان دنوں میرا ایک مسلم لیگی دوست میرے پاس آیا۔ کہا بچو مانتے ہو کہ تمہیں کیسے کس کر باندھ لیا ہے۔ اب تم لوگ یہاں پھنس گئے ہو اور ہندوستان وہاں رہ گیا ہے۔ بیچ میں پنجاب آ گیا ہے۔ اب ریفرنڈم میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا ہے۔ میں نے ہنس کر کہا مسلم لیگی ہونا۔ یہ مملکتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کے حصے بخرے بنانا۔ تمہارا اور تمہارے آقا انگریز کا کام ہے ہم بنایا کرتے ہیں بگاڑتے نہیں۔ ورنہ اگر تم لوگوں کی طرح سیاست ہم بھی کرتے تو کیا تم یہ بات بھول چکے ہو کہ تمہارے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ تم تو سرحد سے ڈیڑھ ہزار میل دور مشترکہ ملک بنا سکتے ہو۔ تو میرے لئے تو صرف تین میل بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہارے مشرقی اور مغربی حصے کے درمیان تو تمہارے کہنے کے مطابق ایک کافر اور دشمن ملک ہے۔ میری سرحد پر تو مسلمان اور پنجابی بھائی ہو گا۔

آخر کار حکومت ہند نے ریفرنڈم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صوبہ سرحد کے گورنر کیرو کو ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ (Sir Robb Lock Hart) سر راب لاک ہارٹ گورنر مقرر ہوا۔ اس کی سرپرستی میں

ریفرنڈم کرایا گیا۔ اگرچہ خدائی خدمتگاروں نے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا اور ریفرنڈم کا نتیجہ صاف ظاہر تھا لیکن اس کے باوجود بھی مسلم لیگیوں نے انتہائی زور لگایا تھا۔ نفرت، حقارت اور اشتعال دلانے کے لئے پشتونوں کے علاوہ ہندوستان کے کونے کونے سے رہنما آتے تھے۔ یہاں تک کہ علی گڑھ کے طالب علم پورے صوبے میں بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن پولنگ کے دن تو اتنی بے ایمانی کی جس کی مثال ملنی مشکل تھی۔ غلط اور بوگس ووٹ ڈالے گئے۔ ہمارے رہنماؤں کے ووٹ پول ہوئے۔ اس سلسلے میں دو واقعات بیان کرنے کے قابل ہیں، ایک تو مرزا سکندر نے خود مجھے بتایا جو اس وقت ہزارہ کا ڈپٹی کمشنر تھا کہ اس دن پولنگ کے سلسلے میں مختلف پولنگ سٹیشنوں کو دیکھتے ہوئے گلیات کے ایک پولنگ سٹیشن پر گیا۔ جب عملے سے پوچھا تو انہوں نے نہایت فخر سے کہا کہ صاحب اس سٹیشن پر تو کل ملا کر 200 ووٹ ہیں کیونکہ پہاڑی علاقہ ہے لیکن اب تک ہم 210 ووٹ پول کر چکے ہیں ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ میں نے بہت شور مچایا کہ یہ تم لوگوں نے کیا غضب کیا اگر کسی نے اعتراض کیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ ایک دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ بعد میں جب 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں صوبہ سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی کی حکومت بنی اور کافی مسلم لیگی ہمارے ساتھ شامل ہوئے تو ان میں ایک مسلم لیگی خاتون * نے مجھے کہا کہ میں نے ریفرنڈم میں اپنے ہاتھ سے 51 ووٹ ڈالے تھے۔ میں نے کہا بی بی، یہ ایک ووٹ تو تمہارا اپنا ہوگا۔ اپنے ہی میاں کے نام کا۔ لیکن باقی یہ پچاس ووٹ ڈالنے کے بعد تم نے تجدید نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ تم نے خود اپنی زبان سے پولنگ کے عملے کے افسران کے سامنے بیان دیا کہ میں فلاں کی منکوحہ ہوں۔ تو اپنے خاوند کے نکاح میں رہتی ہو۔ ان پچاس آدمیوں کے نکاح کی مناسبت کی کیا حیثیت ہوگی۔ پر مزے کی بات تو یہ ہوتی کہ ان پچاس میں سے ایک آدمی بھی آ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا کہ تم میری منکوحہ ہو۔ کیونکہ اپنی زبان سے اقرار کر چکی ہو تو پھر کیا بنتا اور کیا ہوتا۔

لیکن انگریز مسلم لیگ سرکاری افسران سب کی ملی جلی دھاندلی کے باوجود نتیجہ کچھ یوں تھا۔

ووٹوں کی کل تعداد	5,72,799	
پول شدہ ووٹ	2,92,118	51%
پاکستان کے حق میں	2,89,244	50.50%
ہندوستان	2,874	

بہرحال یہی ریفرنڈم کی اصل حقیقت تھی۔ ان سب بے ایمانیوں اور جعلی ووٹوں کے باوجود صرف 50% لوگوں نے ووٹ دیا ہے اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان دنوں عام ووٹ نہیں

* یہ خاتون یوسف خٹک کی بہن مشہور مسلم لیگی رہنما تھی جو نیپ کے کوٹہ پر 1970ء رکن اسمبلی بنی تھی۔

تھا بلکہ مخصوص تھا۔ اس لئے تو صوبہ سرحد کی 35 لاکھ آبادی میں صرف 6 لاکھ ووٹر تھے۔ بلکہ یہ کہ یہ ریفرنڈم صرف صوبہ کے چھ اضلاع میں ہوا تھا۔ صوبہ سرحد سے ملحق چھ ایجنسیاں بھی اس سے باہر تھیں۔ قبائلی علاقہ شامل نہ تھا اور تو چھوڑیں۔ سوات، دیر، چترال اور امب کی ریاستیں بھی شامل نہ تھیں۔ تو یہ سب آبادی ملا کر تقریباً ستر اسی لاکھ افراد بنتے ہیں۔ ان میں صرف تین لاکھ بلکہ اس سے کم لوگوں نے ووٹ دیا ہے۔ ویسے بھی بین الاقوامی اداروں کی طرف سے جب حق خودارادیت استعمال ہوتا ہے تو اس کے قطعی فیصلہ تسلیم کرنے کے لئے چاہیئے۔ 2/3 یا 76 فیصد ووٹ پڑیں۔ تو اگر خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم پر اعتراض کرنا مناسب سمجھتے تو قانونی اور اخلاقی طور پر ان کا اعتراض صحیح ہوتا لیکن چونکہ خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم کو غیر ضروری سمجھتے تھے تو اس لئے اس بات پر انہوں نے اپنا وقت ہی ضائع نہ کیا۔ بلکہ کوشش یہ تھی کہ گزشتہ تلخ اور اشتعال انگیز مسئلوں سے آہستہ آہستہ کر کے خود کو نکالے اور جب کہ انگریز بستر گول کرنے پر مجبور ہو گیا ہے اور خدائی خدمتگاروں کی ان عظیم قربانیوں اور بے پناہ شجاعت رنگ لائی اور مدتوں کے ارمان پورے ہو چکے ہیں تو اب چاہیئے کہ کوشش کریں کہ محاذ آرائی اور نفاق کی فضا ختم ہو جائے۔ دشمن انگریز بیچ میں سے نکل گیا، اب تو اپنے رہ گئے ہیں۔ چاہیئے کہ ملک کی آبادی کا کام مل کر شروع کریں تا کہ انگریز کے ہاتھوں سے چھینی ہوئی زندگی کی آسائشوں اور کامرانیوں سے پشتون کے بھوکے ننگے بچوں کو نئی زندگی دے سکیں۔

جیسے توقع تھی۔ ریفرنڈم کے نتیجے کے اعلان کے ساتھ ہی مسلم لیگ نے چیخ و پکار شروع کی کہ قوم اپنا فیصلہ سنا چکی ہے اور ریفرنڈم کے ذریعے موجودہ حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار کر لیا ہے۔ اب چاہیئے کہ حکومت استعفیٰ دے دے۔ ایسا نہیں کہ مسلم لیگ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ریفرنڈم کا صوبائی حکومت سے کیا تعلق تھا۔ ریفرنڈم تو ہندوستان اور پاکستان کے نام پر ہوا تھا اور اس میں حکومتی جماعت نے حصہ بھی نہیں لیا تھا۔ وزارت کا اعتماد اور اعتماد تو اسمبلی سے وابستہ ہے۔ یہ اتنا زور مسلم لیگیوں نے دوسری وجہ سے بھی لگایا تھا۔ موجودہ آئین کے تحت گورنر جنرل کو یہ اختیار تھا کہ وہ ایک صوبائی وزارت کو برطرف کر دے بلکہ جس آئین کا اعلان آزادی کے سلسلے میں انگریز نے کیا تھا تو اس میں اختیار صوبوں کو دے دیا تھا اور گورنر جنرل کو یہ اختیار نہ تھا کہ ایک صوبائی وزارت کو برطرف کر دے۔ تو اس وجہ سے مسلم لیگ کے رہنماؤں کی یہ کوشش تھی کہ پہلے تو وزارت خود استعفیٰ دے دے اور اگر یہ استعفیٰ نہیں دیتے تو پھر گورنر جنرل کو چاہیئے کہ انہیں برطرف کر دے چنانچہ اس قسم کی بات جناح صاحب نے ماؤنٹ بیٹن سے خود کی اور اس سے یہ خواہش کی کہ صوبہ سرحد کی وزارت کو برطرف کر دے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے یہی کہا کہ ریفرنڈم کا صوبائی وزارت سے کوئی تعلق نہیں۔ تم اگر صوبہ سرحد کی وزارت کو ہٹانا چاہتے ہو تو اس کے لئے آئینی طریقے موجود ہیں تم لوگ ان کے خلاف اسمبلی کے ذریعے عدم اعتماد کا ووٹ پاس کرو۔ یہ بھی کہا کہ میں یہ وزارت برطرف نہیں کر سکتا۔ اور جب اختیار تم لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے پھر تمہاری اپنی مرضی۔

گورنر جنرل کا انتخاب

وہاں دلی میں دو تین واقعات ایسے ہوئے جو انگریز کی توقع کے بالکل خلاف تھے۔ جن میں دو کا تعلق ہندوستان سے تھا اور ایک کا تعلق پاکستان سے۔ ہندوستان کا اختیار تو اس ملک کی قوم پرست جماعت کانگریس کو سونپ دیا گیا۔ وہاں یہی انقلابی لیڈر شپ موجود تھی جس نے انگریزوں کے خلاف سالہا سال جدوجہد کی تھی۔ مرد، عورتوں نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ ان کا مقابلہ سامراج انگریز سے تھا اور لازمی بات تھی کہ وہاں تعلقات میں ایک قسم کی سختی اور تلخی تھی۔ انگریز کو بھی یہ معلوم تھا کہ اس کا رویہ ہندوستانیوں کے ساتھ دشمنی پر مبنی تھا۔ اور سب سے زیادہ اس وقت جب کانگریس نے مکمل خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور اس سلسلے میں اتنی تحریکیں چلی تھیں اور ان تحریکوں کو کچلنے کے لئے انگریز نے کتنے ظلم وتشدد سے کام لیا تھا۔ خصوصیت سے ہندوستان چھوڑ دو (Quit India) تحریک کے سلسلے میں تو نوبت ہوائی جہازوں سے بمباری تک آن پہنچی تھی۔ تو وہاں تو سوائے دشمنی، نفرت اور حقارت کے اور کوئی نتیجہ نکلا ہی نہ ہو گا۔ انگریز کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہندوستان کے موجود رہنما اور ان کے لاکھوں پیروکار اس آگ کے کھیل سے گزر چکے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر جاتے جاتے انگریز نے ملک میں جو حالات پیدا کئے تھے اور مذہبی جنونی اور فرقہ واریت کی ایک ایسی آگ پورے ملک میں بھڑکائی تھی تو ہندوستان کے ان رہنماؤں کے دل کیونکر انگریز کے لئے صاف ہو سکتے تھے اور پھر جب ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی نے اپنے لئے ڈومینین کی جگہ (Republic) کی حیثیت قبول کر لی تھی تو انگریز پر ان کی سوچ اور بھی واضح ہو گئی۔ مگر جب انہوں نے دولت مشترکہ میں رہنے کا فیصلہ کیا تو انگریز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہندوستان اس پر تیار ہے کہ (Republic) کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ British Common Wealth میں شامل ہو جائے اور برطانیہ کی ملکہ معظمہ کی سربراہی میں اس ادارے کی ممبری قبول کر لے۔ انگریز حیران تھا۔ دلی سے لے کر لندن تک تمام حاکم یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ کانگریس کے رہنما کتنی سیاسی عقل اور بصیرت رکھتے ہیں۔ قومی اور ملکی مفادات کو اپنی ذات اور شخصی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگریزوں کو اس بات سے ہوئی کہ کانگریس کے رہنماؤں نے یہ

فیصلہ کرلیا کہ اس عبوری دور کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی ہندوستان کے نئے آئین کے تحت ہندوستان کا گورنر جنرل رہے گا۔ انگریز کیا پوری دنیا حیران تھی کہ ایسے مشکل حالات میں اور ہندوستان کی نئی مملکت کے مستقبل کے فیصلوں اور پالیسیوں کے اس نازک وقت میں قوم کے مانے ہوئے لیڈر اور موجودہ رہنما اختیار ایک انگریز کو سونپ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مدبر اور دوراندیش سیاسی جماعت کا کارنامہ تھا کہ یہ رہنما ذاتی دشمنی نہیں رکھتے اور انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ اپنے ذاتی جاہ وجلال اور شخصی منصوبوں کے لئے نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے سامنے سب سے پہلے ملکی اور قومی مفاد تھا۔

اس کے مقابلے میں ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری کیمپ بیل جانسن کے کہنے کے مطابق جناح صاحب کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں ڈومینین کا مشترکہ گورنر جنرل ہوگا:

> Provision had been made in the Act, on Mr. Jinnah's seggestion for Lord Mount Batten to be Governor Gerneral of both Dominions & for some time it seems as if this might be acceptable , but at the last moment Mr. Jinnah decided other wise. (P.335) Compbell Jahnson Mission with Mount Batten.

> ترجمہ:۔ ''مسٹر جناح کے کہنے پر ایکٹ میں گنجائش پیدا کی گئی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں ڈومینیوں کے گورنر جنرل بن سکیں اور کچھ عرصہ کے لئے یوں لگا کہ یہ قابل قبول بھی ہوگا مگر آخری لمحے مسٹر جناح نے اس کے برعکس فیصلہ کیا۔''

(335 مشن ووِدھ ماؤنٹ بیٹن از کیمپبیل جانسن)

اور یہی اطلاع اس نے حکومت برطانیہ کو بھی دی تھی۔ پھر جب فیصلے کا وقت آیا اور ماؤنٹ بیٹن نے جناح صاحب کو ان کے فیصلے کے متعلق بتایا تو جناح صاحب بات کو اس بہانے طول دیتے رہے کہ ساتھیوں سے مشورہ کرنا ہے۔ کیمپبیل جانسن لکھتے ہیں کہ جناح صاحب کے سب ساتھیوں نے یہ تجویز پیش کی۔ گو پاکستان کو بہت مسائل کا سامنا ہے صوبوں کی تقسیم کا مسئلہ ہندوستان کے ساتھ فوج۔ ساز وسامان، اثاثے اور اس کے ساتھ ہی نقد رقوم وغیرہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ پاکستان کا مفاد اس میں ہے کہ اس عبوری وقت کے لئے یہی ثالث ماؤنٹ بیٹن گورنر رہ جاتے۔ کیمپبیل کہتا ہے کہ جناح صاحب ہفتوں اس فیصلے کو لئے بیٹھا رہا اور آخرکار اس نے فیصلہ سنا دیا اور جناح صاحب کا فیصلہ جناح صاحب کے حق میں تھا کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل رہیں گے:

He has at long last" come clean" Jinnah's (P.127) Campbell Jahnson

(P. 127 Campbell Johnson)

ترجمہ:۔"وہ بالآخر صاف نکلا ہے اور جناح کا فیصلہ جناح کے حق مین جاتا ہے۔

(صفحہ 127 کمپبل جانسن)

اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ مجھے جب جناح صاحب کے فیصلے کا علم ہوا تو میں نے اسے سمجھایا کہ تمہارے اس فیصلے میں کس قدر مشکلات اور نقصانات ہیں۔تمہاری نئی مملکت کے لئے لیکن جناح نے یہ سب کچھ سننے کے بعد ایسا جواب دیا جس سے ماؤنٹ بیٹن خاموش ہو گیا۔ جناح صاحب نے کہا کہ مشترکہ گورنر جنرل نہ بنانے میں جتنی مشکلات، پیچیدگیاں اور نقصانات ہیں۔ان کا مجھے علم ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ جب پاکستان قائم ہو تو اس مملکت میں میرے مناسب کونسا منصب یا مقام ہو گا کہ میں اسے قبول کرلوں تو جناح صاحب نے کہا کہ میری نظر میں میری حیثیت کے مطابق یہی ایک مناسب منصب ہے۔ "گورنر جنرل" جسے میں 15 اگست کو قبول کرلوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے جواب میں کہا کہ گورنر جنرل کا منصب تو صرف ایک آئینی سربراہ کا ہوتا ہے۔تمام اختیارات تو وزیراعظم کے پاس ہوں گے تو اگر جناح صاحب کی دلچسپی اختیارات میں ہے تو پھر تو چاہئے کہ وہ وزیراعظم کا عہدہ قبول کرلے۔اس کے جواب میں جناح صاحب نے کہا کہ وہاں میرا اختیار ہو گا۔ میں ہی حکم دوں گا اور باقی مانیں گے:

Jinnah solemnly assured me that he realised all the dis advantages of giving up the common Governar---but he was unable to accept any position other than the Governar General of Pakistan on 15th Aug.

I ask him "Do you realise what this will cost? He said sadly. It may cost me sevral crores of rupees in assets, to which I replied some what acidly,"It may will cost you the whole of your assets and the future of Pakistan.

His (Jinnah) answer was significant. He said "In may position it is I who will give the advise and others who will act on. them.

(P.331) Hodson.The great Divide

ترجمہ: ''جناح نے مجھے سنجیدگی سے یقین دلایا کہ مشترکہ گورنر جنرل نہ ہونے کے تمام نقصانات کا اسے اندازہ ہے مگر وہ 15 اگست کو پاکستان کے گورنر جنرل کے علاوہ کسی حیثیت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس کی کتنی قیمت دینی پڑے گی۔ انہوں نے افسردگی سے جواب دیا۔'' شاید مجھے اس کے باعث کئی کروڑ روپوں کے اثاثوں سے محروم ہونا پڑے''، جس پر میں نے کہا ''اس کے باعث تمہیں اپنے تمام اثاثوں اور پاکستان کا مستقبل قیمت ادا کرنا پڑے گا'' (صفحہ 133 ہڈسن)

کچھ عجیب مکالمہ تھا انگریز نے جناح صاحب سے پوچھا کہ اگر مشترکہ گورنر جنرل نہ ہو تو کچھ نقصان کا اندازہ لگایا ہے۔ جناح صاحب کہتا ہے چند کروڑ روپے ہی ہوں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے۔ میں نے کہا کہ تمہارا تمام اثاثہ چلا جائیگا اور پاکستان کے مستقبل کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ تو جناح صاحب کا یہ فیصلہ ان حالات میں ہر ایک کو اور انگریز کو تو بہت ہی انوکھا معلوم ہوتا تھا کیونکہ حقیقت میں یہ ضرورت پاکستان کو تھی کہ وہ اپنے اثاثوں، دولت اور ہر ایک چیز کا یہ مسئلہ کسی ثالث کے حوالے کر دے بلکہ ایک ذمہ دار انگریز کے حوالے کر دے اور لازمی بات ہے کہ جناح صاحب کے اس فیصلے کے بعد انگریز اپنی اس مایوسی اور غصے کو نہ چھپا سکا۔ بلکہ بہت تلخ اور سخت لہجے میں جناح صاحب پر تنقید شروع کی اور خصوصیت سے ماؤنٹ بیٹن تو دونوں طرف سے گھر چکا تھا۔ اس نے تو برطانوی حکومت کو بھی یہ تجویز دے رکھی تھی کہ جناح صاحب کا فیصلہ مشترکہ گورنر جنرل کا ہے اور خود بھی یہ تاثر لیا تھا تو یہ اسے ایک طرح سے اپنی ذاتی بے عزتی نظر آرہی تھی۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے جب جناح صاحب کو مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز پیش کی تو پوری دنیا کی طرح اسے بھی یہ مکمل یقین تھا کہ ہندوستان کے کانگریس رہنما کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ آزاد ہندوستان کا پہلا سربراہ ان کا مدتوں کا دشمن انگریز ہو تو جناح صاحب کی اپنی سوچ یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور حکومت برطانیہ پر یہ احسان بھی رہ جائے گا اور جب ہندوستان مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز منظور کرے گا تو میں الزام ہندوستان کو دوں گا اور اسی طرح میرے لئے بھی راستہ کھل جائے گا چونکہ ہندوستان یہ تجویز نہیں مانتا تو میں بھی مجبور ہوں کہ اپنی تجویز واپس لے لوں۔

انگریز کیا پوری دنیا جب کانگریس اور مسلم لیگ کا موازنہ کرتے تو اس بات سے حیرت ہوتی اور ایک طرف کانگریس کی یہ تنظیم ہے جو سالہا سال تک انگریز سامراج کے ملک کی آزادی کے کھل کر جنگ لڑتی

رہی ہے۔انگریزوں کی جیلوں میں رہے۔ملک بدری کا عذاب سہاہزاروں وطن پرست قربان ہوئے۔اس کے نتیجے میں بات فوری طور پر نفرت اور حقارت تک پہنچ چکی ہوگی لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود کانگریس کے رہنماؤں میں اتنا حوصلہ، ذہنی توازن اور فراخدلی تھی کہ جب بات ملکی اور قومی سودوزیاں کی آئی تو ہندوستان کی خاطر اور ملک کے مستقبل کی خاطر انہوں نے اپنے دشمن انگریز کے ساتھ اپنی تمام زندگی کی دشمنی کو پس پشت ڈالا اور ایک بہت ہی اونچے مقام اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ برطانیہ پر اس کا بہت ہی اچھا اثر ڈالا اور اسی طرح ہندوستان کے اپنے مستقبل کے مفادات کے تحفظ کے لئے بہت ہی ساز گار فضا ملی۔

اس کے مقابلے میں مسلم لیگ کا کردار یہ تھا کہ وہ نہ تو وطن کی آزادی کے لئے لڑتے تھے۔نہ انگریز کا مقابلہ کیا تھا نہ ہی اس کے خلاف تحریک چلائی تھی۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اگر انگریز نہ ہوتا تو نہ یہ پاکستان ہوتا اور نہ ہی یہ ریاست اور حکمرانی ملتی۔انگریز کو تو یہاں دلی اور وہاں لندن میں مسلم لیگ اور جناح صاحب کی حیثیت کا بخوبی اندازہ تھا۔یہ تو انگریز ہی تھا کہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ان سب کو مسلم لیگ میں جمع کر دیا۔اور اسی طرح جناح صاحب کی بغلوں کے نیچے بھی انہوں نے اپنی بیساکھیاں دے رکھی تھیں تا کہ کانگریس کی ہم سری کر سکے۔تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر وہ پاکستان کے سودوزیاں کو بھی نہ دیکھتے تو کم از کم اپنے اس محسن انگریز کے ساتھ تو اتنی مروت برتتے تا کہ زندگی بھر کے ساتھی اور تعاون کی قدر کرتے ہوئے اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کر دیتے۔لیکن اس فیصلے سے تو مسلم لیگ اور جناح صاحب دونوں نے پاکستان کو نقصان پہنچایا۔اور میرے خیال میں اسی فیصلے کے بعد شاید انگریز اپنی کی ہوئی نیکی پر پشیمان ہوا ہو۔اگر چہ یہ بات واضح تھی کہ انگریز جو کچھ کرتا رہا۔ جناح صاحب یا مسلم لیگ کے لئے نہیں۔ بلکہ اس سے اس کی سامراجی نوآبادیاتی مفادات وابستہ تھے لیکن پھر بھی جناح صاحب کے اس فیصلے کے بعد انگریز کا مسلم لیگ کے ساتھ تعلق کا وہ مزا نہ رہا۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا دلچسپ رخ اس مسئلے کا تھا (Freedon at Mid Night) کے مصنفین نے بیان کیا ہے۔انہوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ جناح صاحب مدت سے T.B کے مریض تھے ڈاکٹروں اور ماہرین نے اس بیماری کا اس کو بتا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم زیادہ سے زیادہ دو یا تین سال اور زندہ رہو گے۔تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس لئے اسے یہ ڈر ہو کہ یہ عبوری دور ختم ہونے تک شاید وہ زندہ بھی نہ رہ سکے۔البتہ جناح صاحب طبعاً بھی جاہ پرست ایسا واقع ہوا تھا کہ اس کی تسلی اونچی سے اونچی سیڑھی کے بغیر نہیں ہوتی تھی اور وہ یہ کب برداشت کر سکتا تھا کہ وہ ماؤنٹ بیٹن سے کمتر مقام پر بیٹھے۔

فرقہ وارانہ نفرت کی آگ

اگر ایک طرف دلی میں بیٹھے ہوئے رہنما محلوں میں بیٹھ کر اقتدار کی بانٹ میں مصروف تھے تو دوسری طرف پورا ملک آگ کی لپیٹ میں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو اور سکھ مقابلتاً صاحب جائیداد، تجارت پیشہ، دولت مند، بنگلوں، کوٹھیوں، تجارتی اداروں اور کارخانوں کے مالک تھے۔ تو جب ان پر سرحد میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً فرقہ وارانہ فسادات کے ساتھ قتل وغارت گری تک نوبت پہنچی اور یہ کوشش بھی شروع ہوئی کہ انہیں اپنی سرزمین سے بھگایا جائے تاکہ یہ بنگلے اور دولت رہ جائیں تو جب یہ سکھ گئے تو وہی کھیل انہوں نے مشرقی پنجاب اور پھر دلی میں شروع کر دیا اور اسی طرح ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ وہ مار دھاڑ لوٹ کھسوٹ، گھیراؤ جلاؤ کے ساتھ ساتھ عورتوں کے اغوا کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور ایک اندازے کے مطابق صرف پنجاب سے 30000 اور 40000 کے درمیان عورتوں کو اغوا کیا جا چکا تھا۔ یہ آخری تحفہ تھا جو انگریزوں نے جاتے جاتے ہندوستانیوں کو دیا تھا۔ وہ ہندوستانی جنہوں نے 200 سال تک انگریز بچوں کے لئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھا۔ جنہوں نے اپنے جوان بیٹے۔ تاج وتخت برطانیہ کے تحفظ کے لئے اور اس کی وسعت کے لئے قربان کئے تھے۔ جو دنیا کے ہر کونے میں انگریز کے دشمن سے برسر پیکار تھے۔ یہاں تک کہ کافر انگریز کے لئے اگر خانہ کعبہ پر بھی حملہ کرنے اور گولی چلانے کی ضرورت پڑی تو اس ہندوستانی نے منہ نہیں موڑا۔

لیکن آج انگریز کی اس فرقہ وارانہ پالیسی کے نتیجے میں یہ مظلوم اور بے بس قوم اس قدر اندھی اور بہری ہو چکی ہے کہ وہ دشمن انگریز اپنا دوست بن گیا اور وہ اپنا صدیوں کا بھائی۔ عزیز ہمسایہ دشمن بن گیا۔ اور پھر سب سے زیادہ حیرت تو مسلم لیگ کی پالیسی ہے۔ اس بات کی تو انسان کو سمجھ آ جاتی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ہندو اور سکھ جائے تاکہ ایک طرف تم پنجاب پر بلا شرکت غیرے حکومت کر سکو۔ دوسری طرف ان چھوڑی ہوئی جائیدادوں اور دولتوں کو لوٹ سکو لیکن اس کی مطلق سمجھ نہیں آتی۔ جیسا کہ مری میں ایک مسلم لیگی نے کئی ساتھی اکٹھے کئے اور ایک ہی رات میں ہندوؤں اور سکھوں کے تقریباً 120 مکانات اور بنگلے لوٹ مار کرنے کے بعد جلا ڈالے۔ یہ بنگلے تو ہندو اور سکھ چھوڑ گئے تھے۔ پاکستان کی دولت تھے۔ تو یہ تعصب میں ایسے

اندھے ہو گئے کہ یہ پاکستان کو جلانے لگے۔ مگر اس وقت فرقہ وارانہ نفرت اور حقارت کا ایک ایسا جنون لوگوں کے سروں پر سوار تھا کہ نہ کوئی آگے دیکھ رہا تھا نہ پیچھے۔ بس ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے رہے۔

اگر دیکھا جائے تو بے شک کچھ لوگ اپنے لئے بادشاہت کی تلاش میں تھے اور کچھ وزارت کے۔ کچھ حکومت کے تھے اور کوئی جائیداد بنا رہا تھا لیکن جس نے بھی یہ کھیل شروع کیا تھا اور جس غرض اور مقصد کے لئے شروع کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے عام آدمی کے لئے تو نتیجہ کھل کر میدان میں سامنے آ گیا تھا۔ ان کے گھر لٹ رہے تھے۔ جوان خاک اور خون میں تڑپ رہے تھے اور بچے خون میں نہا رہے تھے۔ گھر جل رہے تھے، عورتوں کی عصمتیں لٹ رہی تھیں اور ان لٹے ہوئے تباہ حال مظلوموں کے قافلے ہر چیز سے محروم ہو کر جا رہے تھے۔ پنجاب کی سرکاری تقسیم کے اعلان سے قبل ہی تقسیم کی ذمہ داری لوگوں نے لے رکھی تھی۔ ہم تاریخ میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ اپنی بادشاہت چھوڑ کر دوسری سلطنت میں بھاگ گیا ہے اور اپنا وطن چھوڑ دیا ہے لیکن اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ رعیت بھاگ رہی تھی اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور تھی۔ ملک کی آزادی کا یہ پہلا پھل قوم کی جھولی میں آن گرا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ اتنا بے پناہ نقصان اور یہ اتنا بے حساب خون بہا کیوں۔ وطن کی آزادی کا اعلان ہو چکا تھا۔ ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا اعلان بھی ہو چکا تھا تو پھر یہ اتنی دیوانگی کس بات کے لئے تھی اور اسی طرح دوسرے سے محبت کے رشتوں کو نفرت میں بدلنے کی ضرورت کون سے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تھی۔ (Road to Pakistan) میں اس سال بھی گزشتہ برسوں کی طرح گرمی گزارنے کے لئے کشمیر گیا ہوا تھا۔ ان دنوں شیخ عبداللہ کشمیری مہاراجہ کی حکومت کے ساتھ اختلافات کی بناء پر جیل میں تھا۔ کانگریس کے رہنماؤں کی کوشش یہ تھی کہ ایسے نازک اور اہم وقت میں شیخ عبداللہ کو جیل سے نکالا جائے۔ ہم وہاں تھے کہ ضلع ہزارہ کے ہزاروں ہندو اور سکھ فسادات کے نتیجے میں کشمیر پہنچ گئے ان دنوں گاندھی جی بھی کشمیر آئے ہوئے تھے تا کہ کوشش کریں کہ شیخ عبداللہ کو مہاراجہ کی جیل سے رہا کرے۔ میں تقریباً روزانہ گاندھی جی کے پاس جایا کرتا تھا اور کچھ وقت ان کے پاس گزارتا تھا۔ میں نے جب دیکھا تو گاندھی جی کی طبیعت میں وہ شوخی نہ تھی۔ وہ ہنسی مذاق اور وہ گپ شپ کا موڈ نہ تھا۔ ایک دن میں نے گاندھی جی سے پوچھا کہ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ تمہارے اندر کا وہ دیا ماند پڑ چکا ہے۔ وہ ہنسی خوشی نہیں۔ انگریز جا رہا ہے اور آپ لوگوں کی سیاسی جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں ہندوستان آزاد ہو رہا ہے اور آپ لوگ دنیا کی تاریخ میں ان رہنماؤں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کی جدوجہد کا نتیجہ جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھا تو یہ کتنی خوشی اور حوصلہ افزائی کی بات ہے پھر میں نے ہنس کر کہا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ میں 125 سال تک زندہ

رہوں گا۔ تو اچھا ہے اب یہ آزاد قوم آپ کے تجربے اور رہنمائی سے اور بھی استفادہ کر سکے گی۔

گاندھی جی کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر عمر اور ہر مزاج کے آدمی کے ساتھ اس کی طبیعت اور عمر کے تقاضوں کے مطابق بات کرتے تھے۔ میں نے جب گاندھی جی کو دیکھا تو بہت ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ کہا میری اب تک یہ خواہش تھی کہ میں 125 سال تک زندہ رہوں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ میری زندگی کا مقصد صرف ہندوستان کی آزادی نہ تھا بلکہ اس آزادی کے ساتھ ساتھ ان تمام خرابیوں اور گندگیوں کو دور کرنا تھا جو انگریز کے ان دوصد سالہ دورحکومت نے ان لوگوں میں پیدا کر دی تھیں اور خصوصیت سے انگریز نے جو ہمارے بھائی چارے کو فرقہ وارانہ سیاست کے ذریعے دشمنی میں بدل دیا تھا۔ اسے بدل ڈالیں گے اور ہم بھائیوں کی طرح، محبت، اخوت اور بھائی چارے کی فضا میں اس ملک کی آبادی کے لئے کمر کس لیں گے۔ تاکہ یہاں سے غربت کا خاتمہ ہو۔ اور آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے بچوں کو وہ سب نعمتیں دے سکیں جس سے جابر انگریز نے انہیں محروم کر دیا تھا اور اسی طرح ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم کے درمیان اچھے تعلقات کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا اور چونکہ وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ تو میرے لئے یہ آزادی ادھوری ہے۔ آج جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے گھر الگ ہوئے اور آج جب اس جدائی نے مکمل فراق کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تو میں اس کو اپنی سیاسی اور روحانی شکست سمجھتا ہوں۔ اب اور زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہی۔ پھر میری طرف منہ کر کے کہا میرے لئے وہ کونسی خوشی اور آزادی کا دن تھا کہ جب اس دن تمہارے والد باچا خان کو دلی کے سٹیشن پر خدا حافظ کہہ رہا تھا تو ہم راستے کے ساتھی۔ سفر کے دوست مورچے کے ساتھی۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اسی طرح ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے کہ شاید پھر اس زندگی میں ایک دوسرے سے ملنے کی گنجائش نہیں۔ اب تم کہو یہ آزادی میرے لئے کیا خوشی لے کر آئی۔ پھر گاندھی جی نے کہا۔ اب پورے ہندوستان کا حال دیکھو۔ سری نگر کے تمام میدان اور بازار ہندوؤں اور سکھوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جو سرحد سے ادھر بھاگ کر آئے ہیں۔ وہاں جا کر بنگال کو دیکھو۔ بہار پر نظر ڈالو۔ دلی کو دیکھو۔ مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر پنجاب کی حالت دیکھنے والی ہے۔ ایک طرف سے مسلمانوں کے قافلے ادھر کی طرف جا رہے ہیں دوسری طرف سے ہندوؤں اور سکھوں کے قافلے ہیں لیکن ان قافلوں کو بھی کوئی نہیں چھوڑ رہا اور انسانوں میں یہ حیوانیت اس قدر غالب آ چکی ہے ہر ایک قافلے پر باقاعدہ اور منظم حملے ہوتے ہیں۔ ایک قتل عام ہے۔ مرد، عورت، جوان، بوڑھے، بچے کسی کی تمیز نہیں۔ تو یہ آزادی ہم اس لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تو پھر گاندھی جی نے مجھ سے سوال کیا کہ اب تم خود فیصلہ کرو کہ جب میں ہندو اور مسلمان کے درمیان اس نفرت اور حقارت کو ختم نہیں کر سکتا اور خدا کے مذہب کے

نام پر اس کی مخلوق میں پیار، محبت، خلوص اور بھائی چارے کا جذبہ نہیں پیدا کر سکتا تو پھر زندگی کا مقصد کیا۔ میں تو خود پھر اس زندگی سے موت پر خوش ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور ان پر اپنی اغراض کے دبیز پردے نہ پڑے ہوں وہ معاملات کو دوسری طرح سوچتے ہیں۔ فرض کریں یہ تقسیم قطعی مجبوری تھی تو پھر تو چاہیئے تھا کہ ہوش مند، عاقل اور ذمہ دار انسانوں کی طرح تقسیم کرنے بیٹھتے اور آرام سے اپنے گھر کی تقسیم کر لیتے۔ دنیا میں ایسے ممالک تھے جو ایک تھے اور پھر الگ ہو گئے۔ مثال کے طور پر سویڈن اور ناروے کو لیتے ہیں۔ یہ ایک ملک تھا۔ مشترکہ گھر تھا۔ پھر فیصلہ ہوا الگ ہونا ہے بیٹھ کر گھر کے درمیان حد کھینچ لی۔ لیکن نہ ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، نہ ہی ایک دوسرے کو مار ڈالا۔ بلکہ بالغ شریف ہمسایوں کی طرح اب ہمسایہ کا حق ادا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ لیکن یہاں تو ایک جنون تھا۔ پشاور میں کسی نے ہندو کو مار ڈالا۔ ان کے مسلمان رشتہ دار پاکستان کے مقرر کردہ علاقوں میں آئے۔ یہاں بے گناہ ہندوؤں کو مار ڈالا اور ایسے ہی یہاں اگر کوئی سکھ کی جائیداد پر زبردستی قابض ہوا اور اسے مار بھگایا وہ اسکے بدلے ہندوستان میں ایک مال دار مسلمان سے سب کچھ چھین لیتا ہے اور اسے یہاں بھگا دیتا ہے۔ یہ سلسلہ لامتناہی تھا۔ ایک آگ سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا بھڑکتا ہے اور سب سے افسوس ناک بات یہ تھی کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوتا تھا۔ اللہ کے رحیم اور رحمان نام پر ایک دوسرے کا خون بہایا جاتا رہا۔

کسی شاعر نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

یوں گلستان میں آئی فصل بہار
ہم صفیروں کا ساتھ چھوٹ گیا
میں نے پوچھا جو زندگی کیا ہے؟
ہاتھ سے گر کے جام ٹوٹ گیا

صوبوں کی تقسیم

میں ایک تاثر مٹانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ مسلم لیگ کے رہنما کہتے ہیں کہ صوبوں کی یہ تقسیم انگریزوں کی پالیسی تھی۔ یہ بالکل غلط ہے، جیسے ذکر آ چکا ہے۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے جب مسلموں اور غیر مسلموں کی آبادی کے تناسب کو دیکھا تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر کہیں یہ حالات اسی طرح رہ جائیں اور یہاں انتخابات ہوں تو بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلم لیگ کی وزارتوں کو مشکلات پیش آئیں گی۔ کیبنٹ مشن منصوبے کے اعداد و شمار نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ گروپ سی یعنی بنگال اور آسام میں تناسب مسلمان 36 اور غیر مسلم 34، یہاں پنجاب میں مسلمان 16، ہندو 8 اور سکھ 4 تھے یعنی 16 مسلمانوں کے مقابلے میں 12 غیر مسلم تھے تو دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی وزارتیں، دو تین ممبروں سے وابستہ تھی۔ چنانچہ اس طرف اشارہ بہت پہلے کیا جا چکا تھا:

> Agha Khan came and talked of the necessity for Pakistan and the impossibility of Hindu and Muslim agreeing, he said Jinnah was willing to concede districts of Bangal and Assam (P.215) Wavell. Transfer of Power volume 1.

> ترجمہ:۔ ”آغا خان آیا اور پاکستان کی ضرورت اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق کے ناممکن ہونے پر بات کرتا رہا اس نے کہا کہ جناح شمال مغرب میں امرتسر، انبالہ وغیرہ اور بنگال اور آسام کے اضلاع چھوڑنے پر راضی تھا۔“

(صفحہ 215۔ ٹرانسفر آف پاور والوم 1 ویول)

اور پھر جب جناح صاحب کو اس کے تقسیم ہند کے مسئلے میں ان مشکلات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی تو وہ پہلے ہی یہ علاج تجویز کر چکا تھا کہ پنجاب سے غیر مسلموں کے کچھ علاقے تو ضرور الگ کرنے پڑیں گے۔ جس کا ذکر ان دستاویزات میں موجود ہے جو کہ برطانوی حکومت نے کتابی شکل میں مختلف جلدوں میں شائع کیا ہے۔

اس بات کا دوسرا واضح ثبوت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی کوشش یہ تھی کہ پنجاب صرف انہی کا ہو۔ اس سلسلے میں ویول اپنی ڈائریوں میں لکھتا ہے کہ سکھوں کے رہنما اور وزیر بلدیو سنگھ نے ویول کو خود کہا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ جناح صاحب کے ساتھ صلح صفائی کی بات کریں۔ لیکن وہ کسی صورت پر بھی کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ سکھوں نے یہ پیش کش کی کہ وہ پاکستان کا مطالبہ بھی مان لیں گے لیکن پھر بھی جناح صاحب نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی:

(Baldev Singh)

Said the Jinnah did not want a settlement he had discussions with him in London, but had got nowhere & Jinnah offered no assurance to the Sikhs even if they supported Pakistan.(P.149)

Wavell, The Viceroy`s Journed.

ترجمہ:۔ ''کہا کہ جناح کچھ طے نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی لندن میں جناح سے بحثیں ہوئیں تھیں مگر حاصل کچھ نہیں ہوا۔ جناح نے سکھوں کو کوئی یقین دہانی نہیں کرائی چاہے وہ پاکستان کی حمایت ہی کیوں نہ کریں۔''

(صفحہ 199 ویول)

اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ مسلم لیگ خود پنجاب کو ایک رکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بلکہ فیصلہ اس بات پر تھا کہ خواہ جتنا بھی چھوٹا اور مختصر پاکستان ہو۔ لیکن اس پر مسلم لیگ کی بادشاہت بلاشرکت غیرے ہو اور اس لئے کوشش یہ تھی کہ پاکستان کے سب صوبوں سے غیر مسلموں کو بھگا دے۔ لیکن کسی کو یہ پروا نہیں تھی کہ دوسری طرف مسلمانوں پر کیا گزرے گی۔ جب یہ لٹے پٹے زخم خوردہ غیر مسلم وہاں ہندوؤں تک پہنچ جائیں گے تو ان کا وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کا رویہ ہوگا۔ جنہیں مسلم لیگ نے اپنی سیاست پر قربان کر دیا ہے اور غیر مسلموں کے صوبوں میں ایسے فرقہ وارانہ جنون، نفرت اور دشمنی کی فضا میں غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اس مختصر پاکستان کے سلسلے میں ایک اور واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بلوچستان کے خان قلات کا کافی عرصہ سے انگریزوں کے ساتھ کوئٹہ اور اس کے گردونواح کے علاقوں کی ملکیت پر مقدمہ چل رہا تھا اور اس کے اس مقدمے کی پیروی وکیل کی حیثیت سے جناح صاحب کر رہے تھے۔ جب تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو خان قلات نے حکومت ہند کے ساتھ یہ مسئلہ اٹھایا کہ قلات کی حیثیت ریاست نیپال کی مانند ہوگی۔ کیونکہ یہ ہندوستان کا حصہ نہیں ہے اور اس نے اس ضمن میں اپنے بزرگوں کے وہ معاہدے ثبوت کے

طور پر پیش کیے جوان کے اور اس وقت کے انگریز حکمرانوں کے مابین ہوئے تھے۔ خان قلات اپنی کتاب "مختصر تاریخ: قوم بلوچ، خوانین بلوچ" میں لکھتا ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک اجلاس ہوا۔ جس میں ایک طرف خان قلات اور اس کا قانونی مشیر سلطان احمد خان موجود تھا۔ دوسری طرف پاکستان کا نامزد گورنر جنرل جناح صاحب اور نامزد وزیر اعظم لیاقت علی خان اور ان کے درمیان موجودہ گورنر جنرل اور وائسرائے ہندو لارڈ ماؤنٹ بیٹن بیٹھ گئے۔ مفصل گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل دو باتوں پر فیصلہ ہوا۔

(1) 15 اگست کو جب انگریز ہندوستان کا اختیار چھوڑ دے گا۔ تو ریاست قلات کی حیثیت واپس اس جگہ پہنچ جائے گی۔ جب 1838 کو خان قلات اور انگریز حاکم کے مابین عہد نامہ ہوا تھا۔

(2) دوسری بات یہ کہ اگر خان قلات اور حکومت پاکستان کے درمیان الحاق کے لئے کوئی افہام و تفہیم نہ ہوئی تو پھر ریاست قلات کو یہ حق ہے کہ وہ افغانستان کے ساتھ اپنا الحاق کرے۔

(مختصر تاریخ بلوچ اور خواتین بلوچ، خان قلات)

اس معاہدے پر خان قلات اور ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ جناح صاحب کے بھی دستخط موجود ہیں۔ مسلم لیگ کے ان رہنماؤں کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ سہروردی کے ساتھ متحدہ بنگال کی مکمل آزادی کی تجویز منظور کرتے ہیں کہ پاکستان میں نہ ہو۔ بنگال اور پنجاب مکمل طور پر تقسیم کرتے ہیں۔ آسام کا ایک ضلع لے کر باقی چھوڑ دیتے ہیں۔ ادھر خان قلات کو حق دیتے ہیں کہ وہ افغانستان کے ساتھ اپنا الحاق کرے ان سب باتوں کا مطلب تو صاف ظاہر ہے جیسے لیاقت علی خان نے کہا کہ جناب والا اگر ہمیں صرف سندھ کے صحرا دے دیں، تو بھی ہمیں قبول ہے۔

ہم اپنے صوبے میں مسلم لیگ سے کہتے تھے اور اعتراض کرتے تھے کہ یہ تقسیم ہند نہیں بلکہ تقسیم مسلمان ہے جب کہ کروڑوں مسلمان ہاتھ پیر بندھے تو لوگ وہاں چھوڑ دو گے۔ یہ سب سیاسی لیڈر اور سب مسلمان سرکاری افسر یہاں آ جائیں گے تو وہ بیچارے کیا کریں گے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہاں جو ہندو ہمارے پاس رہ جائیں گے تو ان کی حیثیت ایک طرح کی یرغمال کی ہو گی۔ وہاں ہندوستان میں اگر ہندو ہمارے مسلمان بھائیوں پر زیادتی کریں گے تو ہم ان ہندوؤں کو دبائیں گے۔ تو اس طریقے سے ہندو یہ جرات نہیں کر سکیں گے تو اب کہ تو تم نے اس یرغمال کو بھگا دیا ہے۔ اب ان بے کس مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کو تم نے اپنے ہاتھوں رخصت کر دیا ہے تو اب دباؤ کس پہ ڈالو گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت نہ کسی کو اسلام سے ہمدردی تھی اور نہ ہی مسلمان سے۔ ہندوستان میں باقی رہ جانے والے مسلمان کس کے تھے۔ یہاں ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں، جائیداد، بنگلوں،

دکانوں، کارخانوں اور تجارت پر لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ کسی کی نظر ان کی چھوڑی ہوئی سرکاری نوکریوں پر تھی۔ حالانکہ حق تو سب سے پہلے ان مسلمان مہاجروں کا بنتا تھا۔ جو ہندوستان سے لٹ پٹ کر آئے تھے۔ جن کی جائیدادیں حقیقتاً وہاں رہ گئی تھیں۔ اور یا پھر یہ جائیدادیں حکومت پاکستان کی تھیں۔ یعنی حکومت اور ملک کی ملکیت تھی۔ چاہیے تھا اسے پوری قوم کے فائدے کے لئے استعمال کیا جاتا اور جب سوال قوم کے مفاد کا پیدا ہوتا ہے تو حکومت وقت پر فرض ہے کہ وہ یہ بات تسلیم کرلے کہ اس قومی اور ملکی تقسیم میں سب سے زیادہ حق صرف اور صرف ان بہادروں کا بنتا ہے جنہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر جابر انگریز کے خلاف زندگی بھر قربانیاں دیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور خصوصیت سے وہ گھرانے اس کے مستحق ہیں جن کے بزرگ جیلوں میں گئے اور پیچھے رہنے والے بچے ایک ٹکڑا روٹی کے لئے محتاج ہو گئے۔ وہ گھرانے بے تعلیم اور بچے بے تربیت رہ گئے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ حق ان نوجوانوں کے وارثوں کا ہے جنہوں نے وطن کی جنگ آزادی میں سروں کی قربانیاں دیں جنہوں نے اپنی اور اپنے گھرانے کی خوشیوں کو قوم پر وار دیا۔ حق ان عورتوں کا ہے جنہوں نے اپنے بچوں کو قوم کے بچوں پر نچھاور کیا تاکہ ان کے لئے آزادی، عزت اور غیرت حاصل کر سکیں۔ یہ ان مجاہدوں۔ ان غازیوں، ان شہیدوں، ان مردوں اور انہی عورتوں کا وطن پر ایک ادھار تھا۔ چاہیے تھا کہ مشکور اور ممنون قوم۔ ان جیالوں، بہادروں۔ ان سرفروشوں کا یہ قرض چکا دیتی۔ لیکن یہاں تو جنگ انگریز جیتا اور قوم ہار چکی۔ انگریز کو خدائی خدمتگار پر اس لئے غصہ تھا کہ پورے ہندوستان میں سوائے دیوبند کے علماء دین کے مسلمانوں میں صرف پشتون قوم نے من حیث القوم انگریز کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کی سزا ہی تو ملی تھی کہ یہاں وہی انگریز کے خطاب یافتہ سر، نواب خان، بہادر اور خصوصیت سے خوشامدی جاگیرداروں کو تخت پر بٹھایا گیا تاکہ وہ صرف اپنے ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے انگریز کی اس پالیسی کو کامیاب بنائیں جو وہ اس خطے کے لئے بنا چکا تھا۔ ان جاگیرداروں، سروں، اور نوابوں کو اس وقت یہ ارمان بھی تھا کہ پوری قوم ان کی محتاج ہو۔ خدائی خدمتگاروں نے غریب اور نادار انسانوں میں جو عزت نفس خودداری اور اپنا حق مانگنے اور حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا وہ نہ انگریزوں کے مفاد میں تھا اور نہ ہی اس کے ہم نواؤں، سروں، نوابوں اور جاگیرداروں کے۔

مسلم لیگ اور ریاستیں

ہندوستان میں ریاستی حکمرانوں کے تحت علاقے رقبے کے لحاظ سے 1/5 تھا اوران ریاستوں کی آبادی پورے ہندوستان کے 2/5 تھی۔یعنی 40 کروڑ کی آبادی میں 16 کروڑ ریاستی انتظام کے تحت تھے۔یہ چھوٹی بڑی تقریباً چھ سو ریاستیں تھیں۔ان ریاستوں کے مستقبل کے متعلق بھی کانگریس اور مسلم لیگ کی پالیسیوں میں اختلاف اور تضاد تھا۔کانگریس نے اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا تھا کہ ہر ایک ریاست کے الحاق کا فیصلہ ریاست کے رہنے والے عوام کریں گے لیکن دوسری طرف مسلم لیگ کا کہنا تھا کہ نہیں یہ اختیار ریاستوں کے حکمرانوں کو دیا جائے کہ جس کے ساتھ۔اس والئے ریاست کی مرضی ہو اس مملکت کے ساتھ الحاق کرے۔

اگر ہندوستان کے نقشے کو دیکھا جائے اور ان ریاستوں کی گنتی کو دیکھا جائے۔تو یہ پورا ہندوستان ان راجواڑوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ بڑے بڑے علاقے ان شہزادوں، نوابوں، راجوں، مہاراجوں کی حکمرانی میں تھے اور اس وسیع وعریض مملکت میں ایسی ریاستیں بھی تھیں۔ جیسے حیدرآباد کی ریاست اس کا علاقہ ایک پوری مملکت کے برابر تھا۔یعنی اٹلی کے برابر اور آبادی کچھ کم دو کروڑ تھی۔

مسلم لیگ کی نظر میں مسلمانوں کی ایسی ریاستیں تھیں۔مثلاً حیدرآباد دکن بھوپال اور راجپور کاٹھیاواڑ کی ریاستیں، جونا گڑھ، منادر وغیرہ غیر مسلم اکثریت کی ریاستیں تھیں لیکن ان کے نواب مسلمان تھے۔ان ریاستوں کے ساتھ اگرچہ پاکستان کی سرحدیں ملحق نہ تھیں بلکہ سرحدیں پاکستان سے دور تھیں لیکن فاصلے اتنے بھی نہ تھے جتنے کراچی اور ڈھاکہ کے درمیان اس لئے مسلم لیگ کی منطق کے بناء پر تو ان کا الحاق پاکستان سے ہو سکتا تھا۔مسلم لیگ کی دوسری بات پر تو کوئی اعتراض کر ہی نہیں سکتا تھا کہ ریاست کی قسمت کا فیصلہ حاکم کے ہاتھ میں ہو۔قوم سے پوچھنے کی ضرورت وہ محسوس نہیں کر رہے تھے، آخر مسلم لیگ نے پہلے کب ہندوستان کے عوام کا حق انگریز سے مانگا تھا کہ اب ایک مسلمان نواب سے ہندو رعیت کے لئے مانگے گا۔ بلکہ وہ تو الٹا انگریز یہ بات واضح کرنا چاہتا تھا کہ مسلمان یہ نہیں چاہتا کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلا جائے۔لارڈ ویول وائسرائے ہند لکھتا ہے کہ خود لیاقت علی خاں نے کہا انگریزوں کو چاہئے کہ چند سال یہاں رہ جائیں اور کم از کم مسلمان یہ نہیں کہتے کہ انگریز ہندوستان چھوڑ دے۔وغیرہ:

He (Liaqat Ali Khan) said that in any event we (British) should have to stay for many year yet & that the Muslim were not at all anxious that we should go--- (P.207) Wavell. The Viceroy Journel.

ترجمہ:۔ ’’اس (لیاقت علی خان) نے کہا کہ بہر صورت ہمیں (برطانیہ کو) ابھی کئی سال اور رہنا چاہئے اور یہ کہ مسلمان اس بارے میں پریشان نہیں تھے کہ ہمیں جانا چاہئے۔‘‘

(صفحہ 207 ویول)

مسلم لیگ میں اکثریت ایسے انگریز پرست لوگوں کی تھی جو قوم کے خلاف انگریز کا ساتھ کھل کر دے رہے تھے۔ انہیں قوم سے کیا سروکار اور قوم کے لئے نمائندگی کا حق حاصل کرنے سے انہیں کیا واسطہ۔ تماشہ تو یہ تھا کہ ریاستوں کے الحاق کے اس فیصلے کو بھی اسلام کا رنگ چڑھا دیا۔ اس طرف خیال ہی نہیں کیا کہ جب ہم والیان ریاست کے اس اختیار کو تسلیم کرلیں گے کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ والی کرے گا تو کشمیر کا کیا بنے گا۔ کیونکہ وہاں کا مہاراجہ تو ہندو تھا اور رعیت کی اکثریت مسلمان تو کیا دو پیمانے ہوں گے؟ کہ حیدرآباد (دکن، بھوپال، راجپور کے لئے ایک پیمانہ) اور کشمیر کے لئے دوسرا۔

لیکن کشمیر کے ضمن میں ہندوستان کو ایک اور مشکل درپیش تھی کہ اس کی سرحد ہندوستان سے نہیں ملتی تھی۔ یہ مسئلہ بھی مسلم لیگ نے حل کر دیا جب پنجاب کی تقسیم پر راضی ہو گئے اور باؤنڈری کمیشن (سرحدات کی کمیشن) کی رپورٹ آئی اور اس میں گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو دے دیا۔* تو اسی طرح ہندوستان کی سرحد کشمیر سے مل گئی اور چونکہ دونوں جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ نے یہ پابندی قبول کر لی تھی کہ اس کمیشن کا فیصلہ آخری ہو گا اور اسے دونوں فریق قبول کر لیں گے تو پھر مسلم لیگ یا پاکستان کے حکمرانوں کو یہ حق نہ تھا کہ گورداسپور کے ضلع پر کچھ اعتراض کریں اور پھر جب یہ ہندو مہاراجہ اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرے گا تو اور جو کوئی اعتراض کرنا چاہئے کر سکتا ہے۔ لیکن مسلم لیگ کسی اعتراض کی مستحق نہیں۔ مسلم لیگ نے ریاستوں کے متعلق یہ اعلان کیا ہے کہ ریاست کا الحاق ریاست کا حکمران کرے گا۔ تو اسی طرح مسلم لیگ نے خود کشمیر کی قسمت کے فیصلے کی راہ ہموار کر دی اور یہ ریاست مفت میں ہندوستان کو تحفتاً پیش کر دی۔

یہ ایک اور حصہ مسلمانوں کی اکثریت کا تھا جو تقسیم مسلمان کے سلسلے میں ہاتھوں سے جاتا رہا۔

---

* گورداس پور کو فیروز پور کے بدلے میں جہاں نواب فیروز الدین ممدوٹ کی جاگیر تھی کے بدلے میں ہندوستان میں شامل کیا گیا تھا لیکن بدقسمتی سے نہ فیروز پور زیرہ کی جاگیر ملی اور نہ گورداس پور باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ میں گورداس پور پاکستان میں شامل تھا لیکن مسلم لیگ ہائی کمان کی ناعاقبت اندیشی اور نواب ممدوٹ کی ضد کی وجہ سے یہ معاملہ پیش آیا۔

فرقہ وارانہ سیاست اور مسلم لیگ کا نظریہ

مسلم لیگ ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حقوق کا محافظ سمجھ رہی تھی۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی تکالیف مصائب اور محرومیوں کا علاج یہ تجویز کیا تھا کہ ایک مملکت بن جائے جو مسلم ملک نہیں بلکہ اسلامی ملک ہوگا۔ چاہیے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان فرق کیا جائے مسلم ممالک تو آج بیسیوں ہیں۔ یعنی ایسے ممالک جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو، لیکن اسلامی وہی ہوگا جہاں اسلامی نظام حکومت رائج ہوگا۔ فرق صاف ظاہر ہے۔ آج اگر دنیا میں ہم مسلمان ممالک پر نظر ڈالیں تو تقریباً ہر ایک ملک میں مختلف نظام رائج ہیں۔ کہیں شہنشاہ تو کہیں بادشاہ۔ کہیں حکمران، کہیں پر ڈکٹیٹر، کہیں پر صدر کا اقتدار تو کہیں پارلیمانی طرز حکومت، مسلم لیگ نے دعویٰ کیا کہ ہم نے پاکستان اس لئے بنانا چاہتے ہیں کہ وہاں اسلامی نظام عدل وانصاف جاری ہو اور وہاں حقیقی اسلامی معاشرہ قائم کریں اور اسی طرح تمام اسلامی دنیا کو ایک نمونہ پیش کریں کہ وہ اپنے ممالک میں یہی نظام رائج کریں۔

الگ مملکت کے جواز میں مسلم لیگ نے یہ دلیل پیش کی کہ ہندوستان میں ایک نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں اور دنیا میں پہلی مرتبہ یہ نظریہ پیش کیا کہ عقیدے کی بناء پر قومیں بنتی ہیں۔ یعنی ہندو اور مسلم دو قومیں ہیں۔ اور چونکہ ان کے عقائد الگ ہیں اس وجہ سے الگ مذہبی عقیدوں کی بناء پر تقسیم ہو جائیں تا کہ ایک طرف ہندو ہوں اور دوسری طرف مسلمان:

The Hindus and Muslims belong...... to different civilizations which are based mainy coflicting ideas & conceptions...... to you together such two nations under a single must lead to growing discontent and finally to destruction of any fabric that may be so built up for the Govt. of such a state.

(P. 39) Chaudhry Mohd

The Emergence of Pakistan.

ترجمہ :۔ ”ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق .... دو مختلف تہذیبوں سے ہے۔ جن کی بنیادیں متضاد خیالات اور تصورات پر ہیں ...... ایسی دو قوموں کو ایک ریاست میں اکٹھا کرنے کا مطلب بڑھتی ہوئی ناراضگی اور بالآخر اس ریاست کے لئے کوئی سی بھی حکومت کا خاتمہ ہوگا“۔(صفحہ 39 دی ایمرجنس آف پاکستان از چودھری محمد علی)

ابھی تک قوم کا تصور مملکت سے منسلک ہوتا تھا یعنی کہ کسی مملکت میں جتنے بھی فرقے رہتے ہوں لیکن اس ملک کی قومیت مملکت یا خاک وطن سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں ہر فرقے اور عقیدے کے لوگ رہتے ہیں لیکن انہیں (Britisher) کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کو لیں اس کی قومیت اس کی ریاست سے وابستہ ہے۔ ہر مذہب، فرقے اور عقیدے کا شخص جو امریکہ میں رہتا ہے وہ امریکن ہے۔ اسی طرح فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ میں یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ میں جتنے بھی مما لک ہیں۔ ان میں مختلف مذہب اور عقائد کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان کی قومیت اس مملکت اور سرزمین سے وابستہ ہوتی ہے۔

لبنان واضح مثال ہے جہاں مسلمان اور عیسائی رہتے ہیں لیکن دونوں لبنانی ہیں۔ دور کیوں جائیں۔ علامہ سر شیخ محمد اقبال بار ایٹ لاء (جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا) خود اپنے اس نظریے کی اپنے ایک اردو شعر میں وضاحت کی ہے کہ مذہب کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں سے دشمنی اور تفرقہ کروائے کیونکہ ہم سب ہندی ہیں اور ہندوستان ہمارا ملک ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

یعنی جناب شاعر مشرق کے کہنے کے تحت جو بھی اس سرزمین پر بستے ہیں۔ ہندی ہیں یا ہندوستانی ہیں۔ تب مسلم لیگ نے یہ فلسفہ پیش کیا۔ دنیا میں صرف ایک دوسرا مذہب یہودیت تھا۔ جس نے یہ اصول تسلیم کر لیا اور اسی دلیل کے زور قیام پاکستان کے صرف سال بھر بعد پر اس نے انگریزوں پر زور دیا کہ یہودیوں کے لئے بھی اسرائیل دیا جائے اور فلسطین سے الگ کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلم لیگ نے عقیدہ مذہب کی بناء پر مملکت بنانے کی دلیل پیش کر دی تھی۔

ایک قدم آگے چل کر دیکھئے کہ مسلم لیگ نے اپنے اس نظریہ کو قبول کرنے کے لئے کونسے ذرائع استعمال کئے۔ مسلم لیگ اس ملک میں کسی قسم کے حالات پیدا کرنا چاہتی تھی تا کہ ایک ایسی مملکت قائم ہو جائے جس میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور ان کے لئے ایک روشن اور زریں مستقبل کی ضمانت ہو۔ اس کے لئے لازمی بات یہ تھی کہ سب سے پہلے مسلمانوں کی موجودہ بدبختی اور محرومی کی وجوہ معلوم کی

جائیں۔ یعنی دشمن کی نشاندہی کی جائے یہاں مسلم لیگ ہندو کو اپنا دشمن مان چکی تھی اس کی تمام تر توجہ ہندو پر مرکوز تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمانداری سے دیکھا جائے تو مسلمان کا دشمن تو انگریز تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی تو فرض اس پر عائد ہوتا تھا۔ کیونکہ ہندوستان کو آزاد رکھنے کے سلسلہ میں غفلت ان سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کو چاہئے تھا کہ انگریزوں کے مقابلے میں اس وقت تک چوکس رہتا جب تک ہندوستان کی کھوئی ہوئی آزادی قوم کو واپس نہیں دلا دیتا۔ اس لئے ہندو کے مقابلے میں مسلمان کی زیادہ دشمنی انگریز سے ہونی چاہئے تھی۔ دوسری بات یہ کہ انگریز نے صرف ہندوستان میں ہی مسلمانوں کو تباہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو دنیا کے ہر کونے میں مسلمانوں کا پیچھا کرتا رہا۔ جہاں بھی اس کا بس چلا مسلمان کا گھر تباہ و برباد کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے لے کر آج تک اس کے قصے یہی ہیں ترک مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا اور آپس میں بانٹ دیا تھا پھر یہ کہ انگریز ہندوستان پر قابض ہوا۔

کیا اس نے صرف ہندوؤں کے حقوق غصب کئے ہیں اور یا صرف ہندو غلام ہے اور یا پھر ہندو کے بچے کا حصہ انگریز چھین کر اپنے بچے کو کھلا رہا ہے۔ انگریز کی چکی میں اس کی تمام رعیت ایک ہی طرح پس رہی تھی اس میں ہندو کو مسلمان سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا تو اس لئے سیاست کے طالب علموں کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ ہندوستان کی سرزمین پر ایک جماعت ایسی بھر آئی جو انگریز کو نہیں بلکہ ہندو کو اپنا دشمن تصور کرتی تھی جو خود بھی انگریز کی چکی میں ان کے ساتھ پس رہے تھے۔ اس جماعت نے نہ صرف ایک ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی کہ سامراجی نوآبادیتی قوت کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھیں۔ اور یہاں تک اس کی خدمت کرنے کو تیار کیا کہ اگر مسلمان فوجی کو حکم دیا گیا اور تو اور اس نے خانہ کعبہ پر گولی چلانے سے گریز نہیں کیا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ مسلم لیگ کے اس نظریے کی ہندو دشمنی نے اتنا اثر کیا کہ انگریز کے تمام دشمن پھر تو مسلم لیگ کی نگاہ میں اس کے دشمن بن گئے۔ ایک طرف وہ حقیقی مسلمان غازی، مجاہد، عالم دین جو دیوبند کے دارالعلوم کی برکت سے اسلام کو حقیقی روح سے آشنا کافر انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لے رہے تھے۔ اور دوسری طرف وہ قوم پرست مسلمان جو قومی جذبے اور ملکی مفاد کی خاطر ملک کی آزادی کے لئے انگریز سے لڑ رہے تھے۔ ان کی مخالفت ہی نہیں انہیں غدار کہا اور خارج از اسلام قرار دیا۔ میرے خیال میں مسلم لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست کا یہ پہلا غلط قدم تھا کہ انہوں نے اپنے دشمن کی نشاندہی میں غلطی کی بلکہ ان سے کروائی گئی یعنی مرض کی تشخیص غلط ہوئی۔ لازمی بات تھی کہ ان باتوں کا فائدہ انگریز کو پہنچ رہا تھا۔

مسلم لیگ کے رہنما اپنے اس دو قومی نظریہ کے حق میں یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ اس نظریہ کی بنیاد سرسید احمد خان نے رکھی تھی جس نے دیوبند کے دارالعلوم کے مقابلے میں علی گڑھ مسلم

یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی لیکن تاریخی چھان بین سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی جو تقاریر میری نظر سے گزری ہیں وہ تو مکمل طور پر دوقومی نظریے کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر جو تقاریر مخدوم زادہ حسن محمود نے اپنی کتاب (A Nation is Born) میں نقل کی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 339 پر سرسید احمد خان کی گورداسپور میں کی گئی ایک تقریر نقل ہے جو اس نے 27-10-1884 کو کی تھی۔ کہتا ہے وہ ہم یعنی مسلمان اور ہندوؤں کو چاہیئے کہ ایک دل و ایک روح بن جائیں:

In this speech at Gurdaspur on January 27 1884 Sir Syed Ahmed Khan said "We (i.e. Hindus & Mohammandans) should try to become on heart and soul & act in Union."

ترجمہ:۔ ''27 جنوری 1884ء کو سرسید نے گورداسپور میں اپنی تقریر میں کہا تھا۔ ہمیں (ہندوؤں اور مسلمانوں کو) کو دل و جان بن جانا چاہیئے اور مل کر چلنا چاہیئے۔''

اور پھر آگے چل کر اس کے لئے ایک منطقی اور تاریخی دلیل پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ تمام پرانی تاریخی کتابیں اور روایات تم لوگوں نے پڑھی ہوں یا سنی ہوں اور آج بھی یہ بات واضح ہے کہ ایک مملکت میں رہنے والے ایک ہی نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ افغانستان کے مختلف قبیلے ایک قوم ہیں اور اسی طرح ایران میں بسنے والے مختلف گروپ ایک ہی نام ایرانی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اگر چہ ان میں بہت ذہنی اور مذہبی اختلافات ہیں۔ پھر ایک قدم آگے چل کر کہتا ہے کہ یہ ہندو اور مسلمان کا نام صرف مذہبی امتیاز کے لئے ہے۔ ویسے تو سب ہندو، مسلمان اور عیسائی جو یہاں رہتے ہیں وہ حقیقت میں ایک قوم ہے:

In old historical books and traditions you'l read and heard, and see it even now, that all the people inhabiting one country are designated by the term one Nation.

"The different tribes of Afghanistan are termed as one Nation & so the miscellaneous hordes people in Iran distinguished by the term Persins, though abounding in a variety of thought & Religions are still known as member of one Nation.

ترجمہ:۔ ''تاریخ کی پرانی کتابوں اور روایتوں میں تم پڑھو سنو گے اور اب بھی دیکھ سکتے ہو کہ ایک ملک میں رہنے والے تمام لوگوں کے لئے ایک قوم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے''۔

''افغانستان کے مختلف قبائل ایک ہی قوم کہلاتے ہیں اس طرح ایران میں رہنے والے عوام

کے مختلف النوع گروہ ایرانی کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں بہت سے افکار اور مذاہب رائج ہیں مگر پھر بھی ایک قوم کہلاتے ہیں۔"

ایک دوسری تقریر میں سر سید احمد خاں نے لاہور میں 1884ء میں کی۔ اس میں بھی قوم کے مسئلہ پر کافی تفصیلی گفتگو کی ہے اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان وجوہ کی بنا پر میں ان دونوں (Races) قومیں جو یہاں ہندوستان میں رہتی ہیں ایک نام سے پکارتا ہوں:

Remember that the word Hindu & Mohammadans are meant for religion distinction otherwise all who reside in this country are , all in this particular respect belong to the same Nation. There are the different grounds upon which, I call both there races which inhabit India by one word i.e. Hindu meaning to say that they are the inhabitants of Hindustan.

(P.340) A Nation is Born by Hussan Mahmood.

ترجمہ:۔ "یادرکھو کہ ہندو اور مسلمان تو مذہبی تفریق کے لئے استعمال ہوتے ہیں وگرنہ اس ملک میں رہنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ یہ ہیں وہ مختلف بنیادیں جن کے سبب میں ان دونوں نسلوں کو جو انڈیا میں آباد ہیں۔ میں ایک ہی لفظ ہندو سے منسوب کرتا ہوں جس میری مراد ہے ہندوستان کے رہنے والے۔" (اے نیشن از بورن حسن محمود)

اب تو بس حد ہی ہوگئی۔ سر سید تو یہاں تک پہنچے کہ وہ محمدن کا نام بھی چھوڑ دیا اور یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ جو کوئی ہندوستان کی اس سرزمین پر بستا ہے اس کا جو بھی عقیدہ ہو اور جس مذہب کا بھی پیروکار ہو۔ اسے ہندو کے نام سے پکارا جائے۔

اور یہی مسئلہ اسی طرح سر شیخ محمد اقبال کا بھی ہے "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا" کے لئے مذہبی نکتہ نگاہ ڈھونڈھتا ہے۔ "یہ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔ مذہب اور مذہبی تعلیم تو بدل نہیں سکتا۔ کم از کم مسلمان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد جبکہ دین مکمل ہوگیا ہے کسی کو تو حق حاصل نہیں کہ مذہب میں ترمیم کر سکے۔ تو پھر یہ مذہبی عقیدہ کس طرح سیاسی نظریے کے ساتھ بدل سکتا ہے۔ لیکن سر محمد اقبال بھی سر سید احمد خاں کی طرح اس سلسلے میں کافی آگے جا چکے ہیں جسے کہ اپنے فارسی کے ایک شعر میں کہتا ہے۔

"دانہ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز
مگر نگاہ تو دوبین، است نہ دیدن آموز"

یعنی چاہئے کہ مسلمان کے تسبیح کے دانوں کو ہندو کے زنار میں پرو دیا جائے۔ (زنار ہندوؤں کا وہ مقدس دھاگہ ہے۔ جوان کے جسم سے پیوست کندھے سے بغل تک لٹکا ہوتا ہے) یعنی مسلمانوں کی تسبیح کے ذکر الٰہی کے دانوں کو ہندوؤں کے زنار کے دھاگہ میں پرونا چاہتا ہے۔ یہ اتحاد چاہتا ہے یہ مذہبی رواداری چاہتا ہے اور پھر فیصلہ سناتا ہے کہ اگر تمہاری نظر ان دانوں کو الگ الگ کر کے دیکھے تو پھر تمہاری آنکھوں میں روشنی نہیں۔ یعنی اندھا ہے۔ بہت زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مسلم لیگ کی اکثر پاس ہونے والی قراردادیں اور جناح صاحب کی بے شمار تقاریر اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلم لیگ نے دوقومی نظریے کو اپنی سیاست کی بنیاد پر رکھا تھا۔ چاہیے کہ اس بات پر غور کریں کہ مسلم لیگ تو صرف مسلمانوں ہی کی سیاست کرتی تھی۔ باقی ہندوستانیوں سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ یعنی جسے قوم پرست سمجھا جائے۔ اس کی دعویدار نہ تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نسخہ کس حد تک مسلمانوں کے مرض کا علاج ثابت ہوا۔ جیسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مسلم لیگ نے مرض کی تشخیص یہ کر دی تھی کہ مسلمانوں کا دشمن انگریز نہیں بلکہ ہندو ہے اور اب علاج یہ تجویز کیا ہے کہ دوقومی نظریہ کی بنا یہ ہندوستان تقسیم کیا جائے۔ اور پاکستان بن جائے تو اس طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات اور محرومیاں ختم کر دی جائیں گی۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کی تحریک ہندوستان کے ان صوبوں میں زیادہ مضبوط تھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور اس کا ثبوت 1937ء کے صوبائی انتخابات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا تھا کہ مسلمانوں کے چاروں اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ نے کوئی نمائندہ حیثیت تو کیا۔ دو صوبوں میں یعنی سندھ اور سرحد میں ایک بھی ممبر نہیں تھا اور پنجاب کے 84 مسلمان ممبروں میں صرف ایک ممبر تھا۔ اس میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں اختیارات مسلمانوں کے تھے۔ قیادت ان کی تھی پنجاب کا لیڈر سر سکندر حیات خاں، بنگال کا مولوی فضل الحق، سندھ میں خان بہادر اللہ بخش سومرو تو صوبہ سرحد میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم تھے۔ تو ان صوبوں میں تو مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کا مسئلہ تو ان صوبوں میں تھا جہاں غیر مسلموں کی اکثریت تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ انہی صوبوں میں ہر دلعزیز تھی اور مسلم لیگ کے کل ہندو لیڈروں کی نمائندگی پارلیمنٹ اور صوبوں میں یہی رہنما کرتے تھے تو اب اس بات پر غور کیا جائے۔ جذباتی طریقے سے نہیں۔ بلکہ بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے کہ غیر مسلم اکثریتی صوبوں میں ان مسلمانوں کی تکالیف اور محرومیوں کو دور کرنے میں مسلم لیگ کی کامیابی کے نتیجے میں کس حد کامیابی ہوئی۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ مسلم لیگ اپنی سیاست میں کامیاب ہو چکی۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان حاصل کر چکی ہے تو چاہیے کہ اب اس سیاست کی کامیابی کے بعد یہ حساب لگایا جائے کہ مسلمانوں کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے اس مرض کا علاج

اس نسخے سے کس قدر کامیاب ہوا۔ میں یہ بات بار بار کرتا ہوں کہ جن صوبوں میں پاکستان کے قیام کا مطالبہ ہوا۔ تو ان صوبوں کا اختیار تو ویسے بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اگر تو بات اختیار کی حد تک محدود تھی تو پاکستان کا وہ اختیار وہاں موجود تھا۔ صرف نام پاکستان نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ اصل مرض تو بمبئی، مدارس، دلی، یو پی، سی پی اور اڑیسہ میں تھا۔ مسلم لیگ کی اس دو قومی نظریے اور پاکستان کے قیام کی کامیابی نے اس کے مجبور اور محروم مسلمان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ تکلیف۔ بمبئی اور لکھنو کے مسلمان کو بھی پاکستان بنایا۔ لاہور، پشاور میں۔ تکلیف بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کو تھی۔ پاکستان بنا ڈھاکہ میں۔

یہ سوال کرنے کا حق صرف ہندوستان کے ان صوبوں کے مسلمانوں کا نہیں جو اس تقسیم کے نتیجے میں اپنے اپنے صوبوں میں بسے ہیں۔ بلکہ پاکستان کے مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے پوچھے اور سختی سے پوچھیں کہ ہم سے کٹ کر رہنے والے ان پانچ کروڑ مسلمانوں کے لئے اس خوشی اور آزادی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ کا تجویز کردہ نسخہ کتنا کامیاب اور مجرب ثابت ہوا۔

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قیام پاکستان کے مرہون منت تمام ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ کی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ مقامی باشندے آپس میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔ اور جب ایک طرف سے مہاجر لٹے پٹے۔ تباہ حال، بے سروسامان دوسری طرف جاتے تو وہاں جلتی پر تیل کا کام ہو جاتا۔ پورا ملک شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور ایک ایسے مذہبی جنون اور فرقہ واریت کی دیوانگی پورے ملک پر چھائی تھی جس سے ہندوستان کا کوئی کونہ بچا نہ رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت، حقارت اور دشمنی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اخلاقی اقدار تو چھوڑیں، انسانی جبلت بھی کسی میں نہیں رہی یہاں تک کہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے ایک دوسرے کی خواتین پر بھی ہاتھ ڈالنے سے نہیں چوکتے تھے۔ جب ایک طرف پورے ملک میں ہندو اور مسلمان کے نام پر یہ دیوانگی کی فضا تھی اور ان مصائب، تکالیف اور تباہی اور بربادی کے وقت یہ مظلوم اور مجبور مسلمان وہاں فساد زدہ ہندو اور سکھوں کے ساتھ مشترکہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے تو اس مسلمان کی ذہنی، روحانی، نفسیاتی اور ایمانی کیفیت کا اندازہ کوئی لگا سکتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ بات کہ وہ سب لیڈر جو اپنے آ کو مسلمانوں کے لیڈر کہتے تھے۔ وہ سب پاکستان منتقل ہو گئے اور ان مسلمانوں کو اسی فضا میں خون میں لتھڑے ہوئے آگ کے شعلوں میں چھوڑ دیا اور سرکاری نوکریوں میں جو مسلمان تھے۔ سول میں تھے یا فوج میں اور جن سے ان لٹے پٹے مسلمانوں کو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ شاید ہمارے کام آئیں کچھ مدد دیں۔ انہوں نے بھی پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ بات کبھی کسی مسلم لیگی رہنما کے ضمیر میں نہیں آئی کہ یہ پیچھے رہ جانے والے مسلمان جنہوں نے مسلم لیگ بنایا اسے چندے دیئے۔ ان کے کہنے پر مظاہرے اور مطالبے کئے تھے۔ جلوس نکالے تھے اسی مسلم لیگ کی ہدایات پر سیاسی نعرے بازی کی تھی اور اپنے

ہمسایہ کے ساتھ دشمنی کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ ان بیچاروں کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑا، ان مسلمانوں کے وہ منتخب کردہ رہنما کہاں گئے یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب دینے پر مسلم لیگ کے رہنما مجبور ہیں۔

یہ تو حال تھا سیاسی سرکاری ملازمین اور مسلمان افسروں کا لیکن اس کے ساتھ چھوٹے موٹے مسلمان، سرمایہ دار تاجر اور کارخانہ دار بھی پاکستان چلے آئے تو ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے اقتصادی رستے بھی بند ہو گئے اور اگر کچھ چھوٹا موٹا کاروبار، نوکری کسی مسلمان کو اگر کوئی تاجر، سرمایہ دار یا کارخانے دار دے سکتا تھا اس کی بھی گنجائش ختم ہو گئی غرض یہ کہ ہندوستان رہ جانے والے مسلمانوں کو مذہبی طور پر بھی سیاسی طور پر بھی اور اقتصادی طور پر بھی ایسی حالت میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا کہ ملک کی پوری فضا اس کی مخالف تھی۔ مذہبی جنون نے پورے ملک کو سر پر اٹھا رکھا تھا لاکھوں لوگ تو پاکستان آ گئے لیکن تقریباً پانچ کروڑ مسلمان مسلم لیگی سیاست کی نذر ہو کر ہندو کی غلامی میں رہ گئے کہ مکمل طور پر دشمن کے رحم و کرم پر زندگی ایسے حالات میں گزاریں ان کے رہنما تمام کے تمام ایک ایک کر کے پاکستان آ گئے۔ میرے اپنے خیال میں ان میں صرف ایک میرٹھ کے نواب اسماعیل خان تھے جس نے آنے سے انکار کر دیا۔ لیکن باقی سب نے تو خیر اسی میں جانا کہ بمع بال بچے کے نہایت آرام و سکون سے پاکستان آ گئے اور وہ اپنی سرزمین اپنے بھائی بند، اپنے سیاسی سماجی ساتھی اور خدمت گزار ان تابعداران سب کو دہکتی آگ میں چھوڑ آئے۔

باقی رہ جانے والے مسلمانوں میں بھی بہت غیر مسلموں کی بربریت کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ لٹے پٹے، ذہنی اور جسمانی طور پر زخمی بڑے بڑے قافلے بے سروسامانی کے حالات میں پاکستان پہنچے۔ لازمی بات تھی کہ ہندوستان کے تمام مسلمان تو ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس مجبور اور مظلوم مہاجر پر یہاں کیا گزرتی ہے۔ * سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ ہندوستانی مسلمان اپنے اس گھر میں دہکتی آگ میں نہیں رہ سکتے اور انہیں اپنی نجات صرف اسی میں نظر آتی تھی کہ وہ اپنے آباء واجداد کی سرزمین چھوڑ دیں اور اپنی عزت اور اپنا سر بچانے کی خاطر پاکستان کی پناہ میں چلا جائیں۔ اس بچارے کا صرف یہی ایک آسرا تو رہ گیا تھا۔ یہ بات تو معلوم ہے یہی کہ بڑے بڑے رسائی رکھنے والے مہاجر تو غیر مسلموں کی

---

*ان مجبور و مظلوم مہاجروں پر یہاں جو گزری اس کا اندازہ اُردو ادب میں سعادت حسن منٹو اور قدرت اللہ شہاب کے افسانوں ''کھول دو'' اور ''یا خدا'' سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اُردو ادب میں اس نوعیت کے شاہکار افسانے ہیں۔ البتہ پشتو ادب میں فسادات پر افسانے نہیں لکھے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ جعلی ریفرنڈم میں شکست کے باوجود سرحد میں مضبوط تنظیم اور عوامی سطح پر مقبولیت کی وجہ سے خدائی خدمتگار تحریک کے رضاروں نے بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فسادات کی کوشش ناکام بنا دی اور ہندوؤں کو بحفاظت نکالا گیا البتہ ہزارہ جہاں مسلم لیگ کا نفوذ زیادہ تھا وہاں مسلم لیگی رہنماؤں جیسے جلال بابا وغیرہ کی سرکردگی میں ہندو سکھوں کو بے دریغ مارا گیا۔ اور ان کی عزتیں لوٹی گئیں۔

جائیدادوں، بنگلوں، گھروں، دکانوں اور کارخانوں پر قبضہ کرلیں گے لیکن آگ کے شعلوں میں جلے ہوئے تباہ حال خون میں نہائے ہوئے ان عام بے کس مہاجرین کا کیا حال ہوگا۔

انسان جب اس پورے مسئلہ کو غور سے دیکھتا ہے تو مسلم لیگ کی سیاست کے نتیجے میں ایک بنیادی مشکل ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے یہ پیدا ہوئی کہ ایک سیاسی مسئلے کو بلاوجہ مذہبی رنگ دیا گیا اور مسلم لیگ کی برکت سے یہ جنگ سیاسی میدان سے نکل کر مذہبی فرقہ وارانہ ڈگر پر چل پڑی تھی۔ ورنہ اگر سیاسی تحریک ہوتی تو تقسیم کے ساتھ مسئلہ ختم ہو چکا ہوتا۔ سیاست ہوتی تو کامیاب ہو چکی ہوتی۔ کانگریس ہندوستان کی آزادی مانگ رہی تھی کامیابی ہوتی۔ انگریز چلا گیا۔ غلامی ختم ہوئی مسلم پاکستان مانگ رہی تھی وہ انہیں مل گیا تو مسئلہ اگر سیاسی سطح پر ہوتا تو ختم ہو چکا ہوتا لیکن مسلم لیگ نے اسی سیاسی مسئلے کو مذہبی رنگ دے دیا۔ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم مصیبت چھوڑ آئے کہ فرقہ پرست ہندو اور مذہبی جنونی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہندوستان کو مذہب کی بنا پر تقسیم کیا۔ لیکن اس مذہب کے کروڑوں پیروکار اب بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ تو مسئلہ کا حل نہ ہوا اور یہی وجہ تھی کہ مذہبی جنونیت اور فرقہ وارانہ منافرت کی یہ آگ سرد نہ ہوئی بلکہ وہ باقی ماندہ مسلمان پھر اور بھی مجبور اور محروم اس وجہ سے ہوئے کہ پہلے تو صرف غیر مسلموں کی اکثریت کے رحم و کرم پہ تھے لیکن اب ان کے قہر وغضب اور ان کی دشمنی میں آ گئے تھے۔ تو مطلب واضح ہے کہ مسلم لیگ ہندوستان میں مسلم اقلیتی صوبوں کی نمائندہ کی حیثیت سے ان کے مرض کی درست تشخیص نہ کر سکی اور جب کسی مرض کی تشخیص صحیح نہیں ہوگی تو علاج یقینی طور پر غلط ہو گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلم لیگ کی سیاست کے نتیجے میں مسلمانوں کی حالت بہتر ہوتی لیکن وہ اور بدتر ہو گئی اب تو وہ اور بھی زیادہ مجبوری، محرومی کی حد تک موذی مرض میں جکڑے گئے ہیں۔

فرقہ وارانہ سیاست اور کانگریس

اس میں شک نہیں کہ ایک طرف مسلم لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست کے نتیجے میں پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھی تھی تو اس کے مقابلے میں ایسی قوتیں مسلموں اور غیر مسلموں میں بھی موجود تھیں جو اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت پوری قوم کے جذبات اور احساسات دیوانگی کی حد تک ابھر آئے تھے اور درندے بن گئے تھے اس وقت جو بھی ہندو، مسلم اور سکھوں کے مابین صلح اور صفائی اور دوستی کی بات کرتا تھا۔ تو یہ نہیں کہ بات بے موقع اور بے جا ہوتی تھی بلکہ ان حالات کی موجودگی میں ایسی بات حماقت کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔

مسلمانوں میں اس سلسلہ میں منظم حرکت خدائی خدمتگاروں نے کی۔ جب مسلم لیگ کی طرف سے خدائی خدمتگار وزارت کو توڑنے کی مہم نہایت تیز ہوگئی اور میجر خورشید انور کے ذریعے صوبہ سرحد کی سیاست میں تخریب کاری پہلی مرتبہ منظم طریقہ سے متعارف ہوئی اور پھر یہاں جب فسادات کی بنیاد رکھی گئی تو یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ ایک طرف ان حالات میں قوم دشمن بدمعاشوں کے لئے راستہ کھول دیا گیا تا کہ وہ لوٹ مار شروع کر دے۔ فرقہ وارانہ فساد اور قتل عام کریں۔ مکانوں، بنگلوں تجارتی اداروں اور کارخانوں پر قبضہ کریں تو دوسری طرف یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سرکاری افسران اپنی ذمہ داریاں پوری کر نہیں رہے ہیں اور جو نہیں کرنا چاہئے تھا، اس کے برعکس کر رہے ہیں۔ حفاظت نہیں ہو رہی تھی۔ صوبائی وزارت نے درخواست کی کہ پشاور شہر میں غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے خدائی خدمتگار رضا کار سامنے آ جائیں چنانچہ چھ ہزار خدائی خدمتگار پشاور میں اس ڈیوٹی پر حاضر ہوئے تا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کر سکیں اگر چہ مسلم لیگ کے تخریب کار، رضا کار اور کچھ مسٹنڈے لچے لفنگے جگہ جگہ کھڑے ہو کر خدائی خدمتگاروں کو طعنے دیتے تھے کہ تم لوگ ہندوؤں کو بچانے کے لئے آئے ہو۔ بہار کے فسادات کے قصے سناتے اور سکھوں کے ہاتھوں پنجاب میں مسلمانوں کی تباہی کی یاد دلاتے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود اشتعال کے خدائی خدمتگار غیر مسلموں کے مال و جان اور عزت کا تحفظ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ دنیا کو یہ تاثر پیش کرے کہ ہندو اور مسلم کی یہ جدائی اتنی اہم اور بنیادی ہے کہ مشترکہ گھر میں رہنے

کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انگریز کا مقصد یہ تھا کہ ان غیر مسلموں کو صوبے سے نکال دے۔ مسلم لیگ بھی یہی چاہتی تھی لوٹ مار جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یہاں اسمبلی میں ہندو اور سکھ ممبران تھے تو ان کے چلے جانے سے انگریز اور مسلم لیگ دونوں کا مقصد پورا ہوتا تھا۔ غیر مسلموں کو پشاور کے بالا حصار قلعہ میں جمع کیا اور ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔ *

وہاں ہندوستان میں بھی کانگریس کے رہنما عموماً اور گاندھی جی خصوصاً ان فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بجھانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ گاندھی جی تو اس مسئلہ میں اتنا آگے نکل گئے کہ اس نے اپنی جان بھی داؤ پر لگا دی اور کلکتہ میں مسلمانوں کے خلاف فساد بند کرانے کی خاطر تادم مرگ روزہ رکھا اور اس ذاتی قربانی کے ذریعے ایسی فضا پیدا کی کہ ہندو مسلم سکھ عام آدمی تو چھوڑیں سرکاری پولیس بھی اتنی متاثر ہوئی کہ وہ بھی روتی رہی تھی اور تب جا کر گاندھی جی نے مرن بھرت کھولا اور کلکتہ کے میدان میں ہزاروں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو بغل گیر کیا لیکن یہ آگ اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ ایک جگہ سے بجھاتے تو دوسری طرف لپک پڑتی۔ گاندھی جی اس کے ساتھ سرگرداں پھر رہے تھے کہ جیسے بھی ہو اس آگ کو بجھانے کی کوشش کریں۔ کلکتہ تھا کہ دہلی مشرقی بنگال تھا یا بہار۔ لیکن یہ مسلم لیگی بھی عجیب مخلوق تھی کہ حسین شہید سہروری جس نے بنگال کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے مسلم لیگ کے اعلان کے مطابق راست اقدام (Direct Action) کا دن منانے کے لئے مسلمانوں کے جلوس کی قیادت کی اور یہ وہی مقام تھا جہاں سے فرقہ وارانہ منافرت کی آگ بھڑکائی گئی تھی اور پھر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حسین شہید سہروری گاندھی جی کے ساتھ اپنی فرقہ وارانہ سیاست کو دبانے کی کوشش کے لئے نکلا تھا۔ **

---

*اس سلسلے میں مسلم لیگ نے ان منحرف خدائی خدمتگاروں سے بھی کام لیا جو کانگرس سے اتحاد کا بہانہ بنا کر انگریز کی ایماء پر الگ ہوئے تھے۔ جیسے صوابی کے مولانا شاد محمد اور بخت جمال چارسدہ کے ملا خادم انہوں نے نہ صرف یہ کہ احمد آباد، گجرات کے ان پختونوں کو ہندوؤں سے لڑائی پر آمادہ کیا جو اس سے پہلے باچا خان کی مشورت سے اخبارات میں فرقہ وارانہ فسادات سے برأت کا اظہار کر چکے تھے اور ان کے جواب میں وہاں ہندوؤں نے بھی ایسے اشتہارات کے ذریعے جواب دیا تھا لیکن ان مولویوں نے وہاں جا کر ان میں کچھ کو جہاد کے نام پر تخریب کے لیے آمادہ کیا جس کے نتائج بُرے نکلے۔ اور بہت سے لوگ مارے گئے۔

**ایس کے مجمدار کتاب ''جناح اور گاندھی'' میں فرقہ وارانہ فسادات کا بنیاد بننے والے مسلم لیگ کے راست اقدام کے متعلق لکھتے ہیں۔ قانون کے منسٹر انچارج حسین شہید سہروردی نے 16 اگست کو کلکتہ شہر کے 24 پولیس اسٹیشنوں میں سے 22 مسلمان افسروں اور باقی دو اینگلو انڈین کے کنٹرول کرنے دے دیئے اور پورے صوبے میں عام تعطیل کا اعلان کرتے ہوئے لاٹھیاں، برچھیاں، ہتھوڑے، خنجر اور دیگر آتشیں ہتھیار بڑی تعداد میں تقسیم کر دیئے مسلم لیگی غنڈوں کو ٹرانسپورٹ اور سیکڑوں گیلن پٹرول کے کوپن اضافی دیئے گئے۔

قومی نظریے سے مسلم لیگ کا انکار

ہم نے دیکھا کہ جب مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن کا منصوبہ منظور کیا اور ہندوستان کے وفاق کو تسلیم کر لیا اور تین گروپوں پر مشتمل ایک مرکزی حکومت کو مان لیا تو اس طرح سے انہوں نے اپنے پاکستان کا وہ مطالبہ چھوڑ دیا اور چونکہ پاکستان کے قیام کی بنیاد صرف اور صرف دوقومی نظریے پر رکھی گئی تھی تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ پاکستان کا مطالبہ چھوڑنے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی دستبردار ہو گئی۔ جس بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی وہ یہ کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اپنی سیاست کے لئے مذہب کا میدان پسند کیا تھا اور ہر ایک بات اور پالیسی کے لئے اسلامی نکتہ نگاہ سے جواز ڈھونڈا کرتے تھے تو مشکل یہ تھی کہ مذہب میں تو کوئی کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ کوئی نہیں کر سکتا۔ یا کم از کم مسلمان تو نبی کریمؐ کو آخری نبی مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات چھوڑ دیا ہے جس میں تغیر و تبدل، یا کسی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو ہمیں یہ بات سمجھنے میں ذرا تکلیف تھی کہ پاکستان کا مقصد کیا؟ لا الہ الا اللہ *۔ لیکن اس مسلم لیگ کے رہنماؤں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کلمے کو اپنی جگہ چھوڑ کر پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں تو اگر ان پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے بتایا تھا کہ پاکستان اور لا الہ اللہ مربوط ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ ان لوگوں نے اس کلمے کو چھوڑ دیا ہے۔ مذہب تو کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آج کلمے کی بنیاد پر ایک تحریک چلائی جائے اور کل کو وہی مذہبی تحریک چھوڑ دی جائے تو اسی طرح یہ تمام عمل اسی کلمے کے انکار پر ختم ہوتا ہے۔

یہ ایک بنیادی تکلیف ہے جو ہر اس تنظیم، پارٹی یا جماعت کو پیش آتی ہے جو اپنے سیاسی اغراض اور پالیسی کو آگے لے جانے کے لئے مذہب کا سہارا لیتے ہیں اور اسی نام سے کام کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ تنظیمیں ہیں جو خالصتاً مذہب کے نام پر دینی تحریکیں چلاتی ہیں یعنی ہمارے ہندوستان کے وہ باعمل علماء کرام جن کا تعلق دیوبند کے دارالعلوم سے تھا اور وہ کافر انگریز سامراج کے خلاف تحریک چلانا اپنا دینی فریضہ اور جہاد سمجھتے تھے سے مسلم لیگ جو اپنی سیاست کو مذہب کے پردے میں چلا رہی تھی۔ ان کے راستے میں

** بٹوارے کے بعد اصغر سودائی کا دیا گیا یہ نعرہ پاکستان کا مقصد کیا لا الہ الا اللہ اچانک پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ سے بدل دیا گیا کیوں کہ اب مقصد کا تعین بدل گیا تھا۔ لہٰذا لا الہ الا اللہ صرف مطلب (یعنی چہ؟) تک محدود کر دیا گیا۔

یقیناً ایسی مشکلات آتی تھیں کیونکہ مذہب کا راستہ تو سیدھا اور بالکل واضح ہے۔ اس میں ادھر ادھر نکلنے اور آگے پیچھے چلنے کی گنجائش نہیں اور سیاست میں تو یہ کام ضروری پیش آتا ہے تو جو لوگ سیاست اور مذہب کو خلط ملط کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے جو مسلم لیگ کو درپیش تھا کہ ایک مقام ایسا آن پہنچا کہ اپنی سیاسی پالیسی کو بدلنے کے نتیجے میں وہ پاکستان کے مطالبے سے ہاتھ دھو بیٹھے اور چونکہ پاکستان کو انہوں نے مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے مربوط کر دیا تھا تو اب ان پر یہ اعتراض کرنا جائز تھا کہ انہوں نے اپنا سیاسی نہیں بلکہ مذہبی عقیدہ چھوڑ دیا ہے۔

لیکن اگر مسلم لیگ کی سیاست کو دیکھا جائے تو مسلم لیگ کے رہنماؤں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ مختلف لوگوں سے مختلف باتیں کرتے رہے۔ جناح صاحب جب سرحد آئے تو اس نے اوروں کے علاوہ یہاں کافی مذہبی رہنماؤں اور پیروں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ مانکی شریف کے پیر صاحب امین الحسنات کو لکھ کر دیا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگی اور اس میں قانون شریعت محمدیؐ ہوگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں سکندر مرزا اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب ہم نے دلی سے کراچی کے لئے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو میں نے ایک دن قائداعظم سے پوچھا کہ جناب ہم تو سب پاکستان جا رہے ہیں لیکن پوچھنا یہ ہے کہ وہاں آپ کس قسم کی حکومت بنائیں گے۔ آیا آپ کا ارادہ ہے کہ ایسی حکومت بنائیں جس کا دار و مدار اسلام پر ہوگا۔ قائداعظم نے کہا کہ No Nonsense میں ایک Modren حکومت بناؤں گا:

> Before we all left Dehli, I said to the Q.Azam one day," Sir we are all agreed to go to Pakistan; but what kind of a Govt.are you going to have ? Are you going to have a type of Govt. with accent on Islam?" No nonsense" he replied" I am going to have a modran Govt."

ترجمہ:۔ ''اس سے قبل کہ ہم سب دہلی چھوڑیں۔ میں نے ایک دن قائداعظم سے کہا'' سر ہم سب پاکستان جانے پر متفق ہیں مگر آپ کس طرح کی گورنمنٹ قائم کریں گے۔ کیا ایسی گورنمنٹ جس کا اسلام پر زور ہو؟'' فاتر العقل بات ہے''۔ اس نے کہا۔ ''میں ایک جدید حکومت قائم کروں گا''۔ *

** پاکستان ساختہ مورخین اس حوالے سے دو گروپوں میں منقسم ہیں لبرلز بضد ہیں کہ جناح صاحب ایک سیکولر لبرل پاکستان بنانا چاہتے تھے جبکہ داتا درباری گروپ کہتا ہے کہ نہیں وہ اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے لیکن ان کا سانحہ ارتحال بے وقت ہونے سے تجرباتی فلاحی ریاست کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی حالانکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت میں مسلم لیگ نے پاکستان کو ملا صاحب کی جنت کے طور پر پیش کیا تھا کہ جو تمہاری خواہش ہوگی وہی حاضر ہوگا۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی اور حوروں اور غلمان کا تو کوئی حد حساب ہی نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ جو چیز چاہو وہ حاضر۔ انگور چاہئے، انار یا سیب یا بادام۔ نہ بونے کی جھنجھٹ۔ نہ اپنی کھاد کا جنجال، بس فوراً پھل حاضر۔ اور اگر مانگی شریف صاحب کے ساتھ شریعت محمدی کا وعدہ تھا۔ اس کا نمونہ بھی ہم دیکھ چکے تھے۔ جب مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی تو مسلم لیگ کے وزیروں میں ایک جوگندر ناتھ منڈل تھا۔ جو ہندو بھی تھا اور ہریجن بھی۔ تو یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ ایک مکمل مذہبی تحریک جس نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری صرف اپنے سر لے رکھی تھی کیسے مسلمانوں کے اس تحفظ کے لئے ایک ہندو وزیر مقرر کرتی ہے جو مسلم لیگ کے کہنے کے مطابق ایک الگ قوم سے تھا اور جناح صاحب کی اپنی تقریروں کی رو سے دو مختلف اور متضاد قومیں ایک مملکت میں نہیں رہ سکتی تھیں۔

اب ذرا آگے چلئے۔ جب مسلم لیگ اپنے مطالبے میں کامیاب ہوگئی اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم ہوگیا اور پاکستان کا مطالبہ منظور ہوگیا تو پاکستان کے باقاعدہ اعلان سے تین دن پہلے یعنی 11 اگست 1947ء کو جناح صاحب نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں اپنی مفصل تقریر میں مسلم لیگی حکومتی پالیسی کا بہت وضاحت سے اعلان کیا تھا۔ چونکہ مسئلہ بہت اہم اور بنیادی ہے تو میں ذرا تفصیل سے نقل کروں گا۔ جیسے فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) اس میں البتہ شک نہیں کہ وہ مذہب کو اپنی سیاسی کامیابی کے لئے عوامی حلقوں میں استعمال کرتے تھے۔ جیسے 1948ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب میں کہا کہ لنکزان میں داخلہ کی وجہ وہاں قانون سازوں میں محمد ﷺ پاک کا نام تھا حالانکہ لنکزان میں کہیں بھی ان کا نام نہیں البتہ ان کی تصویر عیسیٰ، موسیٰ کے ساتھ بنائی گئی تھی۔ لندن واپسی کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے خود بہ نفس نفیس ان کے فلیٹ میں رات کے پچھلے پہر آ کر ہندوستان جانے کا حکم دیا تھا دوسری طرف لیاقت علی خان کو بھی اس کا ذمہ وار ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ بڑی سیدھی سی بات ہے دیکھنا یہ ہے کہ جناح صاحب کی اپنی روزمرہ زندگی کیسی تھی اگر ان کا لائف سٹائل مولویانہ تھا تو پھر تو وہ مولیانہ ریاست کے حامی تھے اگر ان کی روزمرہ زندگی مغربی طرز کا نمونہ تھی تو پھر وہ لبرل پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ سگار کتا پروری، بلیرڈ، برگر، کاک ٹیل پارٹی کے علاوہ جو ان کے معمولات تھے انہوں نے خود کو مسٹر جناح کہلوانے کے لئے آفیشلی خط لکھا تھا۔

پروفیسر کے بی سعید کی کتاب ''پاکستان دی فارمیٹو فیز'' جو کہ سی ایس ایس کے لازمی پرچہ میں شامل رہی ہے صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ:

Jinnah had a taste for Pork and Wine

You change your past and work together in a spirit that every one of you no matter what community he belongs to no matter what is his colour caste or creed, is first, second and last a citizen of this state, with equal rights, Privileges and obligations, there will be no end to the progress you will make"

I cannot emphasise it to much, we should begin to work in that spirit and in course of time all these angularities of the majority & minority communities the Hindu community & the Muslim community, because even as regards Muslim you have Pathans, Punjabies, Shias, Sunnis & so on & among the Hindu you have Brarhmins, Vishanuas, Khatris, also Bengalis, Madrasis & so on will Vanish.

Your are free to go to your temples, mosques or any other place of worship, you belong to any religion or cast or cread, that has nothing to do with the bussiness of the state----

we are starting with the fundamentals principle that we are all citizen & equal citizen of on state----

ترجمہ:۔ ’’آپ ماضی کو بدل دواور اکٹھے کام کرو۔ ایک ایسے جذبے کے ساتھ کام کرو کہ تم میں سے ہر ایک اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس کا کسی جماعت سے تعلق ہے اور اس کا رنگ ذات اور مذہب کیا ہے۔ اولاً، ثانیاً اور آخراً اس ریاست کا ایک شہری ہے۔ برابر حقوق، مراعات اور ذمہ داریوں کے ساتھ تم ترقی کروگے اس کی انتہا نہیں ہوگی۔‘‘

’’میں اس پر جتنا بھی زور دوں کم ہے کہ ہمیں اس جذبے کے ساتھ کام کرنا ہوگا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب تفریقیں اکثریت اور اقلیت کی ہندو جماعت اور مسلمان جماعت کی ختم ہو جائیں گی کیونکہ بطور مسلمان بھی پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ موجود ہیں اور ہندوؤں میں بھی براہمن، ویش، کھتری اور بنگالی، مدراسی وغیرہ وغیرہ پائے جاتے ہیں‘‘۔

’’تم آزاد ہو اپنے مندروں، مسجدوں اور عبادت کے دیگر مقامات میں جانے کے لئے تم کسی

بھی مذہب، ذات یا فرقے سے تعلق رکھو اس کا ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں......''

''ہم بنیادی اصول سے ابتداء کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں ایک ریاست کے......''

یعنی اگر تم لوگ اپنا ماضی بدلنا چاہتے ہو اور مل کر کام کرو۔ اس کی پروانہ رکھتے ہوئے کہ تم کس مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے ہو یا اس سے پہلے تم ایک دوسرے سے کیسے تعلقات رکھتے تھے یا کہ تمہارا رنگ، نسل یا عقیدہ کیا ہے بلکہ سب مل کر اپنے آپ کو اس مملکت کے باشندے سمجھو اور ایسے باشندے کو تمہارے تمام حقوق اور ذمہ داریاں برابر ہیں۔ تمہاری ترقی اور آگے جانے کے راستے کھلے ہیں۔

میں یہ بات تم پر کھل کر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم نے اس جذبے کے تحت کام کیا تو بہت جلد یہ اقلیتی فرقہ اور اکثریتی فرقہ کی تمیز مٹ جائے گی۔ یہ ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ بیچ میں سے نکل جائے گا کیونکہ ایسے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی پشتون ہیں۔ پنجابی ہیں، شیعہ ہیں اور سنی ہیں۔ ہندوؤں میں بھی برہمن شودر کھتری، بنگالی اور مدراسی۔ تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب تفریق مٹ جائے گی۔

آگے فرماتے ہیں۔

''تم اپنے مذہبی عقیدے کے سلسلے میں آزاد ہو۔ کوئی دھرم شالہ جاتا ہے یا مسجد یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ تمہارا جو بھی مذہبی عقیدہ ہو۔ تمہارا کوئی بھی مذہب، ذات یا عقیدہ ہو اس کا مملکت کی کارگزاری سے کوئی تعلق نہیں......''

آگے کہتے ہیں۔

''ہمیں چاہئے کہ خود کو ان اصولوں سے آگاہ کریں کہ ہم سب ایک ملک کے رہنے والے ہیں اور مساوی حیثیت کے مالک ہیں......''

آخر میں فرماتے ہین:

Now I think that we should keep that in front of us as our ideal & you will find that in course of time Hindu Muslim would cease to be Muslim not in the religious sence, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizen of the state-----

(P.545 46)

G.Allan a Historic Documents.

ترجمہ:۔ ''اب میرا خیال ہے کہ ہمیں اسے اپنے سامنے مثال کے طور پر رکھنا چاہئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں معلوم ہوگا کہ ہندو ہندو نہیں رہے گا۔ مسلمان مسلمان نہیں رہے گا۔ مذہبی معنوں میں نہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر فرد کا ذاتی ایمان ہے مگر سیاسی معنوں میں ایک ریاست کے شہری کے طور پر'' (صفحہ 545۔ ہسٹورک ڈاکومنٹ۔ جی الانہ)

چاہئے کہ ہم یہ اصول ایک نظریے کی طرح اپنے سامنے رکھیں تو بہت جلد واضح ہو جائے گا کہ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ یعنی مذہبی شکل میں نہیں کیونکہ مذہب پر ایک فرد کے اپنے ذاتی عقیدے کا مسئلہ ہے بلکہ سیاسی حیثیت میں کہ ہر ایک باشندہ اس مملکت کا ہر مساوی حقوق کا مالک ہوگا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ تقریر قائداعظم نے کسی پریس کانفرنس میں نہیں کی، اور نہ ہی کسی جلسے یا استقبالیہ میں کی بلکہ یہ اعلان اس نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے ممبران کے سامنے کیا ہے۔ جن کی ذمہ داری تھی کہ اسلامی مملکت خداداد پاکستان کے لئے آئین مرتب کرے۔ اس ملک میں رہنے والے باشندوں کے بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرے۔ دوسرے یہ اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس وقت جناح صاحب کی حیثیت کیا تھی۔ وہ بابائے قوم تھا۔ اس وقت وہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ کی تنظیم کا باقاعدہ صدر تھا۔ تیسری بات کہ وہ اس پاکستان کا گورنر جنرل تھا اور چوتھی بات کہ وہ اسی آئین ساز اسمبلی کا منتخب صدر تھا۔ ذمہ داری کا کوئی ادارہ نہیں رہا۔ جس کی رہبری جناح نہیں کرتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ تقریر جناح صاحب لکھ کر لایا تھا۔ جناح صاحب جیسے تجربہ کار بیرسٹر اور پارلیمانی شخصیت نے شاید پہلی بار لکھی ہوئی تقریر پڑھی تھی۔ کیونکہ یہ ایک بہت اہم اور تاریخی اعلان تھا۔

اب ذرا اس تقریر کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے۔

سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ جناح نے ہندو اور مسلمان کی دو قوموں کے بجائے فرقوں کا لفظ استعمال کیا۔ اکثریتی فرقہ اور اقلیتی فرقہ۔ لیکن نہیں رکا بلکہ وضاحت کے لئے کہتا ہے کہ ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ۔ یہ مجھے اس تقریر کا یا اعلان کا بنیادی نکتہ نظر آتا ہے۔ یہ باقی تقریر، پھر اس کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ جب مسلمان کی تعریف کرتا ہے تو اس میں شیعہ سنی کے ساتھ ساتھ پشتون اور پنجابی کی بھی بات کرتا ہے۔ اسی طرح ہندو کی وضاحت میں برہمن، شودر، کھتری کے ساتھ ساتھ بنگالی اور مدراسی بھی یاد کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں لوگوں کی شناخت نہ صرف عقیدہ اور فرقہ کی بناء پر بلکہ ثقافت اور جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر بھی کرتا ہے اور اسی طرح اپنے پرانے بنیادی دلائل کی تردید کرتا ہے کہ ایک خاص مذہبی فرقے کے لئے ایک خاص علاقہ چاہئے۔ نسل اور ذات پات کی تمیز کو بھی ختم کرتا ہے۔

اپنے پورے اعلان کی روح آخر میں یہ بیان کرتا ہے کہ یہ اصول ایک نظریے کی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ہندو ہندو نہ رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہ رہیں گے۔ مذہبی شکل میں نہیں بلکہ سیاسی حیثیت میں۔ یہی وہ بنیادی فرق تھا۔ خدائی خدمتگاروں اور کانگریس اور مسلم لیگ کے نظریے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مذہبی حیثیت اور ذاتی عقیدہ ہر ایک کا اپنا انفرادی مسئلہ ہے اور سیاسی حیثیت ہندوستان کے تمام باشندوں کی مساوی اور ایک طرح کی تھی اور اب جبکہ پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ نے اپنے اس نظریے پر بنایا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں تو آج وہی جناح صاحب پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں ممبروں کے سامنے نہایت ذمہ داری سے یہ اعلان کرتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو جدا قومیں نہیں بلکہ دو فرقے ہیں اور ریاست اور مملکت کی نظر میں ان میں کوئی تمیز یا فرق و تفریق نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جناح صاحب کا یہ اصول اور یہی نظریہ تھا تو پھر یہ اتنے خون خرابے اور فسادات کی ضرورت کیا تھی اور یہ اس قدر بے گناہ خون کس مقصد کے لئے بہایا گیا کہ لاکھوں گھرانے تباہ و برباد ہوئے اور یہ فرقہ وارانہ نفرت اور حقارت کا جنوں کس لئے تھا اور پھر ایک ایسی دشمنی اور نفرت کی بنیاد کیوں رکھی گئی اور اس آگ میں اتنی مخلوق خدا جل کر راکھ ہوئی اور اس نفرت اور حقارت میں اتنے فرقوں کو ملوث کیا گیا کہ یہ اثرات مدت تک ختم نہ ہوں گے۔ تقریروں سے یہ زخم کب بھر سکتے ہیں۔

اس سے تو صرف ایک بات ثابت ہوئی کہ جیسے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مسلم لیگ نے ملک میں ایک جذباتی، جنونی فضا پیدا کر دی تھی۔ صرف یہ نہیں کہ انہوں نے خود اپنے تقسیم کے مطالبے یا پاکستان کے منصوبے پر کسی پہلو سے غور نہیں کیا تھا بلکہ اگر کوئی اور اس پہلو کی طرف ان کی توجہ دلاتا تو اسے بھی سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ لیکن اب جبکہ پاکستان بن گیا اور اس کی حکومت مسلم لیگ کے حوالے کر دی گئی تو وہ مجبور ہوئے کہ قوم اور قومیت، ملک اور مملکت کے مسئلے پر غور کریں اور جب سوچا تو اپنی سیاست کے تضادات ان پر واضح ہوئے کہ اگر ریاست کی بنیاد مذہبی عقیدے پر رکھی جائے تو پھر تو ایک طرف دنیا کے ان اسلامی ممالک کے پاس کوئی جواز ہی نہیں کہ اپنا الگ الگ وجود برقرار رکھیں۔ دوسرے یہ کہ پھر ایک اسلامی مملکت کی غیر مسلم آبادی اس پر مجبور ہوگی کہ کہیں غیر مسلم ریاستوں کو ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اس سے جناح صاحب مجبور ہوئے کہ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کریں اور کوئی طریقہ یا راستہ اس کے لئے نکالیں تو یہی راستہ تھا کہ جناح صاحب اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان میں بھی غیر مسلم ہیں اور خصوصیت سے مشرقی حصے میں تو کافی ہیں۔ تو اب جب کہ ملک پاکستان کے نام پر بن گیا تو اس ملک کے باشندے سب پاکستانی ہوں گے اور ایک قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو پاکستانی کہیں گے اور یہ نہ صرف مسلمان پاکستانی ہوں گے اور غیر مسلم کی جدا قوم ہوگی۔ اب جبکہ اپنے سیاسی منصوبے کے ناقابل عمل ہونے کا احساس ہوگیا۔ تو اس کا آسان حل یہی تھا کہ

مسلم لیگ کے گزشتہ نظریے کے تحت تو ہندو اور مسلمان دو جدا قومیں تھیں اور ہندوستان کی سرزمین پر یہ دو قومیں مل کر زندگی نہیں گزار سکتی تھیں۔ لیکن یہی دو قومیں جب اس زمین پر آباد ہوئیں جس کا نام پاکستان ہے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی تو یہ دونوں قومیں دو قومیں نہیں بلکہ ایک پاکستانی قوم بن گئیں اور عقیدے اور مذہبی تمیز کے لئے انہیں فرقے کہا جا سکتا ہے اور تماشا تو یہ ہے کہ یہ پاکستان اس علاقے میں بنا جو پہلے اسی ہندوستان کا حصہ تھا۔ لیکن صرف اتنا ہوا کہ سرزمین کا نام بدل گیا۔ ہندوستان کی جگہ پاکستان ہو گیا تو ایسا کرنے سے ہندو اور مسلمان کے تمام تضادات اور تفریق ختم ہو گئی اور یہ کہ عقیدے کی بناء پر ایک دوسرے سے بالکل کٹ گئے تھے اور ایک ملک میں مل کر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

اس نظریے کی بحث کے سلسلے میں ایک اور غلط فہمی بھی دور کرنا ضروری ہے یہاں دو قومی نظریہ کا ایک شور و غوغا تھا اور مسلم لیگ یہ تاثر دیتی رہی کہ جیسے کہ کسی ملک کا کوئی اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک بنیادی غلطی ہے۔ مملکت ملک، ریاست یا علاقہ اپنا کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ نظریہ سرزمین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نظریہ افراد، تنظیم، جماعت پارٹی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ان افراد، جماعتوں، تنظیموں یا پارٹیوں کا نظریہ تب تک اس ملک یا ریاست کا نظریہ رہتا ہے جب تک یہ پارٹی یا تنظیم اس ریاست پر حکومت کرتی ہے۔ مثال کے طور پر روس کی سرزمین اپنا کوئی نظریہ نہیں رکھتی تھی۔ وہاں پہلے زار روس کی بادشاہی تھی۔ لیکن جب زار روس کو انقلاب کے ذریعے سے ہٹایا گیا اور اقتدار ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں آیا جو اشتراکی اور سوشلسٹ نظریہ رکھتی تھی تو انہوں نے وہی اشتراکی نظام وہاں رائج کر دیا۔ اسی طرح ہندوستان کی مثال لے لیتے ہیں۔ وہاں کروڑوں لوگ انگریز کے غلام تھے۔ وہ نظام ختم ہوا۔ انگریز چلا گیا۔ ہندوستان تقسیم ہوا۔ پاکستان بن گیا۔ تو پاکستان کا اپنا کوئی نظریہ نہ تھا۔ مسلم لیگ جماعت کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ اس وقت تک پاکستان کا نظریہ ہوگا جب تک مسلم لیگ جماعت کی یہاں حکمرانی ہو گی۔ لیکن جب کوئی دوسری نظریاتی تنظیم برسر اقتدار آئے گی اور مسلم لیگ اقتدار سے ہٹ جائے گی تو وہ اپنے ساتھ اپنا نظریہ بھی لے جائے گی اور پھر پاکستان کا نظریہ ان نئے حکمرانوں کا نظریہ ہوگا۔

لیکن یہاں تو عجیب معاملہ ہے کہ جناح صاحب نے تو دوسری جماعت کے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ 11 اگست 1947ء کو مسلم لیگ نے وہ اپنا دو قومی نظریہ خود مسترد کر دیا اور وہی غیر فرقہ وارانہ نظریہ جسے سیاسی زبان میں سیکولرازم (Secularism) کہتے ہیں، اسے اپنا لیا۔ اس لئے لوگوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے پوچھیں کہ جناح صاحب کی اس اہم تقریر کے بعد اب مسلم لیگ کا نظریہ کیا ہے۔ کیونکہ جناح صاحب نے تو پاکستان کے شروع میں ہی کہا کہ وہ پرانی باتیں اب چھوڑ دیں۔ اب مملکت کا نظریہ نئے اصولوں کے تابع ہوگا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی جناح صاحب کو اپنا لیڈر تسلیم کرتا ہے، ان کی

سیاست، ذہانت، عقل اور دانش پر اعتماد کرتا ہے تو پھر مسلم لیگ کا دوقومی نظریہ جناح صاحب کے پاکستان کا نظریہ نہیں بلکہ جناح صاحب کے اس اعلان کے بعد اب پاکستان کا نظریہ سیکولرازم یعنی غیر فرقہ وارانہ ہے۔
اگر غور سے دیکھا جائے تو انگریز کی فرقہ وارانہ سیاست کے نتیجے میں ہندوستان فرقہ واریت کی بناء پر تقسیم ہوا اور جب انگریز رخصت ہوا تو اس کے ساتھ اس کی فرقہ وارانہ سیاست بھی رخصت ہوگئی۔ لیکن جب انسان اس پوری حرکت کو دیکھتا ہے تو فارسی کا وہ شعر بے اختیار ذہن میں آجاتا ہے۔

ھرچہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابئ بسیار

لیکن اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ انگریز کی بھی یہ پالیسی تھی اور مسلم لیگ نے بھی اسی پالیسی کو مذہب کے رنگ میں قبول کرلیا تھا کہ ہندوستانی لوگ جب اپنے ووٹ کا حق استعمال کریں گے تو وہ فرقہ وارانہ بنیاد پر ہوگا۔ یعنی ہندو ہندو کو ووٹ دے گا اور مسلمان مسلمان کو۔

کانگریس مخلوط انتخابات (Joint Election) کے حق میں تھی اور مسلم لیگ نے جداگانہ انتخابات (Sperate Electorate) کے اصول اپنائے تھے۔ اب جب کہ جناح صاحب نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کردیا کہ پاکستان کے اندر عقیدے، ذات پات کی کسی قسم کی تمیز مختلف مذہبی فرقوں میں نہیں ہوگی تو اب مسلم لیگ یہاں جداگانہ انتخابات کے اصول کو قائم رکھنا چاہے گی کہ نہیں۔ اس نئے نظریے کے اعلان کی روشنی میں مسلم لیگ بھی اس اعلان کو اپنے منطقی نتیجے تک پہنچا دے گی اور مخلوط انتخابات کے اصول کو اپنا لے گی۔

14؍اگست

انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے دن قریب آتے گئے لیکن ملک میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی اور انسان ایک دوسرے کا شکار کرنے نکل پڑے تھے۔ کوئی انسان دوسرے انسان کے ظلم اور تشدد سے محفوظ نہیں تھا۔ بوڑھے بچے، جوان، مرد، عورت کوئی بھی اس قہر وغضب سے محفوظ نہ تھا۔ پوری قوم ایک دوسرے کا گلا کاٹنے اور خون چوسنے کو بے قرار تھی۔ گھر لٹ رہے تھے۔ مہاجروں کے کیمپ بھرے ہوئے تھے۔ زندگی کے تمام اخلاق اقدار انسانیت اور شرافت خاک میں مل گئی تھیں۔ لیکن افسوس کا مقام تو یہ تھا کہ یہ تباہی ایسے وقت میں آئی۔ جب قوم آزادی کی جنگ جیت چکی تھی اور عجیب کیفیت تھی اور آگ کے شعلے تھے۔ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ آہ و بکا کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ ادھر بگل بجائے جا رہے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے۔ پریڈ ہو رہی تھی۔ سلامیاں لی جا رہی تھیں۔ جشن منائے جا رہے تھے۔ خوشی کے گانے گائے جا رہے تھے۔ ناچ ناچے جا رہے تھے۔ چراغاں کئے جا رہے تھے۔ ایک طرف کراچی کے شہر میں مہاجروں کے لٹے پٹے آگ کے شعلوں اور نیزوں کے سروں سے گزر کر قافلے آ رہے تھے۔ سڑکوں اور میدانوں میں وہ خاندان پڑے تھے جنہوں نے کبھی زمین پر پاؤں نہ رکھا تھا۔ اور دوسری طرف 14 اگست ملک کی آزادی اور وطن کے استقلال کی تاریخ مقرر ہوئی۔ پاکستان کے قیام کا دن مقرر ہوا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی بیوی کے ہمراہ کراچی آیا تا کہ تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کے نئے گورنر جنرل محمد علی جناح کو اپنے عہدے کا حلف دلا کر آئینی طور پر انگریز کی سلطنت کے خاتمے کا اعلان کرے۔ اس سلسلے میں تعجب کی بات پہلے تو یہ تھی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو خوش آمد کہنے نہ جناح صاحب خود گئے اور نہ لیاقت علی خان گئے۔ جو پاکستان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے اسے خوش آمدید کہنے سندھ کا گورنر غلام حسین ہدایت اللہ گیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں کی عجیب ذہنیت تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ناپ تول سے یہ لوگ نہیں چوکتے تھے۔ اپنی عزت اسی میں سمجھتے ہیں کہ کسی اور کی بے عزتی کر دیں۔ اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ پیش آیا۔ جناح صاحب نے کہا کہ میں چونکہ پاکستان کا گورنر جنرل ہوں اور اسی آئین ساز اسمبلی کا صدر ہوں۔ تو میں سب سے اونچی کرسی کا حقدار

ہوں اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن مجھ سے چھوٹی کرسی پر بیٹھے گا لیکن اس مسئلے میں انگریز سب کا استاد تھا۔انہوں نے کہا کہ جناب تم تو تب جا کر گورنر جنرل بنو گے جب ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن تمہیں عہدے کا حلف دلائے گا۔تمہارا مقام اور اختیار تو اسی عہدے کے حلف سے وابستہ ہے اور جب تک ماؤنٹ بیٹن یہ حلف نہ دلا دے اور یہ اختیارات تمہیں منتقل نہ کردے۔تو تمہاری حیثیت کیا ہے۔ایک عام آدمی ہو۔یہ بات بھی ان پر واضح کردی کہ اگر تم گورنر جنرل بن بھی جاؤ تو تمہارا عہدہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کمتر ہے۔کیونکہ وہ وائسرائے ہے اور یہ درجہ تمہارے درجے سے اونچا ہے۔تب جا کر کہیں یہ مسئلہ حل ہوا۔

مرتبے کی اونچ نیچ کا یہ مسئلہ جب ختم ہوا تو دوسرا مسئلہ پیدا ہوا۔یہ افواہ گرم تھی کہ پنجاب کے سکھ بے انتہا غصے میں ہیں اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب جناح صاحب اسمبلی کے اجلاس میں جائیں گے تو ان پر بم پھینکا جائے گا تو جونہی ماؤنٹ بیٹن جہاز سے اترا تو اس سے سوال کیا گیا کہ ان اطلاعات کی روشنی میں کیا فیصلہ ہوا ہے کہ سرکاری جلوس نکلے گا کہ نہیں۔ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ یہ تم لوگوں کا اپنا فیصلہ ہے۔انتظام تمہارا کام ہے۔اسے بتایا گیا کہ جناح صاحب نے یہ فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے۔ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ اگر کسی نے یہ فیصلہ کیا بھی ہو کہ جناح صاحب کو بم سے اڑائیں تو جب میں اس کے ساتھ سواری میں بیٹھ جاؤں گا تو غالب امکان یہ ہے کہ یہ حملہ نہ ہوگا کیونکہ ایسا کرنے سے تو پاکستان کے گورنر جنرل کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا گورنر جنرل بھی قتل ہو جائے گا۔اسی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مجھے تو جلوس نکالنے پر کوئی اعتراض نہیں۔اس کے بعد جلوس کا انتظام ہوا۔جب دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کے بعد جناح صاحب اور ماؤنٹ بیٹن واپس گورنر جنرل ہاؤس پہنچے تو جناح صاحب نے ماؤنٹ بیٹن کی طرف منہ کر کے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا:

Jinnah said; Thank God I have got you back alive.

Mount Batton immediately replies" Thank God, I have got you back alive".P.134 (Break Down)

ترجمہ:۔ ''جناح نے کہا۔خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا۔ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا۔خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا''۔

(صفحہ نمبر 134۔بریک ڈاؤن)

ان حالات میں تقسیم مکمل ہوگئی۔اختیارات اپنائے گئے۔انگریز کا بستر گول ہوا۔انگریز کا جھنڈا یونین جیک دوسو سال بعد اتارا گیا اور اس کی جگہ پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا۔

حکومت پاکستان کی ساخت

پاکستان کی پہلی مرکزی حکومت کا اعلان ہوا تو اس میں جناح صاحب خود گورنر جنرل اور لیاقت علی خان وزیر اعظم بنے۔ باقی تقریباً وہ تمام پرانے مسلم لیگی مثلاً چندریگر صاحب اور سردار عبدالرب نشتر وزیر بنے اور جوگندر ناتھ منڈل کو بھی وزارت میں شامل کیا گیا اور قانون کا محکمہ سونپا گیا۔ مسلم لیگ نے تو قوم کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ یہاں پاکستان کے اس مملکت خداداد میں شریعت محمدی اور قرآن کا قانون جاری ہوگا لیکن اب تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس اسلامی مملکت پاکستان میں شریعت محمدی کا محکمہ ایک اچھوت ہندو کے حوالے کر دیا گیا۔ تو یہ ان علماء کرام، علماؤں اور پیروں کے لئے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ خصوصیت سے پیر آف مانکی شریف کے لئے انتہائی مشکل کچھ اس وجہ سے بھی تھا کہ اس نے تو جناح صاحب کا قول اور وعدہ ایک خط کی صورت میں سنبھال کے رکھا ہوا تھا کہ پاکستان میں شریعت محمدی اور اسلامی نظام ہوگا۔ پاکستان کے قاضی القضاۃ کا منصب ایک غیر مسلم کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ تو اسلام اور شریعت کا مذاق اڑانا تھا۔ اس کا جواب کوئی کیا دے سکتا تھا۔ *

لیکن اس مسئلے کے دوسرے رخ پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ بات تو بہت تفصیل سے آچکی ہے کہ انگریز نے اپنی بین الاقوامی مغربی سامراجی سیاست کو آگے لے جانے کے لئے تقسیم ہند کا طریقہ اختیار کیا تھا کیونکہ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اشتراکی روس کی نظریاتی سرحد قلعہ کھڑا کرنا چاہئے جو ترکی سے لے کر چین تک فوجی طوق کی صورت میں اس کی گردن میں ڈالا جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اگر ہندوستان تقسیم بھی ہو جائے تو انگریز کی بلا سے۔ اور اگر مسلمانوں کی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو انگریز کو کیا پروا اور یا اگر ان کی اس پالیسی سے ہندو مسلم اور سکھ خون میں نہائیں تو بھی انگریز کو کیا فکر؟ وہ تو نہ ہندو کا

---

*درحقیقت جناح صاحب مذہبی طبقہ کے سخت خلاف تھے لیکن سیاست میں کامیابی کے لئے ان کو استعمال بھی کرتے رہے۔ 1942ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے نام خط میں لکھتے ہے کہ ہم نے بڑی حد تک قوم کو سب سے ناپسندیدہ رجعت پسند عناصر سے پاک کر دیا اور اس خاص طبقہ کے اثر کو جو مولوی مولانا کہلاتے تھے زائل کر دیا۔ یہ خط جمیل الدین عالی کی کتاب Speeches and Writings of Jinnah اشاعت 1952ء میں شامل ہے۔

دشمن نہ مسلمان کا دوست ۔ وہ تو پاکستان مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہیں بلکہ اپنے بین الاقوامی سیاست کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بنا رہا تھا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اسی دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انگریز لارڈ ویول کے Break Down کے منصوبے کے تحت یہ فیصلہ کرنے پر بھی مجبور ہو گیا کہ انگریز پورے ہندوستان پر قابض نہیں رہ سکتا۔ تو چاہئے کہ وہ ہندوؤں کے اکثریتی صوبوں کو آزاد کر دے اور چونکہ انگریز کی سلطنت کو قائم اور مستحکم رکھنے کے لئے وہ پاکستان کے قیام کو ضروری سمجھتا ہے تو اس لئے انگریز سب کے سب فوجی اور سول افسران بمع اپنے اہل و عیال مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں منتقل ہو جائے۔ لیکن اس منصوبے پر عملدرآمد کے لئے انگلستان کی لیبر پارٹی کی وزارت نے منظوری نہیں دی۔ ویول ایک فوجی تھا۔ اس کی نظر اتنی وسیع اور عمیق نہیں تھی۔ انگریز سیاست دان کو یہ علم تھا کہ آج کل فوجی قبضے اور فتوحات کا زمانہ نہیں اور نہ ہی فوج لمبی مدت کے لئے قوم پر سوار یا قابض رہ سکتی ہے انگریز نے اچھی طرح سے سوچ بچار کر لیا تھا۔

انگریز اچھی طرح جانتا تھا کہ اس تقسیم کے نتیجے میں دونوں مملکتیں کمزور ہو گئی ہیں۔ ہندوستان اگرچہ صحیح و سالم رہا۔ مگر سٹریٹجی کے لحاظ سے اس کی سرحدیں کمزور ہیں۔ شمالی مغربی سرحد پر یہ سب قدرتی دفاعی پہاڑی علاقے خیبر سے لے کر بولان تک اور اسی طرح چین کی سرحد سنکیانگ تک انہیں کے قبضے سے نکل جائیں گے۔ یہی کچھ صورت مشرقی سرحد کی بھی تھی۔ آسام کی طرف سے دفاعی مشکلات زیادہ تھیں کیونکہ وہاں کی سڑکیں، ہوائی میدان، ریل اور بہت سے ضروری دریائی راستے اس کے قبضے سے نکل کر مشرقی پاکستان میں رہ جاتی ہیں اور دفاعی لحاظ سے اہم تینوں بندرگاہ (چالنا، کھلنا اور چٹاگانگ) بھی پاکستان کے حصے میں آئے اور اسی طرح خلیج بنگال پر بلا شرکت غیرے قبضہ میں جاتا رہا۔ علاوہ ازیں اپنی سرحد اور دفاعی تحفظات کے علاوہ ہندوستان ایک بڑی فوجی قوت سے بھی محروم ہو گیا۔ جس کو انگریز اپنی اصطلاح میں P.M (پی ایم) یعنی پنجابی مسلمان کہا کرتا تھا اور اس کے مطابق یہ بہترین فوجی انگریز کی سلطنت کو پھیلانے میں بہت کارآمد ثابت ہوا۔ انگریز کی اس عظیم سلطنت میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں اس پنجابی مسلمان نے اپنا خون انگریز کے نوآبادیاتی اور سامراجی مفادات کے لئے نہ بہایا ہو۔ اقتصادی طور پر ہندوستان کو کافی مشکلات درپیش آئیں۔ کارخانے سرحدوں کے اس پار رہ گئے اور خام مال دوسری طرف اسی طرح کارخانے ایک طرف اور اس کے کاریگر اور مارکیٹ دوسری طرف رہ گئے۔ قصہ مختصر یہ کہ انگریز اپنی طرف سے ہندوستان کو اس حالت تک پہنچانے میں کامیاب ہوا اور اس کی یہ تسلی رہی کہ ہندوستان کی دفاعی، اقتصادی اور معاشی مشکلات کو اس غربت کے ساتھ دیکھا جائے تو عرصہ دراز کے بعد بھی ہندوستان ان مشکلات سے نکل نہیں سکے گا اور بہ امر مجبوری وہ مغربی طاقتوں کے زیر اثر رہے گا۔

مگر پاکستان کا مسئلہ تو ہندوستان سے بھی زیادہ پیچیدہ اور مشکل تھا۔ سب سے بڑی مشکل تو جغرافیائی تھی کہ مملکت کے دونوں خطوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور بیچ میں ہندوستان۔ جہاں تقسیم کے دوران ابھی ابھی ان فسادات کے اثرات موجود تھے۔ وہ بہایا گیا خون ابھی گرم تھا اور پاکستان کی یہ مجبوری کہ دونوں بازوؤں کے درمیان آمد و رفت اور ذرائع رسل و رسائل کا انحصار کلیتاً ہندوستان کی مرضی پر تھا۔ اس کے علاوہ اقتصادی مشکلات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مغربی پاکستان کے دشت، صحرا، پہاڑ اور ریگستان اور مشرقی پاکستان کے زیرآب علاقے۔ ان علاقوں کو آباد کرانا۔ کارخانے لگوانا اور موجودہ زمانے کے ایک ترقی یافتہ مقام تک اسے لے جانے میں سالہا سال تو کیا مدتیں لگنی تھیں اور اس دوران پاکستان مغربی طاقتوں اور دولت مند حکومتوں کی خیرات اور امداد کے لئے ان کے دارالخلافوں کا چکر ہی کاٹتا رہتا۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ تقسیم ہند کے سلسلے میں جو سب سے زیادہ خطرناک عنصر تھا وہ نفرت اور دشمنی تھی۔ جو کہ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران ناسور کی شکل اختیار کر چکی تھی اور خصوصیت سے وہ مہاجر جو ایک ملک سے دوسرے ملک کو نقل مکانی پر ایسی حالت میں مجبور کئے گئے کہ ان کے گھر لوٹ لئے گئے۔ جلا دیئے گئے۔ قتل و غارت کیا لاکھوں عصمتیں تک لٹیں۔ ان کی موجودگی میں ان دو مملکتوں میں تعاون اور پیار کی فضا پیدا کرنا تو کجا وہ تو ایک دوسرے کی جان کے دشمن ٹھہرے اور جہاں محاذ آرائی جنوں کی حد تک پہنچ جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں ملک اپنی دفاع کے بہانے سے اسلحہ کی دوڑ میں شامل ہوں گے اور بجائے اس کے کہ آزادی کی نعمت سے اپنے ملک کی غربت کے خاتمے کا سوچیں وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کے لئے مغربی طاقتوں کا سہارا لینے کے لئے مجبور تھے۔

علاوہ ازیں کم از کم پاکستان کے متعلق تو انگریز کی یہ تسلی تھی کہ وہ کسی قیمت پر بھی انگریز سے قطع تعلق کا سوچے گا بھی نہیں۔ البتہ ہندوستان اور کانگریس کے متعلق انگریز بخوبی جانتا تھا کہ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی۔ آزادی کی جنگ میں عظیم قربانیاں دیں اور آج بھی کانگریس ہندوستان کی منتخب حاکم ہے۔ تو ان سے دوستی اور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے موجودہ حکمران سالہا سال سے قومی تحریک سے وابستہ رہے۔ ان کی نظر میں ایک وسعت تھی۔ وہ علاقائی اور قومی سیاست سے جڑے بین الاقوامی معاملات پر بھی عبور رکھتے تھے اور برطانوی سامراج کی ہمہ پالیسیوں اور سازشوں سے بخوبی واقف تھے تو اس لئے انگریز کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ ہندوستان کے حکمرانوں کو اپنی سامراجی سیاست کے لئے استعمال کر سکے گا۔ مگر پاکستان کے متعلق وہ جانتا تھا کہ پاکستان میں آج حکومت ایک ایسی تنظیم یعنی مسلم لیگ کے ہاتھ میں ہے کہ جس نے ملک کی آزادی یا انگریز کی غلامی سے نجات کے لئے کوئی

قدم نہیں اٹھایا۔ کوئی تحریک چلانا یا جدوجہد تو دور کی بات تھی مسلم لیگ کی ساری دشمنی تو کانگریس کے ساتھ تھی اور اس دشمنی نے مسلم لیگ کو مکمل طور پر انگریز کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور کیا تھا۔ انگریز کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ پورے پاکستان میں ایک اور صرف ایک تنظیم ایسی ہے۔ جس نے ملکی آزادی کی خاطر سامراج انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیا ہے اور وہ ہیں صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار۔ مگر انگریز اس طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھا چونکہ خدائی خدمتگار انگریز کی غلامی کے خلاف تھے اور اس کے ساتھ وہ انگریز کے فرقہ وارانہ سیاست کے سب سے موثر دشمن اور چونکہ ان دونوں پہلوؤں سے انگریز اور مسلم لیگ کی پالیسی بالکل ایک ہی تھی تو انگریز یہ جانتا تھا کہ سامراج انگریز کا دشمن مسلم لیگ کا بھی دشمن ہے تو مسلم لیگ کی حکومت بعینہ وہی کچھ کرے گی جو انگریز چاہتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے دشمنوں کو سزا دیں گے مگر مسلم لیگ کے ذریعے۔ علاوہ ازیں انگریز کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکستان ایک بالکل نئی مملکت ہے اور اس لئے اس کو استحکام حاصل کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ تو اسی لئے مستقبل میں یہ مملکت انگریز کی امداد کی طلب گار رہے گی۔

پاکستان کے متعلق انگریز کو ایک اور سہولت بھی تھی وہ جانتا تھا کہ پاکستان کے موجودہ حکمران مقامی نہیں ہیں بلکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ ان کی حیثیت ایک مہاجر کی ہے۔ جس کی جڑیں اس ملک میں نہیں ہیں۔ اس کی قوت کا دارومدار مسلم لیگ تنظیم پر ہے۔ مگر انگریز کو مشاہدات سے معلوم تھا کہ اور تو اور مسلم لیگ تو پنجاب میں بھی اپنے لئے سیاسی قوت پیدا نہ کر سکی اور یہ بات تو بالکل یقینی تھی کہ اگر ایک مضبوط اور منظم قوت موجود نہ ہو تو اقتدار سیاسی تنظیم کے ہاتھ سے نکل کر نوکر شاہی کے ہاتھ پر چلا جاتا ہے اور اس جماعت سے انگریز بالکل مطمئن تھا کہ پاکستان کا دارومدار مکمل طور پر انگریز پر ہوگا۔ انگریز کو یہ اندازہ لگانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ حکومت پاکستان نے وہی کچھ کیا جس کی انگریز کو توقع تھی اور انگریز کی خواہش کے مطابق تقریباً ساری کلیدی آسامیاں انگریزوں کے حصے میں آئیں۔ جب صوبوں کے گورنروں کا اعلان ہوا تو سندھ کو چھوڑ کے باقی تمام گورنر انگریز مقرر کئے گئے۔

بنگال کا گورنر سر فریڈرک بون	Sir Fredrick Bowne
پنجاب کا گورنر سر فرانسس موڈی	Sir Francis Mudie
سرحد کا گورنر سر جارج کننگھم	Sir George Cummningham
بلوچستان کا اے۔جی۔جی انگریز	A.G.G (Brition)

سندھ کے لئے سر غلام حسین ہدایت اللہ گورنر مقرر ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ سندھ کا دارالخلافہ کراچی تھا اور اسی طرح پاکستان کا دارالخلافہ کراچی اور چونکہ سندھ کے گورنر ہاؤس کو گورنر جنرل یعنی جناح صاحب کے لئے لیا گیا تو سندھ کے گورنر کو مجبوراً کہیں اور جانا پڑا۔

اسی طرح پاکستان فوج کے تینوں سربراہ انگریز شہری۔

زمینی فوج کے سربراہ یعنی کمانڈر انچیف جنرل سر فرنک میسروی General Sir Frank Massarvy

ہوائی فوج کے سربراہ۔ ایئر وائس مارشل پیری کین Air Vice Marshall Perry Keane

سمندر فوج کے سربراہ، ریر ایڈمرل جیفرڈ * Rear Admiral Jaffard

اسی طرح پاکستان کی مرکزی حکومت میں پانچ سیکرٹری صاحبان انگریز تھے۔ اسی طرح سے فوج اور دیگر مرکزی محکموں میں اہم ذمہ داریاں انگریزوں کے سپرد تھیں۔ سکندر مرزا نے اپنی خودنوشت میں ان انگریز افسروں کی کتنی تعریف کی ہے کہ کیسے ان انگریز افسروں نے دن رات ایک کر کے پاکستان کے استحکام کے لئے کام کیا۔ خصوصیت سے وہ ایک جنرل راس میکے General Ross Mackay کی بہت تعریف کرتے ہیں جن کے ذمہ پاکستانی فوج کی ازسرنو تنظیم تھی۔ اس طرح وہ دو اور انگریز افسروں کا ذکر سکندر مرزا کرتا ہے جنہوں نے شمالی علاقوں میں پاکستان کے لئے گلگت پر قبضہ کر کے سکردو کو بھی شامل کروایا۔ سکندر مرزا کے مطابق ان دو افسروں نے جو پاکستان کے حق میں تھے وہاں پر سکاؤٹس میں بغاوت کروا کے یہ علاقے پاکستان میں شامل کروائے:

> In the most morthern Sectors, things went well, we were able to take over Gilgit Agency & Skardu. Here a rising of the Gilgit scouts was organised by the two British officers with the Scouts who were Pro-Pakistan.

اس سلسلے میں صوبہ سرحد کی حالت سب سے زیادہ توجہ طلب تھی کیونکہ یہی صوبہ انگریزی استعماریت نوآبادیاتی پالیسی کی رو سے سب سے زیادہ حساس علاقہ تھا جس سے انگریز کے سوسالہ دور کے تمام مفادات وابستہ تھے اور انگریز کے لئے مشکل وہی ایک کہ یہ مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ مسلم لیگ کی سیاست اور انگریز کی عالمی پالیسی کے مخالف رہا۔ یہاں اور تو اور گزشتہ انتخابات کے نتیجے میں صوبائی اسمبلی

** بٹوارے کے بعد ہندوستان میں پنڈت نہرو نے انڈین آرمی میں ہر لیول کی کمانڈ ہندوستانی افسروں کے سپرد کر دی تھی اور کری آپا کو پہلا آرمی چیف بنوایا لیکن پاکستان میں آئی ایس آئی کے چیف رابرٹ کاؤتھم بھی 1948ء سے 1959ء تک ایک انگریز ہی رہے بلکہ آئی ایس آئی کی بنیاد بھی اس آسٹریلوی یہودی میجر جنرل نے رکھی تھی اور چیف آف سٹاف جنرل ڈگلس گریسی کو تعینات کیا گیا جنہوں نے کشمیر میں قبائلیوں کی اعانت کے لئے ایک بریگیڈیئر فوج بھیجنے کے حکم سے انکار کرتے ہوئے جناح صاحب کے بجائے فیلڈ مارشل آکین لیک کی حکم تابعی کی لیکن ان کو معزول کرنے کے بجائے جناح صاحب نے لیفٹیننٹ جنرل سے ترقی دیتے ہوئے کرنل جنرل بنوا کر پاکستان کا پہلا باقاعدہ آرمی چیف مقرر کیا۔

میں خدائی خدمتگاروں کی 2/3 (دوتہائی) اکثریت تھی۔اس لئے حکومت پاکستان اور انگریز دونوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے اس صوبے اور خدائی خدمتگاروں سے نمٹا جائے۔ جناح صاحب کے متعلق ان دنوں میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ جب بھی ان سے صوبہ سرحد اور خدائی خدمتگاروں کے متعلق بات ہوتی تو وہ کہتے کہ پٹھان بغیر انگریز کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔اس لئے اگر اس وقت کے فیصلوں کو سامنے رکھیں تو کم از کم اس صوبہ سرحد میں انگریز افسر اتنے اہم عہدوں پر اور اتنی تعداد میں موجود تھے کہ ظاہراً یہ معلوم کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ آیا حقیقتاً انگریز جا چکا* اور ہمیں آزادی ملی ہے۔صوبے کا گورنر انگریز چیف سیکرٹری انگریز اور صوبائی محکموں کے سیکرٹری انگریز پولیس جرنیل انگریز۔ یہاں تک کہ پی ڈبلیو ڈی اور بجلی کے محکمے کا سیکرٹری بھی انگریز تھا۔

پاکستان کو صوبہ سرحد کے علاوہ قبائلی علاقوں کی بھی فکر تھی۔انگریز کے گزشتہ سو سالہ تعلق کی روشنی میں حکومت پاکستان پر یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ جب تک حکومت ان قبائلی علاقوں کے ملکوں کو یہ تاثر مکمل طور پر نہ دلوادے کہ پاکستان کے قیام اور استحکام کے لئے انگریز کے تمام وسائل موجود ہیں۔ یہاں تک کہ انگریز افسر یہاں بذات خود موجود ہے تو ان کو دبانا ممکن نہیں اور تو اور اس کی فوج کی مکمل ذمہ داری ابھی تک انگریز کے ہاتھ میں ہے اور چونکہ اگلا مرحلہ ان قبائل کے الحاق کا تھا اور اس لئے بھی انگریز کی موجودگی ضروری سمجھی گئی تاکہ قبائل پر یہ واضح کیا جائے کہ وہ تسلسل بدستور قائم ہے اور انگریز ہی کے ساتھ نئے معاہدے پر دستخط کرنے ہوں گے۔انگریز نے حکومت پاکستان کو اس بات پر قائل کرلیا تھا کہ یہ کام صرف اور صرف کرسکتا ہے کہ وہ خود ان قبائلیوں کو یہ بات ذہن نشین کرالے کہ حکومت پاکستان انگریزوں کا حقیقی وارث ہے اور اسی لئے وہ تمام معاہدے اور سمجھوتے جو وقتاً فوقتاً انگریز اور قبائلیوں کے درمیان ہوئے ہیں۔اس کی تجدید حکومت پاکستان کے لئے انگریز گورنر اور حاکم کے ذریعے طے پا جائیں اور یہ بات بھی قبائلیوں کے ذہن نشین کرائے کہ مملکت پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لئے انگریز ابھی تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔

اس صوبے کی بین الاقوامی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قبائلیوں کے ساتھ معاہدوں کے علاوہ

---

*بٹوارے کے بعد باچا خان نے جناح صاحب سے مفاہمت کے لئے جو شرائط پیش کی تھی ان میں یہ دو شرائط بھی شامل تھیں کہ پاکستان دولت مشترکہ کو چھوڑ دے اور جتنے بھی انگریز افسران مختلف محکموں میں تعینات ہیں انہیں ہٹا دیا جائے جس کے جواب میں انہیں گرفتار کرنے کے لئے خصوصی طور پر پبلک سیفٹی آرڈیننس تیار کروا کر گورنر جنرل سے دستخط کروانے کے لئے زیارت بھیجا گیا لیکن پھر اس کی منظوری کا انتظار بھی کرنے کے بجائے 15 جون 1948ء کو ایف سی آر کے ذریعہ ان کو گرفتار کرلیا گیا۔

انگریز کی نظر لازماً حکومت افغانستان کے مستقبل کی پالیسیوں پر لامحالہ مرکوز رہی۔ برطانوی حکومت اس نظریے پر کار بند رہی کہ چونکہ حکومت پاکستان برطانوی حاکمیت کا حقیقی وارث ہے اس لئے وہ تمام معاہدے اور سمجھوتے جو حکومت ہند نے وقتاً فوقتاً کئے ہیں وہ تمام معاہدے خود بخود حکومت پاکستان کو وراثت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ برطانوی حکومت نے حکومت افغانستان پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ چونکہ پاکستان اب برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہے اس لئے وہی معاہدے جو حکومت افغانستان اور برطانوی حکومت کے درمیان طے پائے تھے جوں کے توں موجود ہیں اور اسی طرح برطانوی حکومت پاکستان کو ان معاہدوں کا حقیقی وارث تصور کرتی ہے۔ بالالفاظ دیگر ڈیورینڈ رلائن جو ابھی تک افغانستان اور برطانوی سلطنت کے درمیان ایک بین الاقوامی سرحد مانی جاتی تھی۔ بعینہ اسی طرح اب یہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دولت مشترکہ کی سرحد ہے اور اسی دلیل کو آگے لے جا کے انگریز نے افغانستان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ چونکہ پاکستان دولت مشترکہ میں شامل ہے۔ اس لئے اس کی سالمیت دفاع اور تحفظ کی ذمہ داری بھی حکومت برطانیہ کے فرائض میں شامل ہے۔

اس سلسلے میں میں سمجھتا ہوں کہ افغانستان کی حکومت ضرور حیران ہوگی کہ یا وہ وقت تھا جب جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور روس پسپا ہوتے ہوئے تقریباً ماسکو تک پہنچ گیا اور انگریز کی یہ تسلی ہوگئی کہ جرمنی نے پورے یورپ کو مکمل طور پر فتح کر لیا ہے اور اگر روس کو جرمنی کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے تو یقیناً روس کی طرف سے وہ خطرہ ٹل جاتا ہے جس کے روکنے کے لئے برطانوی پالیسی وقتاً فوقتاً بدلتی رہی۔ علاوہ ازیں جب اس دوران جاپان نے تمام برطانوی نوآبادیاں یکے بعد دیگرے فتح کر لیں اور برما کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے کلکتہ پر بمباری کی۔ تب تو واقعیؔ انگریز کے اوسان خطا ہوئے اور یہ کہ انگریز نے از خود حکومت افغانستان کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ برطانوی تخت سے ان علاقوں کا مطالبہ کرے جو 1893ء کے معاہدے کے تحت انگریز نے صوبہ سرحد اور بلوچستان کے نام سے افغانستان سے کاٹ کر اپنی نوآبادی میں شامل کر لئے تھے۔ یا وہ وقت تھا کہ انگریز از خود یہ علاقے افغانستان کے حوالے کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ مگر آج وہی انگریز ہیں اب چونکہ جرمنی جنگ ہار چکا اور وہاں جاپان بھی شکست کھا چکا اور جب یہ دونوں خطرے باقی نہ رہے تو آج انگریز کی پالیسی پھر سے بدل گئی اور چونکہ فتح روس کی ہوگئی تو اس اشتراکی خطرے کی دوبارہ تجدید کی ضرورت پڑی گئی اور پھر سے ڈیورنڈ لائن کے تقدس اور بین الاقوامی سرحدات کے تحفظ کا مسئلہ اٹھالیا گیا۔

ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریز کو پاکستان کے استحکام اور سالمیت کی فکر تھی مگر حقیقت میں وہ سب کچھ اپنے سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے کر رہا تھا تا کہ افغانستان کی حیثیت ایک بفر سٹیٹ تک محدود رہے اور انگریز اپنی وہی پرانی روس خلاف پالیسی کو پاکستان کے ذریعے آگے لے جانے کی کوشش کر کے اس وراثت

کے سلسلے میں مجھے ایک بات یاد آ گئی۔* یہاں صوبہ سرحد میں جب مسلم لیگ کے نام سے ایک سیاسی پارٹی میدان میں نکل آئی۔ تو اگر چہ نام تو اسلام کا لیتے رہے۔ مگر سیاست کے اخلاق اور آداب تو ایک طرف ان کے بعض لیڈرانِ انسانیت کے دائرے سے بھی نکلے ہوئے تھے۔ اسلام کا مقام تو بہت اونچا ہے چونکہ خدائی خدمتگاروں کے خلاف ان لیڈران کرام کے پاس کوئی معقول دلیل تو تھی نہیں اور چونکہ خدائی خدمتگار ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کے ساتھ اتحادی تھے اس لئے اس قومی وملکی خدمت اور قربانی کو زائل کرنے کی غرض سے یہ مسلم لیگی حضرات یہی کہتے رہے کہ چونکہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اس لئے یہ خدائی خدمتگار ہندوؤں کے ایجنٹ ہیں۔ وہی انگریز سر جارج کننگھم والا فتویٰ کہ چونکہ ہندو اہل کتاب نہیں ہے اور مشرک ہے اور چونکہ خدائی خدمتگار اپنی ملکی آزادی اور انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کانگریس کا ساتھ دے رہا ہے تو اس لئے یہ تعاون انگریز کو کفر کے ساتھ تعاون سے مترادف تھا اور اسی لئے مسلم لیگ بھی وہی کننگھمی فتویٰ لے کر خدائی خدمتگاروں پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ کافروں کے ساتھی ہیں۔ بعضے مسلم لیگی لیڈران اس کفر کے فتویٰ سے بھی شوقیہ تجاوز کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ساتھی اور کیبنٹ کے علاوہ تو بات یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ وہ خدائی خدمتگاروں کو ہندوؤں کے بچے کہا کرتے تھے۔ مگر جب پاکستان بننے کے سلسلے میں مسلم لیگ نے فرقہ وارانہ فسادات کروائے اور غیر مسلموں کو یہاں سے بھگایا اور متروکہ جائیدادوں میں بنگلے، کوٹھیاں، تجارتی ادارے اور کارخانے رہ گئے تو وہ جائیدادیں انہی مسلم لیگی لیڈران کرام نے قبضے میں لے لئے ان کو یہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ تو میں اس وقت ان مسلم لیگیوں کو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ عجیب منطق ہے کہ جب ہم ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف جدوجہد میں نکل جاتے ہیں تو یہ بے ہمت مسلم لیگی ہمیں ہندوؤں کے بچے کا طعنہ دیتے ہیں مگر آج جب کہ ہندوؤں نے کروڑوں اربوں روپے کی جائیدادیں پیچھے چھوڑی ہیں تو اس پر قبضہ کرنے کے لئے مسلم لیگی لیڈران آگے آئے اور یہ حق اپنا جتاتے ہیں تو میں کہا کرتا تھا کہ دنیاوی اور دینی دونوں قوانین کے تحت باپ کی جائیداد کے حقیقی وارث ان کے بچے ہوتے ہیں تو چلیں آج اس بات کی نشاندہی کریں کہ ہندوؤں کی

---

*لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی 7 جولائی 1947ء کی یادداشت جس کا حوالہ معروف دانشور ڈاکٹر منظور احمد نے بھی نوائے وقت 25 اگست 2008ء کی ایک تحریر میں دیا ہے اس کی رو سے لارڈ لکھتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر کی دفاعی منصوبہ بندی کے لئے سندھ، مغربی پنجاب اور بلوچستان اہمیت کے حامل ہیں سوویت روس کا مقابلہ کرنے کے لئے کراچی کی بندرگاہ تمام ملکوں سے رابطہ کا ذریعہ اور دفاعی مورچہ ہے بلکہ خشکی سے گھرے ان سمندر راستوں کی حفاظتی ضامن بھی ہے جہاں پر روسی فوجیں اتر سکتی ہیں۔ دولت مشترکہ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لئے مشرق وسطیٰ میں اپنے حساس مفادات کے تحفظ کا سب سے زیادہ مناسب اور محفوظ مقام پاکستان کی سرزمین ہے۔

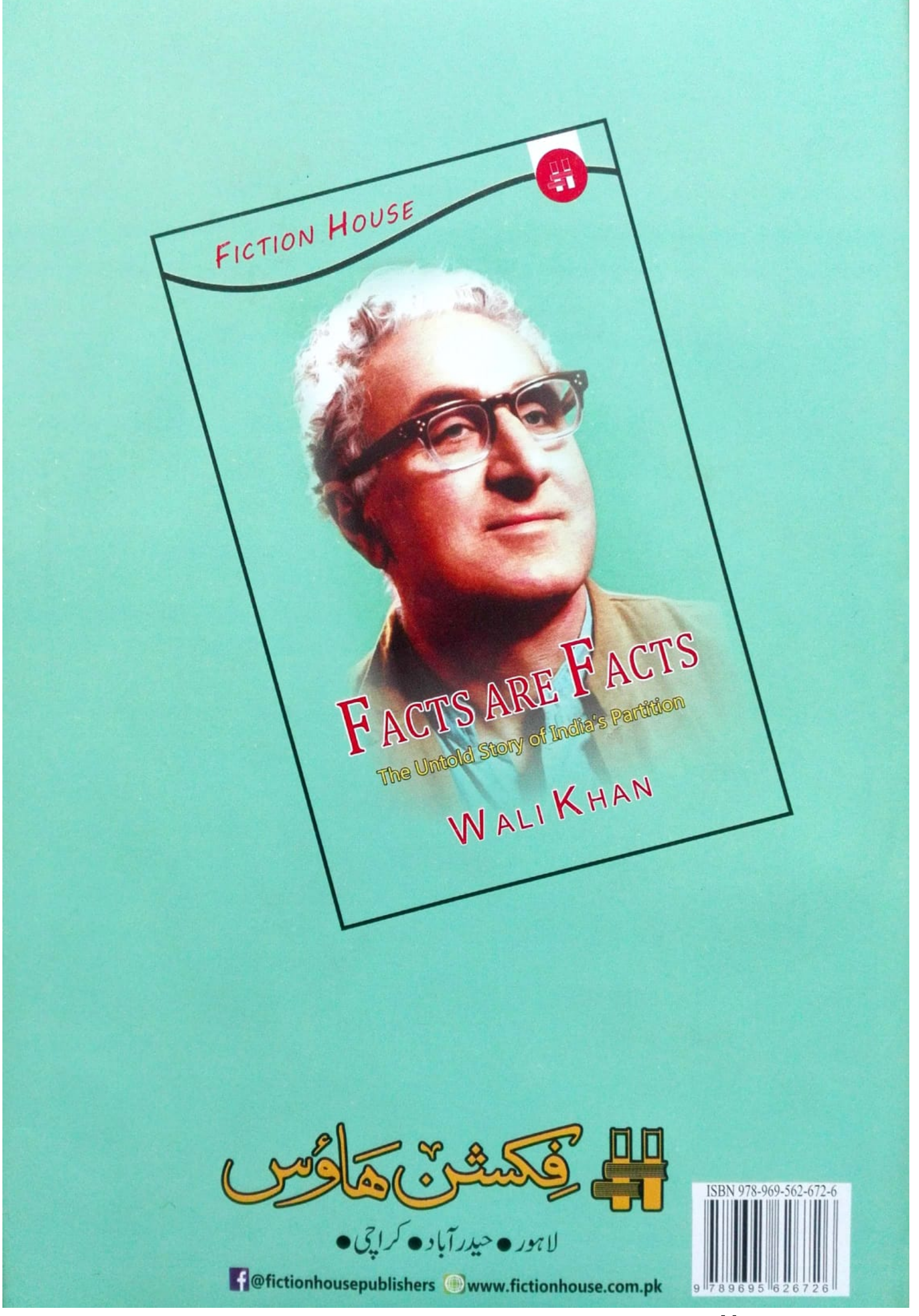
چھوڑی ہوئی جائیدادوں پر حقوق دعویٰ کون کر رہا ہے خدائی خدمتگار کہ مسلم لیگ؟؟؟ تو یقیناً یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس کسی کے پاس بھی ہندو کی اجازت ہوگی وہی اس ہندو کا حقیقی وارث تصور کیا جائے گا اور وہی اس دعوے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ چونکہ ہندو کا بچہ ہے اس لئے اس کی جائیداد کا حقیقی وارث ہے۔ عجیب منطق ہے جب ملک کی آزادی کی خاطر انگریز کے خلاف جدوجہد اور قربانی کا موقع ہو تو اس وقت خدائی خدمتگاروں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں کے بچے ہیں مگر انہی ہندوؤں کی جائیداد کی وراثت کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے تو پھر یہی مسلم لیگی چیختے ہیں ہ ہندوؤں کے حقیقی وارث تو یہ ہیں تو اب یہ فیصلہ ہم مسلم لیگیوں پر چھوڑتے ہیں کہ ہندوؤں کے اصلی بچے وہ ہیں یا خدائی خدمتگار۔

اس طرح انگریز کی وراثت کے اس مسئلے کو لے لیجئے۔ آخر مسلم لیگ کے پاس کون سا جواز ہے کہ وہ اپنے آپ کو انگریز کا حقیقی وارث ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیا اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ نے کوئی تحریک چلائی ہے کوئی جدوجہد کی ہے کوئی قربانی دی ہے آج اگر کانگریس اپنے آپ کو ہندوستان میں انگریز کا حقیقی جانشین ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کانگریس نے اس آزادی کے حصول کے لئے بیش بہا قربانیاں دیں۔ ہزاروں عورتوں مردوں نے جانیں تک قربان کی ہیں لاکھوں جیالے کارکن جیلوں میں رہے اور سالہا سال کی مسلسل قربانیوں کے بعد وہ آزادی انہوں نے انگریز سامراج سے چھین لی مگر پاکستان کی حکمران جماعت مسلم لیگ کا کیا رول رہا ہے وہ تو انگریز کا حلیف رہا اور انگریز اور کانگریس کے مقابلے میں وہ برابر انگریز کا ساتھ دیتا رہا اور ملکی آزادی کی خاطر قربانی تو کجا وہ تو ان تمام تحریکوں کا مخالف رہا جو کہ ملکی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی رہیں اور یہ انگریز نوازی صرف کانگریس کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مسلم لیگ ان تمام مسلمان تنظیموں کی بھی مخالفت کرتا رہا۔ جو انگریز کے خلاف صف آراء تھے۔ وہ دیوبند کے علماء کرام اور باعمل عالموں کا بھی مخالف تھا اور ان کے زعماء کو اپنی مخصوص مسلم لیگی زبان میں گالی گلوچ تک دینے میں بھی تامل محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح ان مسلمانوں کی حیثیت بھی مسلم لیگ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی جو مسلمان اپنی آزادی کے لئے قومی تحریک میں شامل تھے بلکہ انگریز سے ہمیشہ یہ منوانے کی کوشش کرتا رہا۔ کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت صرف مسلم لیگ ہے اس لئے بات یہاں پر آ کر رکتی ہے کہ چونکہ اس سرزمین کو انگریز کی غلامی سے نجات دلوانے میں مسلم لیگ کا کوئی رول نہیں رہا اور چونکہ اس جائیداد کو حاصل کرنے میں میں مسلم لیگ نے کوئی قربانی نہیں دی اور نہ جدوجہد کی بلکہ مسلم لیگ کا مکمل تعاون اپنے آقا انگریز کے حق میں رہا۔ اس لئے مسلم لیگ کی وراثت کا مسئلہ جائیداد کے لئے قربانی اور جدوجہد پر نہیں صرف انگریز کی وراثت پر ہے تو اس لئے مسلم لیگ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا اور وراثت کے سلسلے میں یہ بھی دلیل ماننے پر مجبور ہوگی کہ مسلم لیگی اس قسم کی وراثت کا دعویٰ کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ

انگریز کے حقیقی وارث یا بالالفاظ دیگران کے حقیقی اولاد ہیں۔

اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلم لیگ اور انگریز کی مخالف سیاسی جماعت پر کیا گزری۔ ان خفیہ دستاویزات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ان تمام واقعات کا تاریخی جائزہ لیا جائے گا اور اس حقیقت پر بھی بحث کی جائے گی کہ دوم جنگ عظیم کے نتیجے میں کس طرح انگریز کی نوآبادیاتی قوت کا خاتمہ ہوا اور کس طرح اس سامراجی قوت انگریز نے باامر مجبوری یہ تمام پالیسیاں تب امریکہ کے حوالے کر دیں اور پھر اس پر تفصیل سے بحث کی جائے گی کہ کس طرح بین الاقوامی سیاست میں مسلم لیگ اپنی دیرینہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے نئے آقا امریکہ کے سامراجی اور سرمایہ دارانہ نظام کے قیام کے سلسلے میں اپنی قوت استعمال کرتی رہی اور یہ امر تسلی کا باعث ہے کہ جس طرح انگریز نے اپنی انتہائی پراسرار خفیہ دستاویزات اپنی لائبریری میں عوام کے لئے رکھ چھوڑی ہیں بعینہ اس طرح امریکہ کی خفیہ دستاویزات بھی موجود ہیں جو میرے ہاتھ لگی ہیں۔ تاریخ کے طالب علم اور ایک قوم پرست پاکستانی کے لئے اس میں کافی مواد موجود ہے انشاءاللہ اگلی تصنیف میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔




FICTION HOUSE
FACTS ARE FACTS
The Untold Story of India's Partition
WALI KHAN
فکشن ہاؤس
لاہور • حیدر آباد • کراچی •
@fictionhousepublishers
www.fictionhouse.com.pk
ISBN 978-969-562-672-6
9 789695 626726